



۷۸۶

۹۲۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی



لیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc

sabeelesakina@gmail.com

www.ziaraat.com

NOT FOR COMMERCIAL USE

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

الخلافاء

بجواب
المسئولين

مؤلف
فروغ کاظمی

jabir.abbas@yahoo.com

جُمْلَہ حُقُوقِ بَہ حَقِّ مُؤَلِّفٍ وَنَاشِرِ مَحْفُوظِ هِیْنِ

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ
یٰ اَبَد

اس
کتاب
کی

تالیف کا مقصد
کسی مسلمان کی دل آزاری نہیں
بلکہ

میرے مخاطب
صرف ابوالحسن ندوی اور وہابی مسلک کے افراد ہیں
(اور

میری یہ کتاب
مولانا ندوی کی کتاب المرتضیٰ کے جواب میں ہے۔

فروغ کاظمی

نام کتاب: _____ الخلفاء
مؤلف: _____ فروغ کاظمی
تعداد اشاعت: _____ ایک ہزار
سن اشاعت: _____ ۱۹۹۵ء
طباعت: _____ سرفراز پبلشرز، لکھنؤ
قیمت: _____ ۱۰۰ روپے
ناشر: _____ ادارہ تہذیب و ادب ۳۹۲ میدان ایل ایچ خان چیمپی لین - لکھنؤ

— :: —

- ملنے کے پتے:
- عباس بُک ایجنسی رستم نگر لکھنؤ ۳ (دو گزہ حضرت بکال)
 - ادارہ تہذیب و ادب ۳۹۲ میدان ایل ایچ خان، چیمپی لین لکھنؤ ۳
 - صادق بک ایجنسی، چوک لکھنؤ ۳
 - صدیق بک ڈپو امین آباد لکھنؤ ۳۶ • احباب پبلشرز مقبرہ عالیہ لکھنؤ
 - قصیدہ کتب خانہ ۱۵۴ فرزا علی اسٹریٹ بمبئی لکھنؤ
 - شیعہ جامع مسجد کشمیری گیٹ دہلی -
 - شاندار گیٹ ڈپو ننڈوہ راس رگاب گنج لکھنؤ ۲۲۶-۲۲۷
 - کتب خانہ اشاعتی، چوک، لکھنؤ

انڈیکس

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۸۱	گھوڑے کی لید	۹	عرض مولف
۸۲	ایستادہ پشاپ	۱۲	ابتدائیہ
۸۳	عمری استنجاہ	۱۴	مختصر مختصر
۸۳	سٹیا بازی		
۸۴	حالت صوم میں جماع		پہلا باب
۸۵	عمری جوتیں		سید ابوالحسن ندوی کے نام ڈاکٹر
۸۶	جوتیوں کا رومال	۱۹	محمد تبجانی سماوی کا کھلا خط
۸۷	اعتراف منافقت		کھلا خط بنام شیخ عزیز الرحمن صاحب
۸۸	حضرت عمر کی یہودیت	۳۷	مفتی جماعت اسلامی ہند ممبئی
	اسلامی غزوات سے حضرت عمر		کھلا خط جناب ڈاکٹر محمد تبجانی
۹۳	کافر اور شجاعت	۷۳	سماوی تیونس
۱۰۱	عمری تشدد		
۱۰۱	ابو ہریرہ		دوسرا باب
۱۰۴	سعد بن ابی وقاص پر تشدد	۷۸	عمری بسیار خوری
۱۰۶	نصر بن حجاج پر تشدد	۷۸	پیٹ میں قراقر
۱۰۷	ابو شحمہ پر تشدد	۷۹	مال کا درد
۱۰۹	جبلہ بن ابیہم پر تشدد	۸۰	گھوڑے کی سواری



ایستادہ

اس مظلوم شہزادے کے نام

جو ضربِ عمری کا شکار لھو کر

بطنِ ماد لھر میں شہید ہو گیا

فروغ کاظمی

۲۵۱	خلافت عثمانی کا ابتدا	۱۳۱	عثمانی خانوادہ
	ساتواں باب	۲۲۲	اردی بنت کریم
۲۵۲	عثمانی نظام حکومت	۲۲۳	پیدائش
۲۶۰	حکم بن عاص	۲۲۴	حلیہ
۲۶۳	مروان بن حکم	۲۲۵	ابتدائی حالات
۲۶۵	حارث بن حکم	۲۲۶	تعلیم و تربیت اور پیشہ
۲۶۶	سعید بن عاص	۲۲۷	پوشاک و خوراک
۲۶۷	ولید بن عقبہ	۲۲۸	عثمانی اسلام
۲۷۰	عبداللہ بن سعد بن سرح	۲۲۹	کفار مکہ کا ریلا اور آپ کی ہجرت
۲۷۰	عبداللہ بن خالد	۲۳۰	مواخات
۲۷۲	عالموں کی معزولی اور تقویٰ	۲۳۱	غزوات میں عثمانی حصہ
۲۷۴	دور عثمانیہ کے اہم واقعات	۲۳۲	جنگ بدر
۲۷۴	قل ہرمزان	۲۳۳	جنگ احد
۲۷۸	حضرت ابوذر غفاری کی جلاوطنی	۲۳۴	دیگر غزوات
۲۸۲	حضرت عمار بن یاسر پر عمری تشدد	۲۳۵	حضرت عثمان عہد رسالت میں
۲۸۶	عبداللہ بن مسعود	۲۳۶	حضرت عثمان عہد نبیین میں
۲۹۱	عثمانی فتوحات	۲۳۷	عثمان کے بارے میں رسول اللہ کی
۲۹۳	مسجد نبوی کی توسیع	۲۳۸	پیشین گوئی
۲۹۳	مسجد الحرام کی توسیع	۲۳۹	شوری پر تبصرہ
۲۹۴	جمع قرآن	۲۴۰	شوری کا انجام
۲۹۹	منی میں عثمانی نماز	۲۵۰	خاموش انتقام

۱۶۷	ابوبکر پر عمری غلبہ	۱۱۰	عمری جھوٹ
۱۶۸	عہد عمری کے اہم واقعات	۱۱۱	عمری تجسس
۱۷۱	فتوحات عمری پر ایک نظر	۱۱۲	سرمہ دانی میں سلائی
۱۷۹	فتوحات سے رسول اکرم کو پریشانی	۱۱۵	جو چاہے کرے
۱۸۳	اسلامی اور غیر اسلامی فتوحات	۱۱۵	حفصہ کی پیش کش
۱۹۱	عمری نکتہ چینیاں اور منصب نبوت	۱۱۷	تین چار ماہ میں
	دینی و مذہبی اصلاحیں متعہ الحج و	۱۱۸	اسلام کے والدین
۱۹۷	متعہ النساء	۱۱۹	اولاد ایک فتنہ
۲۰۳	تراویح کی بدعت	۱۲۰	ایسی عورت ملتی
۲۰۶	چار تکبیریں	۱۲۱	بیت المال کا مال
۲۰۶	عمری جہالت اور علوی فراست	۱۲۲	کبشہ کا بیٹا
	پانچواں باب	۱۲۵	ضبیع تیمی کی پٹائی
	مجلس شوری کی تشکیل اور اس کا		تیسرا باب
۲۱۱	لائحہ عمل	۱۲۶	واقعہ حدیبیہ
۲۱۵	حضرت عمر کی وفات	۱۳۳	عبید اسامہ سے تحلف
۲۱۷	ازواج	۱۳۵	واقعہ قلم و قرطاس
۲۱۷	اولادیں	۱۴۵	توجیہات و تادیلات
	چھٹا باب حضرت عثمان		چوتھا باب
۲۱۹	نام و نسب	۱۴۲	ڈنڈے کے زور پر اعلان خلافت

ASSOCIATION KHOJA
SHIA ITHNA ASHRI
JAMAT
عزیز مولف
MAYOTTE

”ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا“

”الخلفاء حصہ اول“ اور ”تفسیر کربلا“ کی مقبولیت اور کامیابی کے بعد محترم قارئین کے پیہم اصرار اور حوصلہ افزائی کا ثناء تو بخدا الخلفاء کی یہ دوسری جلد بہت پہلے منظر عام پر آجاتی مگر افسوس! کہ یہ ممکن نہ ہو سکا اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ میری اہلیہ ثانیہ ایک قلبی دورہ میں مبتلا ہو کر ۱۴ اگست ۱۹۹۳ء کو اچانک اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ یہ وہ حادثہ تھا کہ جس کے بعد میری زندگی مکمل ایک سال تک غم و آلام کی آماجگاہ بنی رہی اور تالیفات و تصنیفات کا سلسلہ اپنی جگہ مفلوج و منجمد رہا۔ بہر کیف یہی وجہ تھی کہ میری یہ کتاب کافی تاخیر سے میرے محترم قارئین کی خدمت میں پہنچ رہی ہے جس کا مجھے شدت سے احساس ہے اور اس تاخیر کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔

میری یہ کتاب بھی الخلفاء حصہ اول کی طرح مولوی سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ”المقتضی“ کے جواب میں ہے اور میں نے موصوف کی تمام معترضہ باتوں کے جوابات کو اس کی تحریروں ہی میں مختصر کر دیا ہے جسے ہر جستجو آمیز نظر آسانی سے تلاش کر سکتی ہے۔ الگ الگ جوابات کی صورت

آٹھواں باب		مدت اقتدار
۳۴۷	سیرت شیعین	۳۰۲
۳۴۸	مسلمانوں میں بیجان	۳۰۴
۳۴۹	حضرت عثمان سے حضرت عائشہ کا اختلاف	۳۰۸
۳۴۹	حضرت عثمان پر پتھر اڑا	۳۲۲
۳۴۹	حضرت علیؑ سے فریاد	۳۲۵
۳۵۱	مروان کا فریب اور عثمان کا جھوٹ	۳۲۶
۳۵۲	نائلہ اور مروان کی مبتذل گفتگو	۳۲۷
۳۵۶	قتل عثمان کا فتویٰ اور اس پر عمل درآمد	۳۲۸
۳۶۰	حضرت عثمان کا محاصرہ اور قتل	۳۳۸
۳۶۱	مدفن	۳۴۵

حضرت فرغ کاظمی کا ایک اور قلمی شاہکار

حضرت عائشہ کی تاریخی
حیثیت

بہت جلد منظر عام پر آ رہی ہے

ہوں گے۔

تاریخ اسلام پر ایک مکمل، مستند اور معتبر کتاب "تفسیر اسلام" کی تالیف کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے جو کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ لیکن اس کی تالیف، کتابت اور طباعت میں کافی سرمایہ اور وقت کی ضرورت ہے۔ دعا کیجیے کہ خداوند عالم اپنے خزانہ غیب سے اس کا انتظام فرمائے۔

والسلام

خادم شیعیت

فروغ کاظمی

۱۳ اپریل ۱۹۹۵ء

میں یہی کتاب کئی جلدوں میں مشتمل ہوتی اور طوالت کی بنا پر قارئین کرام کے ذوق مطالعہ پر بار ہوتی۔

یہ بھی واضح کر دوں کہ اس کتاب کی تالیف کا مقصد کسی مسلمان کی دل آزاری برنگز نہیں، درحقیقت یہ کتاب المرتضیٰ کے جواب میں ہے اور اس کا مقصد اسلام کی ان منافق اور تخریب کار شخصیتوں کے دھکے چھپے کہ دار کو سامنے لانا ہے جو ندوی صاحب کی عقیدتوں کا محور و مصدر ہیں اور جن کے سیاہ کارناموں کی بدولت اسلام تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

میں ان تمام حضرات کا ممنون و متشکر ہوں جنہوں نے الخلفاء حصہ اول اور تفسیر کے بلا کے مطالعہ کے بعد اپنے مخلصانہ تاثرات کا اظہار فرمایا اور تحسین آمیز خطوط کے ذریعہ حوصلہ افزائی کی، اس کے ساتھ ہی میں ان لوگوں کا شکریہ ادا بھی ہوں جنہوں نے الخلفاء (اول) کی اشاعت کے بعد مجھے گایوں بھرے مکتوب سے نوازا اور دھکیا دیں۔

خصوصی طور پر میں برادر محترم سید علی عباس طباطبائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی حق پرستی اور انسانیت نوازی نے اس کتاب کی تالیف کے دوران میرا بھرپور ساتھ دیا۔

میں نواب باقر علی خاں روش لکھنوی اور جناب فرحت صاحب رضوی (راجپور) کا ممنون بھی ہوں جن کی کوششوں کے نتیجے میں میری پہلی کتاب "الخلفاء حصہ اول" اشاعت پذیر ہوئی۔

آخر کلام میں یہ مسرت خیز اعلان بھی سماعت فرمائیں کہ "حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت" مکمل ہو کر کتابت کی منزلوں سے گزر رہی ہے انشاء اللہ عنقریب منظر عام پر آئے گی اور یقیناً آپ اس سے لطف اندوز

ابتدائیہ

اسلام نے تمام مذاہب کے لوگوں کو اپنے اپنے مذہب کے بارے میں تبلیغ کی اجازت بھی دی ہے اور مناظرہ کے آداب بھی سکھائے ہیں چنانچہ آداب مناظرہ میں پہلی چیز جو غور و فکر کی محتاج ہے وہ ”حق“ اور ”حقیقت“ کا اظہار ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی شخص کو بغیر ثبوت و دلیل کے اگر زنا کا کہتا ہے تو اسے فتنہ انگیزی، بہتان، تہمت اور دل آزاری کہا جائے گا۔ لیکن اگر وہی زنا کار کہنے والا شخص عدالت کا فیصلہ اور جیلر کا صداقت نامہ حاصل کر کے دوسرے شخص کو زنا کار کہے اور یہ ثبوت فراہم کرے کہ وہ زنا کاری کے جرم میں عدالت سے سزا پایا بھی ہو چکا ہے تو نہ یہ فتنہ انگیزی ہوگی نہ بہتان نہ تہمت اور نہ دل آزاری، بلکہ حق کا اظہار ہوگا اور ہر انصاف پسند انسان عدالت کے حکم اور جیلر کے صداقت نامہ کی روشنی میں یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ پہلے شخص نے دوسرے شخص کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، حق ہے اور حقیقت ہے۔

معلوم ہوا کہ حق کا اظہار نہ فتنہ انگیزی ہے نہ بہتان ہے نہ تہمت ہے اور نہ دل آزاری ہے۔ اس طرح مناظرہ کا ایک بنیادی اصول یہ طے پایا کہ حق کا اظہار فتنہ انگیزی یا دل آزاری ہر گز نہیں ہے۔ اور اگر اس اصول کو تسلیم نہ کیا گیا تو اسلام کا ”کلمہ“ دل آزاری کی تعریف میں

داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ پیغمبر اسلام کی بعثت سے پہلے کفار مکہ ہزاروں ”معبودوں“ کو اپنا خدا مانتے تھے اور ان کی پرستش کرتے تھے ان تمام معبودوں کی نفی کر کے صرف ایک خدا کے وجود کو صحیح کہنا کفار کی دل آزاری نہیں تو پھر اور کیا ہے؟

بہر حال حقیقت و حقائق کا اظہار نہ فتنہ انگیزی ہے نہ عصبیت اور نہ دل آزاری بلکہ کسی اختلاف کی بنا پر حق پر باطل کا پردہ ڈالنا فتنہ انگیزی بھی ہے عصبیت بھی ہے اور دل آزاری بھی۔

گزشتہ چند برسوں سے شیعوں، شیعیت اور آل رسول کے خلاف ایک مخصوص گروہ کی طرف سے کچھ ایسی کتابیں اشاعت پذیر ہو رہی ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ منافقین صرف رسول ہی کے عہد میں نہیں تھے بلکہ آج بھی موجود ہیں جو اپنے مکروہ چہروں پر اسلام کی نقابیں ڈال کر اسلام دشمنی کے منصوبوں کی تکمیل میں مصروف ہیں اور جن کی تائید مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی کی کتاب ”المرئضی“ نیز مولوی عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ سے ہوتی ہے۔

خدا سلامت رکھے محقق بصیر جناب فروغ کاظمی کو کہ انھوں نے مذکورہ دونوں کتابوں کے جوابات مندرجہ بالا اصول مناظرہ کے تحت ”الخلافاء“ اور ”تفسیر کربلا“ کی شکل میں تحریر کر کے شیعوں اور شیعیت پر بہت بڑا احسان کیا ہے جیسا کہ ملاذ العلماء مولانا سید حسن صاحب قبلہ مجتہد نے تفسیر کربلا کی رسم اجرا کے موقع پر بعد نماز جمعہ مسجد اصفیٰ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”ایک خاص گروہ ہے جسے امت مسلمہ کے تمام فرقے از روئے اسلام غیر مسلم ٹھہراتے ہیں۔ اس گروہ کا کوئی تعلق رابطہ اسلام سے نہیں ہے۔ یہ شیعہ سنی فیلنگ بھیلانے اس کو مسئلہ بناتا ہے جس کے نتیجے میں ہر سنی یہ سمجھتا ہے کہ میرے خلاف ایک کام ہو رہا ہے، ایک اقدام ہو رہا ہے۔ ہمیں آپ کو، سب کو یہ سمجھانا چاہیے کہ شیعہ سنی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ابھی کل پر رسول آپ نے قومی آواز میں پڑھا ہوگا کہ نسلیں گزریں گئیں راون کو برا کہتے مگر آج لکھنؤ میں یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ ہمیں راون کی پوجا کرنے اور اس کی حمایت میں جلوس نکالنے کی اجازت دی جائے۔ راون کی مدح کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کی فطرت میں ظلم پرستی آگئی ہے۔ لہذا ہر مظلوم کے ساتھ کو ان ظلم کی پرستش کرنے والوں کو طمانچہ لگانا چاہیے۔

میں امت مسلمہ کے درمیان اتحاد کا حامی ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں یزید کو اچھا کہنے لگوں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں ابوسفیان کو اچھا کہنے لگوں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں قنفذ کو رضی اللہ عنہ کہنے لگوں، اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ میں شمر کو رضی اللہ عنہ کہنے لگوں۔

اگر اسلام کے معاملات کچھ اور ڈھیلے ہوئے تو یہی گروہ ایک دن کہنے لگے گا کہ اسلام کے سائے میں ہم کو پھر ان پرانے بتوں کی پوجا کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ اس گروہ سے جس طرح پیغمبر اسلام کو لڑنا تھا، حیات پیغمبر کے بعد ہر معصوم لڑا ہے اسی طرح ہم بھی

لڑ رہے ہیں اور ہماری یہ لڑائی جاری ہے۔

خدا جزائے خیر دے، مجھ تک کلب صادق صاحب کی جو لفظیں پہنچی ہیں میں انہیں نقل کر رہا ہوں کہ فروغ کاظمی صاحب نے وہ کام انجام دیا ہے جو مولویوں کو کرنا چاہیے تھا۔

بے شک یہ ایک شاعر کا کام نہیں ہے۔ نظم کے ذریعہ حالات بدلنا، قوم پر اثر انداز ہونا ازل سے چلا آ رہا ہے۔ شعرا اثر ڈالتے رہے ہیں اور قومی خدمتیں کی ہیں۔ پیغمبر اسلام نے بھی غدیر کے اعلان کو صرت نشر میں نہ رہنے دیا بلکہ اسے نظم میں بھی نشر کیا۔

یہ کام تو ان لوگوں کا ہے جو دین کے ذمہ دار سمجھے جاتے ہیں ان کو چاہیے تھا کہ اس گروہ کے خلاف کتاب لکھتے۔ فروغ کاظمی صاحب نے ہماری پوری قوم پر احسان کیا ہے اور وہ کتاب لکھی ہے جو ابھی آپ کے سامنے آنا چاہتی ہے۔

آپ کو علم ہوگا کہ ایک طریقہ جڑ کاٹنے کا وہ انداز ہے کہ خنجر پر مخمل کا غلات پڑھا ہو، تو اس کا نام ”المرقنی“ ہوگا اور جب خنجر نمایاں ہو جائے، برہنہ ہو جائے تو وہ عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب ”واقعہ کہ بلا اور اس کا پس منظر“ ہے جو انھوں نے اپنی نئی نظر سے مطالعہ کے بعد ترتیب دی ہے۔ کاش اسلام کی عینک لگا کر مطالعہ کرتے تو نتیجہ کچھ اور ہوتا۔ انھوں نے اسلام کی عینک اتار دی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جد کی آبائی نگاہ واپس آگئی۔“

اس کتاب (تفسیر کے بلا) کو فروغ کاظمی صاحب کی کتاب کہیے یا یہ کہیے کہ نیاٹیسٹ کر کے چشمہ چڑھایا جا رہا ہے۔ پوری قوم کو

مختصر مختصر

محقق بصیر جناب فروغ کاظمی کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ آپ ایک حق پرست اور کامیاب شاعر ہیں۔ یہ تائید غیبی ہے کہ آپ نے تالیفات کے میدان میں قدم رکھا تو یکایک ایک شاعر سے مصنف محقق اور تاریخ داں بن گئے اور آپ نے ”الخلفاء“ لکھ کر جاں نثارانِ اہلبیتؑ میں اپنا نام شامل کر لیا۔ یہ مرتبہ وہ ہے جس کے لیے جتنی بھی دعائے خیر کی جائے کم ہے۔

فروغ کاظمی کے زور قلم کا نتیجہ ”الخلفاء“ کی دوسری جلد اب منظر عام پر آرہی ہے۔ تمام مومنین کو اس کی کامیابی کی دعا کرنی چاہیے۔ چونکہ کاظمی صاحب صحیح النسل ہیں اس لیے اہل بیتؑ اطہار کی محبت سے سرشار و مالا مال ہیں۔ جب آپ نے دیکھا کہ کچھ یزیدی اپنے مشن میں آج بھی لگے ہیں اور حسینؑ مظلوم کو (معاذ اللہ) باغی، ہٹ دھرم اور خطا کار ثابت کرنے میں تن، من، دھن سے مصروف ہیں اور یزید، معاویہ اور ان کے جرگہ کے لوگوں کی برتری ثابت کرتے ہیں یعنی کذابوں، زانیوں اور شراب خواروں کے جسموں پر لگی ہوئی غلاظت کو اپنی ناپاک اور نجس زبان سے چاٹ چاٹ کر صاف کرنے کی سعی لا حاصل کر رہے ہیں تو فروغ کاظمی کا جذبہ ایمانی بیدار ہوا

فروغ کاظمی صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیے، پوری قوم کو خوش آمدید کہنا چاہیے اور پوری قوم کو ادب سے سر جھکانا چاہیے کیونکہ انھوں نے اپنے لیے کچھ نہیں کیا بلکہ پوری قوم کی عزت بچائی۔ (صلوٰۃ)

ہم سب ان کے ممنون ہیں۔ یہ مشہور شاعر ہیں اور بحیثیت شاعر آپ انھیں پہچانتے ہی ہوں گے۔ لیکن میں ان کا جو تعارف کرار ہا ہوں وہ بحیثیت شاعر نہیں بحیثیت مصنف کے کرار ہا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ادب میں کوئی تنقیدی مقالہ لکھتے مگر انھوں نے جو کام انجام دیا ہے وہ تحقیقی مقالہ واقعہ کر بلا پر ہے جو ایک یزیدی کا جواب ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تنقیدی مقالہ لکھتے تو دنیا میں واہ واہ ہوتی مگر میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ انھیں نے جو مقالہ لکھا ہے اس کا شکریہ میں نہیں بلکہ فاطمہ زہراؑ ادا کریں گی۔ (صلوٰۃ)

لہذا آپ حضرات پذیرائی کیجئے، انھیں ویل کم کیجئے اور انھیں آگے بڑھائے تاکہ یہ اہل بیت کے دشمنوں کو اور بھی جواب پر جواب دیتے رہیں۔

ملاذ العلماء کے اس تقریری اقتباس کے بعد جناب فروغ کاظمی صاحب کے بارے میں مزید کچھ کہنا میرے لیے قطعی مناسب نہیں ہے۔ مگر یہ کہ الخلفاء حصہ اول اوّل تفسیر کر بلا کی کامیابی کے بعد موصوف کی تیسری پیش کش الخلفاء حصہ دوم جس کا قارئین کرام کو بے حد پسند سے انتظار تھا، منظر عام پر آرہی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب الخلفاء حصہ اول سے زیادہ کامیاب ثابت ہوگی اور مومنین کرام اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ بے حد لطف اندوز ہوں گے۔ والسلام

خادم ملت

سید علی عباس طباطبائی

(پہلا باب)

سید ابوالحسن علی ندوی ہندی کے نام
ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی کا

کھلا خط!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

مجھے محمد تیجانی سماوی تیونسی کہتے ہیں۔ خدا نے ہدایت و توفیق کے ذریعہ مجھ پر احسان کیا اور میں طویل تحقیق کے بعد مذہب شیعہ سے متمسک ہو گیا ہوں جبکہ اس سے قبل میں مالکی تھا اور شمالی افریقہ صوفیوں کے مشہور سلسلہ تیجانیہ کا پیروکار تھا۔ شیعہ علماء کے پاس آمد رفت کے ذریعہ میں نے حق کو پہچانا اور اس سے متعلق ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ”شراعت الیت“ رکھا جو آپ کے ملک ہندوستان میں بھی ”مجمع علمی اسلامی“ کی طرف سے متعدد زبانوں میں چھپ کر ختم ہو چکی ہے۔ اسی مناسبت سے مجھے ہندوستان آنے کی دعوت دی گئی۔

سیدی عزیز! میں مختصر زیارت کے لیے ہند آیا۔ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا کیونکہ میں نے آپ کے بارے میں سنا تھا کہ اہل سنت والجماعت کے مرجع آپ ہی ہیں لیکن مسافت کی زیادتی اور وقت کی تنگی کی بنا پر ملاقات نہ کر سکا

اور آپ نے اپنے قلم کی نوک سے باطل کا پردہ چاک کرنا شروع کر دیا خدا کا شکر ہے کہ کاظمی صاحب اپنے اس جہاد میں بہت کامیاب ہیں۔ پیغمبر اسلام کی آنکھ بند ہوتے ہی آل رسول پر مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان کے فضائل و مناقب کے مقابلہ میں جھوٹی حدیثوں کے کارخانے کھل گئے اور جب جھوٹی حدیثیں ہوں گی تو وہ جھوٹے اور چھوڑے لوگوں کی ہی تعریف میں ہوں گی۔ وہ زمانہ درہم و دینار کا تھا لالچ میں علماء، مورخین اور محدثین گونگے اور بہرے بن گئے، باطل کو حق اور حق کو باطل کہنے لگے۔ مگر اب نہ درہم ہے اور نہ دینار اور نہ وہ زمانہ البتہ سعودیت باقی ہے جو عتیق سنبھلی جیسے ناپاک و نامراد انسانوں کو خرید کر معاویہ و یزید کی وکالت کے لیے چھوڑ دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ”واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر“ جیسی کتابیں وجود میں آتی رہتی ہیں اور فروغ کاظمی ایسے حق پرست ”تفسیر کربلا“ کے ذریعہ اس کا جواب دیتے رہتے ہیں۔

یہ ملت اسلامیہ کی بد قسمتی ہے کہ ایسے لوگوں کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو رسول کریم کے جنازہ کو چھوڑ کر ایک نابکار عورت کی انگلیوں پر ناپ رہے تھے اور پیغمبر کا جانشین بننے کے لیے انسانی اور شریفانہ حدود کو تجاوز کر چکے تھے۔

فروغ کاظمی صاحب انھیں خوشامدی لوگوں کے چہروں سے نقابیں اٹھا رہے ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خداوند عالم کاظمی صاحب کو اپنے مقاصد میں کامیاب کرے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

احقر العباد

حکیم آغا شیرازی، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

منہ بھٹ انداز میں اور حلفیہ جواب دیا کہ میں اپنی عمر کے کسی دن میں مسلمان تھا ہی نہیں کیونکہ میں شیعہ ہوں اور شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

میں نے کہا: میرے بھائیو! خدا سے ڈرو۔ ہمارا ایک خدا، ایک نبی، ایک کتاب اور ایک قبلہ ہے اور شیعہ خدا کو ایک جانتے ہیں اور نبی و اہلبیت کی اقتدا کرتے ہوئے اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ وہ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں۔ انھیں کافر قرار دینا تمہارے لیے کیسے جائز ہو گیا؟

انھوں نے جواب دیا: تمہارا قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ تم منافق ہو، تقیہ پر عمل کرتے ہو، تمہارے امام کہتے ہیں کہ تقیہ میرے آبا و اجداد کا دین ہے، تم یہودی ہو، کیونکہ اس کا موسیٰ عبداللہ ابن سبا یہودی ہے۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا: مجھ سے شیعہ ہونے کی حیثیت سے گفتگو نہ کریں۔ میں خود تمہاری ہی طرح مالکی تھا اور تحقیق و چھان بین کے بعد میں اس بات سے مطمئن ہو گیا کہ اہل بیت کا اتباع کرنا بہتر ہے۔ کیا تمہارے پاس ایسی کوئی دلیل ہے کہ جس کے ذریعہ مجھ سے مجادلہ کر سکو یا پھر تم مجھ سے سوال کرو کہ میری دلیل کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھا سکیں۔ انھوں نے کہا: اہل بیت ازواج نبی ہیں، تم قرآن کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔

میں نے کہا: صحیح بخاری اور مسلم سے تو تمہارے قول کی مخالفت ثابت ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا: جو کچھ صحیح بخاری و مسلم اور دوسری حدیث کی کتابوں میں ایسی چیزیں مرقوم ہیں جس سے تم حجت قائم کرتے ہو، وہ شیعہوں کی گڑھی ہوئی حدیثیں ہیں جنہیں ہماری کتابوں میں سمودیا گیا ہے۔

اور صرف بمبئی، پونہ، جبل پور اور گجرات کے کچھ شہروں تک ہی جاسکا لیکن ہندوستان میں سنی اور شیعہوں کے درمیان بغض و عداوت دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔

یقیناً یہ بات میں پہلے بھی سنتا تھا کہ ہندوستان میں مذہب کے نام پر جنگ و جدل ہوتی ہے اور کبھی نیک مسلمانوں کا خون بہہ جاتا ہے۔ میں اس کی تصدیق نہیں کرتا تھا سوچتا تھا کہ مبالغہ آرائی ہے لیکن جو میں نے اپنے سفر کے دوران وہاں دیکھا اور سنا اُس سے میری حیرت و تعجب ہوا ہو گئی اور مجھے یہ یقین ہو گیا کہ (یہاں) اسلام اور شیعہ سنی مسلمانوں کے خلاف بدست سازشیں اور بڑی منصوبہ بندی سے کام ہو رہا ہے۔ میرے اس علم و یقین کو اسس بالمشافہہ گفتگو نے اور تقویت بخشی جو میرے اور اہل سنت کے علماء کی ایک جماعت کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جماعت میں جماعت اسلامی کے مفتی شیخ عزیز الرحمن پیش پیش تھے۔ یہ ملاقات ان ہی کی دعوت پر بمبئی میں ان ہی کی مسجد میں ہوئی تھی۔

میں صحیح طریقہ سے ان کے درمیان پہنچا بھی نہیں تھا کہ انھوں نے شیعیان اہل بیت پر لعن طعن کرنا شروع کر دی اور زہر اُگلنے لگے۔ وہ مجھے ذلیل اور قتل کرنا چاہتے تھے کیونکہ انھیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اہل سنت کو مذہب اہل بیت اختیار کرنے کی دعوت دی ہے۔ لیکن میں ان کے ارادوں کو بھانپ گیا۔ میں نے اپنے اعضا پر قابو کیا اور مسکراتے ہوئے کہا: ”میں تمہارا جہان ہوں، تم نے مجھے دعوت دی، میں حاضر ہو گیا۔ کیا تم نے مجھے اسی لیے بلایا ہے کہ مجھ پر سب و شتم کرو، کیا اسلام نے تمہیں اسی اخلاق کی تعلیم دی ہے؟“ انھوں نے بہت ہی

کہ یہ نوجوان اور مہذب شخص نبی کے مکتبہ اور مطبع اسلامیکہ کا مالک شرف الدین تھا۔ وہ ہمارے درمیان ہونے والی مذکورہ گفتگو کا گواہ ہے۔ اس کے سامنے ان افراد کی بد اخلاقی کہ جو اپنے کو سب سے بڑا عالم تصور کرتے ہیں پوشیدہ نہ رہی۔

میں نے انھیں چھوڑ دیا حالانکہ مجھے انہوں کے اس انحطاط پر افسوس ہو رہا تھا، خصوصاً ان لوگوں پر جو مرکز صدارت پر بیٹھے ہوئے ہیں اور خود کو علماء کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا جب اندھے تعصب میں علماء کی یہ حالت ہے تو یہاں کے (عوام الناس اور جاہلوں کی کیا کیفیت ہوگی۔ اب میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ ایسے معرکے اور جنگیں کیسے وجود میں آتی ہیں۔ جن میں محترم خون بہہ جاتا ہے، عزتیں پامال ہو جاتی ہیں اور ہتک حرمت ہوتی ہے اور یہ سب کچھ اسلام سے دفاع کے نام پر ہوتا ہے۔ میں امت کی اس پست روش پر رو دیا کیونکہ اس امت کے لیے خدا نے ہدایت کی ذمہ داری کی تھی اور رسول نے تاریک قلوب تک نور پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی اور ابھی ہدایت کی شدید ضرورت ہے اور اس وقت صرف ہندوستان میں سات سو ملین افراد غیر خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ گائے اور بچوں کی تقدیس کرتے ہیں اور بجائے اس کے مسلمان انھیں موجد بنائیں، ان کی ہدایت کریں، تاریکی سے نکال کر روشنی میں لائیں تاکہ وہ رب العالمین کو قبول کریں، آج ہم مسلمانوں کو خصوصاً ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ انھیں خود ہدایت کی ضرورت ہے۔

لہذا میرے سید و سر دار! آپ کو دعوت نامہ ارسال کر رہا ہوں کہ خدائے رحمن و رحیم، اس کے رسول اور عظیم اسلام کے نام پر اللہ کی رسی

میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا: جب شیعوں نے تمہاری کتابوں میں غلط حدیثیں بھردی ہیں تو ان کتابوں کا اور اس پر قائم تمہارے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ (میرے اس جملے سے) وہ خاموش ہو گئے لیکن ان میں سے ایک نے بے جوڑ گفتگو کا از سر نو آغاز کیا اور کہا: جو بھی خلفائے راشدین سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ میں اُس کی یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا، اس لیے کہ میں نے اپنی زندگی میں یہ بات کبھی نہیں سنی تھی کہ جو معاویہ و یزید کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ کافر ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا: یہ بات تو کسی حد تک صحیح ہے کہ مسلمان ابوبکر و عمر اور عثمان سے راضی ہو جائیں لیکن یزید کے بارے میں تو میں نے ہندوستان کے علاوہ کہیں نہیں سنا تھا۔ میں نے ان سب کو مخاطب کیا اور سوال کیا کہ کیا تم سب اس شخص کی رائے سے متفق ہو؟ ان سب نے بیک زبان کہا: ہاں۔

اب میں نے یہ سوچا کہ ان سے گفتگو کرنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور میری سمجھ میں یہ بات آگئی کہ وہ مجھے غیظ دلا کر مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہیں اور صحابہ پر لعنت کے الزام میں مجھے قتل کر دیں گے اور کسی کو خبر نہ ہوگی میں نے ان کی آنکھوں میں شر کو دیکھ لیا تھا اور اپنے اس ساتھی سے کہا جو مجھے ان کے پاس لے گیا تھا کہ مجھے یہاں سے فوراً نکال لے چلو، چنانچہ اس نے مجھے نجات دلائی۔ حالانکہ وہ مجھ سے روارکھے جانے والے لوگ پر عذر خواہی کر رہا تھا اور اس بات پر افسوس کر رہا تھا اور یہ شخص کہ جو اس ملاقات کے ذریعہ حق کو پہچاننا چاہتا تھا اس سے بری تھا۔ واضح ہے

”اللہ خود گواہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے ملائکہ اور صاحبان علم گواہ ہیں کہ وہ عدل کے ساتھ قائم ہے“
 اور جب خداوند عالم ہم سب کو یہ حکم دے رہا ہے یہ کہہ کر:
 وَ آتَمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ
 (سورہ رحمن آیت ۸)

”اور انصاف کے ساتھ وزن قائم کرو اور تولنے میں کم نہ تولو“
 اور جب مفسرین نے قیمتی مادی اشیاء میں عدل قائم کرنے کے لیے کہا ہے تو ان عقائدی چیزوں میں عدالت سے کیوں کام نہیں لیتے جو حق و باطل کے درمیان امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھیں پر بشر کی ہدایت ہو تو اور اس میں پوری انسانیت کی نجات کا راز مضمر ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا حَكَمْتُمْ فَاَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ

”اور جب کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو“

نیز ارشاد ہے:

يَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمُ
 بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ
 سَبِيلِ اللّٰهِ

”اے داؤد ہم نے تم کو زمین پر اپنا جانشین بنایا ہے لہذا تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشات کا اتباع نہ کرو کہ وہ راہ خدا سے منحرف کر دے“
 اور رسول اکرم کا ارشاد ہے:

کو مضبوطی سے پکڑیں اور تفرقہ بازی سے پرہیز کریں۔ میری گزارش ہے کہ آپ ایک شجاع مسلمان کا موقف اختیار کریں کہ جو خدا کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی اس پر شیطان کی دلی خواہش، عصبیت و قبائلیت طاری ہوتی ہے۔

میں آپ کو پر خلوص اور واضح موقف کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ لوگوں ہی پر خدا نے اس علاقہ کے لوگوں کی ہدایت کی ذمہ داری اُس وقت تک عاید کی ہے جب تک آپ اسلام کا دم بھرنے نہیں گئے۔ خدا آپ کے اس موقف سے ہرگز راضی نہیں کہ آپ یہاں وہاں روٹنا ہونے والے حالات سے راضی ہوں کہ جس کی قیمت شیعہ، سنی مسلمانوں کو چکانا پڑتی ہے۔ قیامت کے روز خداوند عالم ہر چھوٹے بڑے کا آپ سے حساب لے گا اور ہر نافرمانی کے متعلق آپ سے پوچھا جائے گا کیونکہ صاحبان علم اور جاہل برابر نہیں ہیں۔ ہر ایک پر اس کے ظرف و دانائی کے مطابق ذمہ داری عاید ہوتی ہے اور شرافت کے لحاظ سے بزرگی و عظمت ملتی ہے۔

لہذا جب تک آپ اپنے کو ہندوستان کا عالم سمجھتے رہیں گے اس وقت تک آپ کی ذمہ داری بھی عظیم رہے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے کچھ کہنے میں ہندوستان کے لوگوں کی اصلاح بھی ہو سکتی ہے اور کبھی اس سے نفسیں ہلاک بھی ہو سکتی ہیں۔ اے صاحبان عقل! اللہ سے ڈرو۔

بے شک خداوند عالم نے ملائکہ کے بعد علماء کو بلند مرتبہ عطا کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو
 الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (آل عمران آیت ۱۸)

آپ کے نزدیک مشرک ہیں؟

کیا وہ لوگ جو اہل بیتؑ میں سے ان بارہ اماموں کی امامت کے قائل ہیں جن سے خدا نے رحب کو دور رکھا ہے اور اس طرح پال کیا جو کہ حق ہے اور ان کی امامت پر رسولؐ نے نص فرمائی ہے جیسا کہ اہل سنت علماء مثلاً بخاری و مسلم وغیرہ نے اپنی صحاح میں تحریر کیا ہے، وہ آپ کے نظریہ کے مطابق دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے ہیں؟

کیا وہ لوگ مسلمان ہیں جو حیات نبیؐ اور بعد نبیؐ کسی روز بھی امامت سے متعارف نہیں تھے اور اس نظریہ کو فارس (ایران) و محوس کا نظریہ کہتے ہیں۔ کیا آپ اس وقت اس شخص کو کافر قرار دیتے ہیں جو یزید بن معاویہ کو امام مانتا ہے کہ جس کے فسق کو ہر خاص و عام مسلمان جانتا ہے؟ اور یزید کی خست و ضلالت کے لیے تو یہی چیز کافی ہے کہ جس پر مسلمانوں کا اجماع بھی ہے کہ یزید نے بیعت لینے کے لیے مدینہ منورہ کو اپنے لشکر کے لیے مباح کر دیا تھا۔ وہ جو چاہے کرے۔ پس اس کے فوجیوں نے ہزاروں بہترین صحابہ اور تابعین کو قتل کیا اور بے شمار عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ زنا باجبر کیا جن سے پیدا ہونے والے بچوں کی تعداد کو خدا ہی جانتا ہے۔ اس (یزید) کے لیے تو رہتی دنیا تک یہی رسوائی اور ذلت کافی ہے کہ اُس نے جو انان جنت کے سردار کو قتل کیا اور رسولؐ کی بیٹیوں کو بے پردہ کیا۔ امام حسین علیہ السلام کے دندان مبارک کو چھڑی لگائی اور مشہور اشعار میں اس کی مثال دی۔

”اے کاش بدر میں شہید ہونے والے میرے بزرگ ہوتے تو دیکھتے“

یہاں تک کہ اس نے کہا:

”حق بات کہو اگرچہ وہ تمہارے خلاف ہی (کیوں) نہ ہو۔“

نیز فرمایا:

”حق بات کہو خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔“

میرے عزیز محترم! میں آپ کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف دعوت دیتا ہوں کہ انھیں صاف صاف بیان کیجیے اگرچہ تلخ ہی ہو۔ یہ بات خدا کے نزدیک، آپ کے لیے شاہد ہوگی اور اپنے پروردگار کی قسم کھا کے بتائیے کہ کیا شیعہ آپ کے نزدیک مسلمان نہیں ہیں؟ کیا آپ کا یہ عقیدہ حق ہے کہ وہ کافر ہیں؟ کیا اہل بیتؑ نبویؐ کے اتباع کرنے والے کہ جنہوں نے خدا کی وحدانیت و عظمت کے سلسلہ میں تمام فرقوں سے زیادہ کام کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ خدا مشابہت و ہم شکل ہونے اور جہانیت سے پاک ہے۔ وہ اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسرے فرقوں سے زیادہ ان کی عظمت کے قائل ہیں ان کا قول ہے کہ نبی بعثت سے قبل بھی مطلق طور پر معصوم تھے، کیا آپ انھیں کافر کہتے ہیں۔

کیا جو لوگ خدا اور رسولؐ اور مومنوں سے دوستی رکھتے ہیں، جو عترت نبیؐ کو دوست رکھتے ہیں جیسا کہ ابن منظور نے ”لسان العرب“ میں مادہ شیعہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے، کیا آپ ان کو غیر مسلمان کہتے ہیں؟

کیا وہ شیعہ جو بہترین طریقے سے نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں مزید خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہیں، اپنے اموال سے خمس نکالتے ہیں اور رمضان و دیگر ایام کے روزے رکھتے ہیں، خانہ خدا کا حج بجالاتے ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم کرتے ہیں اور اولیائے خدا کا احترام کرتے ہیں دشمنان خدا اور اسلام دشمن طاقتوں سے اظہار برأت کرتے ہیں، کیا وہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ“

قسم خدا کی پاکستان کے عالم ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت کے صفحہ ۱۰۶ پر ابوالحسن بصری سے نقل کیا ہے کہ:

”قسم خدا کی، معاویہ میں چار خصلتیں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو وہی اس کی ہلاکت کے لیے کافی تھی۔

۱۔ مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر خلیفہ بن بیٹھا جب ان میں صحابہ اور بانضیلت افراد موجود تھے۔

۲۔ اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ بنادیا جو شراب خوار، حریر پوش اور طنبورہ بجاتا تھا۔

۳۔ زیاد کو اپنا بھائی بنایا جب کہ رسول کا قول ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زنا کار کے لیے پتھر ہے

۴۔ اس کا حجر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پس حجر اور ان کے اصحاب کے سلسلہ میں معاویہ پر ویل ہو۔ (اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا)۔

خدا ابوالاعلیٰ مودودی پر رحم کرے کہ انھوں نے حق کا اظہار کیا اور اگر وہ چاہتے تو ان خصلتوں سے زیادہ اس کی چالیس خصلتیں گنواتے لیکن مرحوم نے معاویہ کی ہلاکت کے لیے ان چار ہی کو کافی سمجھا۔

شاید مودودی صاحب نے ان لوگوں کے جذبات کا خیال رکھا جو معاویہ کی تقدیس و احترام اور اسے رضی اللہ عنہ کہنا سیکھتے ہیں بلکہ اس کے بیٹے یزید کو بھی اسی زمرہ میں شامل کر لیتے ہیں جیسا کہ خود میں نے علمائے ہند سے سنا ہے۔ ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم“

”یہ تو بنی ہاشم کا بادشاہ بننے کے لیے ایک ڈھونگ تھا، ورنہ نہ کوئی فرشتہ آیا اور نہ وحی نازل ہوئی“

اس کے ان اشعار سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ کیا یہ حق ہے کہ جو یزید اور اس کے باپ معاویہ پر لعنت کرے آپ اسے کافر قرار دیں؟ جو علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا اور لعنت کرنے کا حکم دیتا تھا بلکہ صحابہ میں سے جو لعنت کرنے سے انکار کرتا تھا اسے تہ تیغ کر دیتا تھا جیسا کہ حجر ابن عدی گندی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔ اس لعنت کے سلسلہ کو ایک سنت بنادیا جو ستر سال تک جاری رہی جبکہ وہ (معاویہ) رسول کے اس قول سے واقف تھا:

”جس نے علی پر لعنت کی اس نے میرے اوپر لعنت کی اور جس نے میرے اوپر لعنت کی اس نے خدا کو برا کہا“

جیسا کہ اہل سنت کی صحاح میں یہ چیزیں بیان ہوئی ہیں اس کے علاوہ اس کے بہت سے ایسے افعال ہیں جو اسلام کے منافی ہیں۔ اس نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینے کے لیے بہت سے نیکو کار لوگوں کو قتل کیا اور جعدہ بنت شعث کے ذریعہ حسن بن علی علیہما السلام کو قتل کرایا۔ اس کے علاوہ اس کے اور بہت سے جرائم ہیں جنہیں اہل سنت کی تاریخ نے ذکر کیا ہے جیسا کہ شیعان علی علیہ السلام نے اس کی شہادت دی ہے۔

محترم، میں آپ کے بارے میں یہ خیال نہیں کرتا ہوں کہ آپ ان تمام چیزوں سے متفق ہوں گے ورنہ اسلام پر سلام اور دنیا پر خاک۔ کیوں کہ اس کے بعد نہ دنیا میں کوئی پیمانہ ہے نہ عقل ہے نہ شرع ہے نہ کوئی منطق ہے نہ کوئی دلیل ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

اور اس بات کی گواہیاں تو اہل سنت میں بھی ہیں چہ بانیکہ شیعہ کی کتابیں۔
لیکن رسولؐ کے حکم کی پیروی کرتے ہوئے ان کے شکر گزار ہونے انھیں
دوسروں پر مقدم کرنے اور فضیلت دینے کے بجائے ان پر سب دشم کرتے
ہیں، انھیں کافر کہتے ہیں، ان سے بیزاری اختیار کرتے ہیں۔ یہ تو انصاف
نہیں ہے اور نہ ہی یہ بات معقول ہے۔

محترم ہمیں ان خرافات اور رکیک باتوں کو چھوڑ دینا چاہیے جو کسی
دلیل و برہان پر استوار نہیں ہیں اور انھیں اپنی امت کے فوجوانوں پر تحمیل
نہ کریں کہ شیعوں کا ایک خاص قرآن ہے یا شیعہ تو علیؑ کو صاحب شریعت کہتے
ہیں یا عبداللہ بن سبا مذہب تشیع کا مؤسس ہے۔ اس کے علاوہ اور وہاں
اقوال ہیں کہ جن کے بارے میں خدا گواہ ہے کہ دشمنان اسلام اور عدو اہلبیتؑ
کا پروپیگنڈہ ہے جو انھوں نے اندھے تعصب اور جہالت کی بنا پر گڑھ دیا ہے۔
محترم میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ہندوستان کے علماء کو جامعہ ازہر
کے علماء سے کیا نسبت ہے کہ جنھوں نے مذہب شیعہ امامیہ کو قبول کرنے کا
تیس سال قبل فتویٰ دیا تھا اور جامعہ ازہر کے علمائے اعلام کا یہ بھی نظریہ
ہے کہ فقہ جعفریؑ کہ جس پر شیعہ عمل کرتے ہیں وہ ان تمام مذاہب اسلامی
سے زیادہ روح اسلام سے قریب ہے کہ جو اس کی فرع ہیں اور ان علماء کے
راس ورئیں شیخ محمد سلوٹ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ پس کیا وہ علمائے اسلام اور
مسلمانوں کو نہیں پہچانتے تھے؟ یا ہندوستان کے علماء ان سے اعلم و اعرف
ہیں؟ میں نہیں سمجھتا کہ آپ بھی اسی کے قائل ہوں گے۔

محترم، آنکھیں آپ پر لگی ہیں، آپ کی محبت و شفقت کے لیے میرا دل
کھلا ہوا ہے۔ یقیناً گذشتہ زمانہ میں میں بھی آپ کی طرح حقیقت سے بے خبر

اور انھیں باتوں کے تحت میں نے بھی ان لوگوں کی جذبات کا خیال رکھا
تھا جنھوں نے مجھے رسوا کرنے کے لیے دعوت دی تھی ان میں سے میں نے
ایک بات بھی بیان نہیں کی تھی کیوں کہ مجھے اپنا ڈر تھا۔

محترم، میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ واضح موقف کو اختیار کریں
اور اس سے خدا کی رضا کو حاصل کریں بے شک خدا حق کے بارے میں ذرا
بھی شرم نہیں کرتا۔ میں آپ سے یہ نہیں چاہتا کہ آپ ان کی برابری کے
قائل ہو جائیں اور نہ ہی ان کی برائیوں سے پردہ ہٹانے کے لیے کہتا ہوں۔
اس سلسلے میں ہمارے اور آپ کے لیے تاریخ کافی ہے۔

لیکن یہ ضرور چاہتا ہوں کہ آپ خود اعتراف کریں اور اپنے پیروؤں
کو یہ بتائیں کہ جو ان (معاویہ و یزید) کی امامت کے قائل نہیں ہیں اور ان
سے محبت نہیں رکھتے وہی سچے اور حقیقی مسلمان ہیں اور اس میں کوئی شک
نہیں کہ آپ یہ کہیں کہ شیعہ ہمیشہ مظلوم رہے ہیں کیوں کہ انھوں نے کبھی شجرہ
ملعونہ کی امامت کا اعتراف نہیں کیا ہے جس کی مثال خداوند کریم نے قرآن
مجید میں بیان فرمائی ہے۔

آپ قسم کھا کے بتائیں کہ شیعوں کی کیا خطا ہے۔ رسولؐ خود اپنے
بعد اہل بیتؑ کے اتباع کا حکم دیتے ہیں یہاں تک کہ انھیں سفینہ نوح سے
تشبیہ دی جو اس پر سوار ہوا وہ نجات پائے گا اور جس نے اس سے روگردانی
کی وہ ہلاک ہو گا۔ شیعوں کی کیا خطا ہے جبکہ وہ رسولؐ کے اس حکم کا اتباع
کرتے ہیں؟

”میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں کتاب
خدا اور میری عزت جب تک ان سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے“

پس اب وہ وقت آن پہنچا ہے کہ شیعیان اہل بیتؑ سے تاریخی تاریکی کو ہٹایا جائے، ان سے قربت و بھائی پارگی قائم کی جائے، نیک اور اچھے کاموں میں تعاون کیا جائے۔ اس امت کے لیے ویسے ہی خون ریزی اور فتنہ انگیزی کیا کم ہے۔

عنفرت خدا آپ کو ایک کلمہ پر جمع کر دے گا اور آپ کے ذریعہ افتراق کو ختم کر دے گا اور آپ کے سبب علاحدگی و سنگدلی کو دور کر دے گا۔ آپ کے باعث اس زخم کا مداوا کرے گا۔ آپ کے توسط سے اس فتنہ کی آگ کو خاموش کرے گا، آپ ہی کے وسیلہ سے شیطان اور اس کے گروہ کو رسوا کرے گا اور آپ خدا کے نزدیک کامیاب ہو جائیں گے۔ خصوصاً آپ تو اہل بیتؑ کی اولاد سے ہیں جیسا کہ میں نے سنا ہے لہذا ایسے اعمال بجالائیے جن کے سبب آپ ان (اہل بیتؑ) کے ساتھ محشور ہو سکیں۔ ”اور تمہاری امت ایک ہی ہے میں تمہارا رب ہوں پس میری عبادت کرو“ اور کہہ دیجیے کہ نیک عمل بجالاؤ کیونکہ خدا، اس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اور خدا، ہمیں اور آپ کو توفیق عطا فرمائے اسی میں لوگوں اور شہروں کی فلاح ہے۔ خدا ہمیں اور آپ کو اپنے مخلص بندوں میں شمار کرے۔ اس خط کے ہمراہ اپنی کتاب شہادتیت کا ایک نسخہ بھی ارسال کر رہا ہوں۔ یہ کتاب میں نے اسی موضوع پر تالیف کی ہے۔ میری طرف سے یہ ہدیہ ہے، امید ہے کہ قبول فرمائیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
مخلص

محمد تجانی سماوی تیوسی

(ماخوذ از اہل الذکر مرتبہ ڈاکٹر محمد تجانی سماوی)

اور اہل بیتؑ اور ان کے شیعوں سے ناواقف تھا بس خدا نے اس حق کی طرف میری راہ نمائی فرمائی کہ جس کے علاوہ گمراہی و ضلالت ہے۔ میں تعصب کی بندشوں اور اندھی تقلید سے آزاد ہو گیا ہوں اور مجھ پر یہ بات آشکار ہو گئی ہے کہ زیادہ تر مسلمان ابھی تک باطل اور پروپیگنڈے کے پردوں میں چھپے ہوئے ہیں ان کو حقیقت تک پہنچنے نہیں دیا جاتا تا کہ کہیں سفینہ نجات پر سوار نہ ہو جائیں اور خدا کی رسی کو پکڑ نہ لیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ شیعہ اور سنی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے سوائے اس اختلاف کے جو خلافت کے سلسلہ میں بعد رسولؐ رونما ہوا۔ اس اختلاف کی بنیاد تمہارا صحابہ پر اعتقاد ہے جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں آپس میں اختلاف تھا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے تھے، لڑتے تھے اور بعض، بعض کو قتل کرتے تھے۔

پس اگر شیعوں کا اختلاف انھیں دین سے خارج کر دیتا ہے تو العیاذ باللہ صحابہ اس تہمت کے زیادہ مستحق ہیں میں نہیں سمجھتا کہ آپ اس کو برداشت کر سکیں گے، انصاف کا تقاضہ یہ ہے آپ اس سلسلہ میں یہ بھی نہ کہیں کہ وہ دین سے خارج ہیں۔ اہل بیتؑ کے تقدس و احترام کے سلسلہ میں جو شیعوں کا نظریہ ہے وہی صحابہ کے تقدس و احترام کے سلسلہ میں اہل سنت کا نظریہ ہے۔ پس دونوں موقفوں میں کتنا بعد ہے۔ اگر اس نظریہ میں شیعہ خطا پر ہیں تو اہل سنت بدرجہ اولیٰ خطا کار ہیں کیونکہ تمام صحابہ اہل بیتؑ کو اپنے نفسوں پر مقدم کرتے تھے اور ان پر بالکل اسی طرح درود بھیجتے تھے جس طرح نبیؐ پر بھیجتے تھے۔ ہمیں کسی ایک صحابی کے بارے میں بھی یہ معلوم نہیں ہے کہ اس نے نفس کو اہل بیتؑ مصطفیٰؐ پر مقدم کیا ہو یا علم و عمل کے لحاظ سے خود کو ان پر فضیلت دی ہو۔

ہے۔ اس کتاب میں قرآنی آیات، احادیث نبوی اور تاریخی حوالوں کے ذریعہ برادران اہل سنت کو اہل بیت کا مسلک اختیار کرنے اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی مخلصانہ دعوت دی گئی ہے۔

بے شک اخلاقی معیار سے گرا ہوا یہ غیر شائستہ انداز گفتگو نیز مفتی ضا اوران کے بد بخت و بد عقیدہ حواریین کا ارادہ قتل ایک سنگین اور افسوسناک حادثہ ہے جو ایک غیر ملکی محقق، مؤلف اور تاریخ داں (ڈاکٹر تاجانی سماوی تیونس) کے ساتھ ہمارے ملک ہندوستان کے شہر ممبئی میں حق کی دفاع کے سلسلے میں پیش آیا۔

ظاہر ہے کہ جس شخص کی نگاہیں قرآنی آیات، احادیث نبوی، اقوال ائمہ صراطِ مستقیم اور تاریخی حقائق کی نزاکتوں پر مرکوز ہو چکی ہوں، اس کا حق پرست ضمیر بھلا اس قسم کی لغو، مہمل، بے ہودہ اور بے بنیاد گفتگو کی تلخیوں کو کیسے فراموش کر سکتا ہے جبکہ وہ غیر ملکی بھی ہو۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر سماوی نے مولوی سید ابوالحسن علی ندوی ہندی کو ہندوستان کے تمام سنی مسلمانوں کا مرجع سمجھ کر جو احتجاجی خط روانہ کیا اور انھیں تفصیلی گفتگو کے ذریعہ ممبئی میں رونما ہونے والے حادثے کی نزاکت سے آگاہ کیا وہ موصوف کا فطری عمل تھا اور انھیں بھی کرنا بھی چاہیے تھا جو انھوں نے کیا۔ یہ ادربات ہے کہ مولوی ندوی صاحب کی ذہنی عصبیت اس خط کے وزن کی متحمل نہ ہو سکی اور وہ جواب دینے کے بجائے دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنا دامن بچا گئے۔ ندوی صاحب کی اس خاموشی یا چشم پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر سماوی کو یہ خط اپنی کتاب ”اہل الذکر“ میں کھلے طور پر شائع کرنا پڑا۔ کاش ڈاکٹر سماوی اس امر حقیقت سے بھی آگاہ ہوتے کہ مولوی

اس (طویل) خط کی بنیاد، اساس اور جنبش قلم کا محور دراصل حق اور حق پرستی، انسانیت اور انسانی قدروں کے خلاف وہ غیر شائستہ اور مذموم گفتگو ہے جو ڈاکٹر محمد تاجانی سماوی اور جماعت اسلامی کے مفتی شیخ عزیز الرحمن نیزان کے گمراہ حواریین کے درمیان انھیں کی مسجد ممبئی میں ناخوشگوار کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ اس گفتگو کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ یہ کہ مفتی صاحب نے شیعوں پر لعن طعن کی اور فرمایا کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

۲۔ یہ کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے، وہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

۳۔ یہ کہ شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس (شیعیت) کا مؤسس عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔

۴۔ یہ کہ مفتی صاحب کے حواریین میں سے ایک (جاہل) نے کہا کہ جو شخص خلفائے راشدین کے ساتھ معاویہ اور یزید کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

۵۔ مفتی صاحب اوران کے حواریین ڈاکٹر سماوی کو قتل کرنا چاہتے تھے کیونکہ ان کا جرم یہ تھا کہ انھوں نے تحقیق و جستجو کے بعد اپنے کو شیعیت سے متمسک کر لیا تھا اور حق کا راستہ اختیار کر لیا تھا، جب کہ اس سے قبل وہ سنی مسلمان تھے اور مالکی مسلک پر گامزن تھے۔

۶۔ موصوف کا قصور یہ بھی تھا کہ شیعیت کا تاج اپنے سر پر رکھنے کے بعد انھوں نے ایک تحقیقی کتاب لکھی جس کا نام ”تہذیبِ اہل الذکر“ ہے

کھلا خط

بنام شیخ عزیز الرحمن صاحب مفتی جماعت اسلامی ہند

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونس کی طرف سے ان کی کتاب ”اہل الذکر“ میں مولوی سید ابوالحسن علی (علی میاں ندوی) کے نام ایک کھلا خط شائع ہوا ہے جسے میں نے بھی اپنی اس کتاب میں نقل کر دیا ہے تاکہ میرے قارئین بھی اس خط کو ملاحظہ فرما سکیں۔

مذکورہ خط میں منجملہ دیگر باتوں کے آپ نیز آپ کے حواریین اور ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کے درمیان ہونے والی اس ملاقات کا افسوس ناک تذکرہ بھی ہے جو آپ ہی کی مسجد (ممبئی) میں ہوئی۔

ڈاکٹر سماوی نے اس حادثاتی ملاقات کے ذیل میں جن تعجب خیز باتوں کا انکشاف کیا ہے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۔ آپ نے شیعوں پر لعن طعن کی اور فرمایا کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔
۲۔ آپ نے فرمایا کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے، وہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

۳۔ آپ نے فرمایا کہ شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس کا مؤسس عبداللہ بن

ندوی کی مرجعیت محض مسلمانوں کے ایک خاص فرقہ کے لیے کچھ بھی ہو سکتی لیکن ہندوستان کے حنفی، مالکی یا شافعی مسلمان نہ تو موصوف کی مرجعیت کے قائل ہیں اور نہ ہی انھیں اپنا دینی پیشوا یا مذہبی رہبر تسلیم کرتے ہیں اس لیے کہ دونوں کے عقائد مختلف ہیں اور ان کے اسلامی نظریات میں فرق ہے۔ لہذا ندوی صاحب کی ذات سے یہ امید رکھنا کہ وہ کسی گمراہ پرانڈ اور غلیظ معاشرہ کے لیے کوئی اصلاحی کوشش کریں گے یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کریں گے جس کا مقصد اہل بیتؑ کے مسلک سے وابستگی کی تلقین ہو، میرے خیال میں محض خوش فہمی ہے۔

شیعیت کی مضبوط و مستحکم اساس، اس کی غیرت اور حمیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے مفتی شیخ عزیز الرحمن کو ان کی اس گفتگو کا دندان شکن جواب دیا جائے اور انھیں یہ باور کرایا جائے کہ شیعوں کے بارے میں جو آپ کا نظریہ ہے وہ مہمل اور غلط ہے۔

حالانکہ یہ مسئلہ میرا ذاتی نہیں ہے لیکن شیعیت کی دفاع کا مسئلہ ضرور ہے۔ اس لیے میرا یہ فرض بھی ہے کہ ایک شیعہ کی حیثیت سے اس مسئلہ کو میں اپنا مسئلہ تصور کروں اور اس کا دفاع کروں اور مفتی شیخ عزیز الرحمن کو یہ بتاؤں کہ حق کیا ہے، باطل کیا ہے؟ ممکن ہے کہ موصوف میری گفتگو سے مطمئن ہو جائیں اور اگر ایسا ہوا تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری کوشش بار آور ہوئی اور میں نے باطل کے حرب کو زیر کر کے ایک قلعہ فتح کر لیا۔ اسی امید کے ساتھ مفتی صاحب کے نام مندرجہ ذیل کھلا خط میں اپنی اس کتاب میں شامل کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ وہ مفتی صاحب کو عقل سلیم عطا کرے اور ان کے دل و دماغ سے باطل کی تاریکی دور کر کے انھیں اہل بیتؑ کی معرفت کا نور عطا فرمائے۔

ترقی و بلندی کا دور ہے، تجلی و روشنی کا دور ہے اور اس دور کا انسان حقائق و معارف تک پہنچنا چاہتا ہے، پستی سے بلندی کی طرف پرواز کرنا چاہتا ہے، اندھیرے سے روشنی کی طرف بھاگنا چاہتا ہے زمین کی سطح سے اٹھ کر افلاک کی سیر کرنا چاہتا ہے۔ وہ خوش نصیب ہیں جن کی آنکھوں میں صداقت و معرفت کا نور ہے اور وہ بد بخت ہیں جو باطل کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ایک ایسے جمہوری ملک کے باشندے ہیں جہاں دیگر حقوق کے ساتھ ساتھ مذہبی حقوق کا بھی خیال رکھا جاتا ہے اور اس کی اشاعت بھی اس کے بنیادی دستور میں شامل ہے، بشرطیکہ وہ مفاد عامہ اور تہذیب و شائستگی کے دائرے میں ہو۔ یہاں ہر عقیدے اور ہر مکتب فکر کے مفکرین و دانشور اپنے خیالات کا اظہار تحریراً و تقریراً کرتے رہتے ہیں اور سنجیدہ و تعلیم یافتہ طبقہ ان پر غور کر کے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور عوام ایسی ہی رائے کو قابل اعتنا بھی سمجھتے اور عقل سلیم کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ کسی شاعر، مصنف، مقرر، مفکر یا گفتگو کرنے والے شخص کی ذات یا اس کے مسلک پر غور کیے بغیر یہ دیکھا جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا دعویٰ مدلل ہے یا غیر مدلل؟ کیونکہ ہر وہ بے دلیل بات جسے عقل قبول کرنے سے قاصر ہو کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ شیعوں اور شیعیت کے بارے میں جو کچھ آپ نے ڈاکٹر سماوی سے فرمایا ہے، اس کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا آپ کی اس گستاخی اور بے ہودگی سے شیعوں کے جذبات مجروح نہیں ہوئے؟ کیا آپ نے اس تہمت کی حقیقت معلوم کرنے کی کبھی کوئی سعی کی ہے؟

یہودی تھا۔

۴۔ آپ کے حواریں میں سے کسی نے فرمایا کہ جو شخص خلفائے راشدین کے ساتھ معاویہ اور یزید کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

۵۔ آپ اور آپ کے حواریں ڈاکٹر محمد تبجانی سماوی تیوسی (جو آپ کے مہمان بھی تھے اور غیر ملکی بھی) کو قتل کرنا چاہتے تھے جبکہ اس سے قبل وہ سنی تھے اور مالکی مسلک سے وابستہ تھے، نیز آپ کی نظر میں ان کا قصور یہ بھی تھا کہ انھوں نے شیعیت اختیار کرنے کے بعد ایک کتاب ”ثم اہتدیت“ کے نام سے لکھی ہے جس میں برادران اہل سنت کو اہل بیت کا مسلک اختیار کرنے کی مخلصانہ دعوت دی گئی ہے۔

محترم! مجھے اس حقیقت سے انکار نہیں کہ نمبر (۱) سے (۴) تک شیعوں اور شیعیت کے خلاف جن لغو، جھل اور مفروضہ باتوں کا اظہار آپ نے اپنی زبان سے کیا ہے وہ ازل ہی سے آپ کے اعتماد میں پیوست ہیں اور ان پر یقین کا باطل عقیدہ آپ کو اپنے اسلاف سے وراثت میں ملا ہے۔ لیکن شاید آپ کو یہ نہیں معلوم کہ وقت کے ساتھ وقت کی رفتار بھی بدلتی ہے، قدریں بھی بدلتی ہیں، تہذیب و تمدن بھی بدلتا ہے، انسانی معاشرہ بھی بدلتا ہے اور انسان کے خیالات و نظریات بھی بدلتے ہیں۔ اور جو شخص اس تغیر و تبدل سے بیگانہ ہے وہ اس گزرتی ہوئی بیسویں صدی کا ”ابو جہل“ ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا دور تحقیق و جستجو کا دور ہے،

طرح کہ جس طرح آپ کے خلفاء (ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ اور یزید) کو
تھی، جنہوں نے اپنی منافقت، دشمنی، اور ہوس اقتدار کی بنا پر خانوادہ
نبوت کو تاراج اور تباہ و برباد کر دیا۔ یقین مانئے کہ یہ بات میں اپنی
طرف نہیں کہتا بلکہ قرآن، پیغمبری حدیثیں اور تاریخیں اس امر کی گواہ ہیں۔
جناب والا! میں اس امر کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جو
مفروضہ باتیں آپ نے وثوق و اعتماد کے ساتھ شیعیت پر اتہام کی شکل
میں ڈاکٹر سماوی کے روبرو پیش کی ہیں وہ نئی نہیں ہیں بلکہ بہت
پرانی ہیں اور اس قسم کے الزامات شیعوں پر عائد کیے جاتے رہے ہیں
اور اہل حق کی طرف سے ان کے جوابات دیے جاتے رہے ہیں۔

بہر کیف! شیعہ مسلمان ہیں یا نہیں؟ اس کے ذیل میں ہمیں یہ
دیکھنا ہوگا کہ شیعیت کو مسلمانوں میں روشناس کرانے کا ذمہ دار کون ہے
اور اس کی ابتدا کب سے ہوئی؟

تاریخیں یہ بتاتی ہیں کہ شیعیت کو مسلمانوں میں روشناس کرانے کی
ذمہ داری رسول اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ذات اقدس پر ہے اور اس کی ابتدا آپ ہی کی حیات طاہرہ میں ہوئی۔
جس کی تصدیق مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتی ہے اور یہ وہ حدیثیں
ہیں جنہیں علمائے اہل سنت نے بھی اپنی معتبر کتابوں میں بیان کیا ہے۔
چنانچہ علامہ سیوطی اپنی تفسیر درمنثور میں رقمطراز ہیں کہ:

”جناب جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ
کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت علیؑ آتے ہوئے
دکھائی دیے۔ آنحضرتؐ نے انھیں آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: قسم ہے

کیا آپ نے اپنی ان کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جن میں اکابر علمائے اہل
سنت نے اپنے ائمہ اربعہ کی فقہ کی بہ نسبت فقہ جعفری یعنی ”شیعہ فقہ“
کو زیادہ معتبر اور قدیم ترین تسلیم کیا ہے؟ اگر آپ کو علاوہ اس کے کہ
”شیعہ مسلمان نہیں ہیں“ کچھ نہیں معلوم تو شیعیت کی سرگزشت اور حقیقت
کو ہمارے قلم کی زبان سے سنئے، سمجھئے، غور کیجئے اور پھر بتائیے کہ تردید
کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ مگر شرط یہ ہے کہ میری تحریر کو پڑھنے
سے پہلے تعصب غمی عینک اتار دیجیے اور اپنے دل و دماغ کو بغض، کینہ
اور عداوت کے گرد و غبار سے صاف کر لیجئے۔

(۱) یہ کہ بقول ڈاکٹر سماوی آپ نے شیعوں پر لعن طعن کی اور فرمایا
کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔

محترم! اس کا جواب تحریر کرنے سے پہلے میں آپ پر یہ واضح
کر دوں کہ خوش قسمتی سے میں بھی شیعہ ہوں اور ایک شیعہ ہونے کی حیثیت
سے مجھ پر بھی یہ فرض ہے کہ میں آپ سے سوال کروں کہ آخر کیوں؟ کیا
قرآن میں کہیں یہ صراحت ہے کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں؟ کیا اس بارے
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا ہے؟ کیا آپ کی اس بات میں
کوئی تاریخی وزن ہے؟ اگر یہ کچھ نہیں ہے تو پھر کیا آپ پر الہامی کیفیت
طاری ہوئی ہے؟ یا آسمان سے کوئی وحی نازل ہوئی ہے جس میں آپ سے
یہ درخواست کی گئی ہو کہ آپ اعلان کر دیجیے کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں۔ اگر
یہ بھی نہیں ہے تو کیا آپ شیعوں کو محض اس بنیاد پر دائرہ اسلام سے
خارج کرتے ہیں کہ وہ رسول اسلام اور اہل بیتؑ کا اتباع کرتے ہیں
اور اہل بیتؑ رسالت سے آپ کی چودہ سو سال پرانی دشمنی ہے بالکل اسی

کہ شیعہ کا لفظ حضرت علی اور ان کی اولادوں کے دوستوں اور پیروی کرنے والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی، علامہ ابن حجر مکی اور ابن اثیر کی تحریروں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شیعہ کو عام مسلمانوں میں متعارف کرانے والی ذات اولین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ اور۔ شیعہ وہ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولادوں سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولادوں سے کیوں محبت کرتے ہیں؟ ان سے والہانہ وابستگی کے علل و اسباب کیا ہیں؟

اس کے جواب میں یوں تو کئی قرآنی آیتیں اور بے شمار حدیثیں موجود ہیں مگر چونکہ اختصار بھی مد نظر ہے اس لیے ہم فی الحال صرف آیہ مودت اور حدیث ثقلین پر اکتفا کرتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ:

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ

یعنی ”اے محمد! تم اپنی امت سے کہہ دو کہ کارِ نبوت (ہدایت) کے بدلے میں تم سے کوئی اجر نہیں طلب کرتا علاوہ اس کے کہ تم میرے

قربت داروں سے محبت کرو (خواری - ۲۳)

یہ آیت اہل بیت رسول کی شان میں نازل ہوئی ہے جس میں خداوند عالم رسول کی آل سے محبت کو لازمی قرار دیتا ہے۔ رسول سے کسی شخص نے

لہ ارجح المطالب ص ۶۶، کوکب درمی ص ۱۳۲ م ۳۲

اس ذات برحق کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً علیؑ اور ان کے شیعہ قیامت میں کامیاب و دستگار ہیں۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْاَلْبَرِيَّةِ ط یعنی جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا یقیناً وہی لوگ بہترین خلایق ہیں۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

”رسول اللہ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ خدا نے تم کو، تمہاری ذریت کو، تمہاری نسل کو اور تمہارے شیعوں کو بخش دیا ہے“

پھر فرماتے ہیں:

”رسول اللہ نے فرمایا کہ اے علیؑ! تم اور تمہارے شیعہ سب بہشت میں جائیں گے“

اسلامی لغت ”نہایہ“ میں ابن اثیر لفظ ”تمح“ کی تشریح کے ذیل میں رقمطراز ہیں کہ آنحضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تم اور تمہارے شیعہ خدا کے حضور میں اس طرح آؤ گے کہ تم خدا سے خوش ہو گے اور خدا تم سے راضی ہو گا اور تمہارے دشمن یوں آئیں گے کہ ان کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوں گے اور خدا ان پر بے حد غضبناک ہو گا۔ اس کے بعد حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ گردن کے پیچھے لے جا کر عملی طور پر بتایا کہ یوں ہاتھ پس گردن بندھے ہوں گے

صاحب نہایہ لفظ ”شیعہ“ کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

لہ تفسیر درنثور ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ صواعق محرقة ص ۹۶

پوچھا کہ اے حبیبِ خدا! وہ کون ہیں جن کی محبت خدا نے ہم پر واجب کی ہے؟ فرمایا: علیؑ، فاطمہؑ اور ان کے فرزندانِ حسنؑ و حسینؑ۔ پھر فرمایا: جو شخص میرے اہل بیت پر ظلم کرے گا اور انھیں اذیت دے گا اس پر بہشت حرام ہے۔

محترم! جب آپ تاریخ سے پوچھیں گے کہ اہل بیتؑ رسولؐ پر ظلم ڈھانے والے اور انھیں اذیت دینے والے کون کون ہیں؟ جن پر اللہ نے بہشت کو حرام کر دیا ہے تو وہ آپ کو یہ ضرور بتائے گی کہ حیاتِ پیغمبرؐ میں حکم رسالت کی نافرمانیوں کے مرتکب کون لوگ تھے اور بعد وفات رسولؐ کن کن لوگوں نے اہل بیتؑ رسالت پر مظالم کے پہاڑ ٹوڑے انھیں اذیتیں دیں، ان کے حقوق کو غصب کیا۔ اور جب آپ پر ساری حقیقت آشکار ہو جائے گی تو میرا دعویٰ ہے کہ آپ اپنے خلفاء کا نام لیتے ہوئے شرم محسوس کریں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَيْنَ الصَّوَاطِ
لَنَكْبُونَهُ (مومنون ۷۴)

”جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں لاتے وہ صراط (سیدھی راہ) سے

الگ ہیں“

صاحبِ کوکب درمی کا کہنا ہے کہ یہاں صراط سے مراد اہل بیتؑ کی محبت اور ولایت ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے اس آیت (آیہ مودت)

لے تفسیر کشاف علامہ زنجیزی ج ۳ ص ۶۷ مطبوعہ مصر، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد در منثور وغیرہ لے کوکب درمی ص ۱۳۳ (م) ۳۱

کے سلسلے کی تمام روایتوں کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ:

”جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضرت رسولؐ خدا کے قربت دار ان کے اہل بیتؑ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہی ہیں تو واجب ہے کہ ان کی خاص طور پر تعظیم کی جائے۔ اس کی کئی وجہیں ہیں۔ ایک تو یہی آیہ المودۃ فی القرابی، دوسرے اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رسولؐ خدا، انھیں (اہل بیتؑ) کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ فاطمہؑ زہراؑ کے لیے فرمایا کہ فاطمہؑ میرا پارہ جگہ ہے جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔ اور متواتر حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو دوست رکھتے تھے تو پوری امت اسلام پر ان کی محبت واجب ہو گئی کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ لوگو! تم (سب) رسولؐ کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو لوگ رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں انھیں عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آلِ محمدؐ کے لیے دعا کرنا بہت بڑا منصب ہے۔ اسی وجہ سے اس دعا کو یہ درجہ دیا گیا ہے کہ نماز میں شہد کا خاتمہ اسی پر ہو۔ غرض کہ یہ سب باتیں ثابت کرتی ہیں کہ آلِ محمدؐ کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے کہ اگر آلِ محمدؐ کی دوستی سے انسان رافضی ہو جاتا ہے تو دنیا بھر کے لوگ گواہ رہیں کہ میں سب سے بڑا رافضی ہوں“

عزیز گرامی! غالباً آپ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہوں گے کہ شیعہ اسی قرآنی

لے تفسیر کبیر، علامہ فخر الدین رازی مطبوعہ استنبول ج ۱ ص ۱۶۵، صواعق محرقہ ط ۱، اربع المطالبات ص ۱

داود بغدادی (۵) ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی (۶) ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم ثعلبی (۷) ابو عامر عبد الملک الشافعی (۸) سبط ابن جوزی (۹) محمد بن سعد ازہری (۱۰) جلال الدین سیوطی (۱۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۲) سلیمان بن ابراہیم مفتی اعظم قسطنطنیہ (۱۳) امام احمد بن حنبل وغیرہ

اسمائے کتب

صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، سنن ترمذی، خصائص نسائی، مستدرک علی الصحیحین، کتاب المناقب، خطب خوارزم، کتاب المناقب ابن المغازی، احیاء الملت جلال الدین سیوطی، درنثر سیوطی، خواص الامہ ابن جوزی، مشکوٰۃ المصابیح، ریاض النظرہ، جامع الاصول، اسد الغابہ، تاریخ ابن کثیر، ازالۃ الخفاء، عقد الفرید، حلیۃ الاولیاء، کاشف شرح مشکوٰۃ اور مدارج النبوة وغیرہ۔

علمائے کرام اور کتابیات کی اس مختصر فہرست میں نہ کوئی شیعہ عالم شامل ہے اور نہ ہی کوئی شیعہ کتاب، بلکہ یہ وہ سنی علماء اور سنی کتابیں ہیں جن کی عظمت سے انکار کرنے والا شیعہ ہو یا سنی جاہل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کتابوں میں بھی آل رسولؐ کی عظمت و فضیلت کے منافی بعض روایتیں شامل ہو گئی ہیں جو اپنی عدم صحت کی بنا پر ناقابل قبول اور قابل اخراج ہیں۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران)

”خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور آپس میں بھٹ نہ ڈالو“

علامہ فخر الدین رازی اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

آیت پر عمل پیرا ہو کر اہل بیتؑ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں اور اجر رسالت ادا کرتے ہیں۔ اب آپؐ خود منصفانہ طور پر اپنے دل و دماغ میں یہ فیصلہ کریں کہ کیا آل محمدؑ سے محبت رکھنے والے اور اجر رسالت ادا کرنے والے مسلمان نہیں ہیں؟ کیا آپؐ انھیں دائرۃ اسلام سے خارج کر سکتے ہیں؟ آئیے اب حدیث ثقلین پر غور کریں جس میں پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ:

”مسلمانوں! میں تمھارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑ

رہا ہوں، ایک قرآن اور دوسرے میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ دونوں عظمت میں مساوی ہیں اور اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر (بروز قیامت) وارد نہ ہوں۔ اگر تم ان (دونوں) سے متمسک رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے“

یہ حدیث مسلسل و متواتر ہے۔ اس کو ساٹھ راویوں نے بیان کیا ہے اور ۱۸۵ علماء نے اس حدیث کی صحت کی تصدیق کی ہے۔ ان تمام راویوں اور علماء کی فہرست کا پیش کیا جانا اس خط میں ممکن نہیں ہے۔ لہذا چند راویوں اور کتابوں کے ناموں پر اکتفا کرتا ہوں جو درج ذیل ہیں تاکہ آپؐ پر اس حدیث کی صحت، تواتر اور اہل بیتؑ کی عظمت و تقدس واضح ہو جائے۔

علمائے کرام

(۱) ابو جعفر محمد بن جریر طبری (۲) ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم اسفرانی (۳) ابو عمر احمد بن محمد بن عبد ربہ (۴) محمد بن سلیمان بن

(د) یہ کہ رسول اللہ صلعم نے کار رسالت، تبلیغ نبوت اور اسلام کی خدمت کا مسلمانوں سے کوئی اجر نہیں مانگا بجز اس کے کہ آپ کے اہل بیت سے محبت کی جائے۔

(س) قرآن و اہل بیت کی عظمت مساوی ہے اور وہ ایک دوسرے میں اس طرح ضم ہیں کہ انھیں قیامت تک جدا نہیں کیا جاسکتا۔

(ف) قرآن و اہل بیت سے تمسک ضروری ہے اور یہی وہ عمل ہے جو رسول اللہ کے ساتھ مسلمانوں کو حوض کوثر پر جمع کرے گا۔

(ی) یہ کہ قرآن و اہل بیت سے تمسک رکھنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا۔

محترم عزیز الرحمن صاحب! میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر پورے

وثوق و اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ شیعہ احکامات الہی اور ارشادات

نبوی کے مکمل طور پر پابند ہیں۔ قرآن و اہل بیت سے متمسک ہیں، آل

رسول کے شیدائیں اور ان سے محبت رکھتے ہیں، خدا کی وحدانیت اور

رسول کی رسالت پران کا عقیدہ ہے۔ نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے

ہیں، حج کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، خمس ادا کرتے ہیں، اہل بیت کے

دوست ہیں اور دشمنان رسول و آل رسول و منافقین اسلام پر کھل کر

لعنت کرتے ہیں۔

عزیز گرامی! شیعوں کو غیر مسلم قرار دینا یا انھیں دائرہ اسلام سے خارج

کرنا آپ آپ کے حوارین یا آپ کے مسلک کے افراد کے بس میں نہیں ہے۔

اس لیے کہ شیعہ جن امور اسلامی پر کار بند ہیں وہی عین اسلام ہے جو

اپنے نیک بندوں کو جنت کی بشارت دیتا ہے اور اس سے انحراف کا

نظریہ قطعی طور پر غیر اسلامی ہے جو انسان کو عذاب الہی اور دوزخ کی

”ابوسعید خدری نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے

ارشاد فرمایا ہے کہ میں تم لوگوں میں دو بڑے ذریعے چھوڑے جاتا ہوں

ایک قرآن مجید جو زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی رسی ہے، دوسرے

میری عزت اور اہل بیتؑ“

امام ترمذی نے زید بن ارقم سے روایت کی ہے کہ:

”حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم میں وہ

چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ جب تک تم ان کی پیروی کرتے رہو گے میرے

بعد کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ایک قرآن مجید جو زمین سے آسمان تک

پھیلی ہوئی رسی ہے دوسرے میری عزت جو میرے اہل بیتؑ ہیں۔ یہ

دونوں ایک دوسرے سے کبھی الگ نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ میرے

پاس حوض کوثر پہنچ جائیں۔ دیکھنا ہے کہ تم میرے بعد ان کی پیروی

کس طرح کرتے ہو؟“

آیہ مودت، حدیث ثقلین اور تاریخی تجزیہ سے مندرجہ ذیل باتیں منکشف

ہوتیں:

(الف) ”لفظ شیعہ“ اور شیعیت کے مقصد و طرز عمل کو مسلمانوں کے درمیان

روشناس کرانے کی ذمہ داری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہے۔

(ب) یہ کہ شیعہ جنتی ہیں اور اہل بیتؑ کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

(ج) اللہ نے (قرآن میں) اہل بیتؑ سے محبت کا حکم دیا ہے جو ہر مسلمان پر فرض ہے۔

۱۔ تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۲، ترمذی ج ۲ ص ۲۲۱، تفسیر نیشاپوری ج ۱ ص ۳۲۹، شرح مشکوٰۃ

ج ۲ ص ۶۷، ۷۷، مشکوٰۃ ج ۸ ص ۱۳۳

کوئی لفظ ایسا شامل نہیں ہے جو پروردگار عالم کی جانب سے رسول اکرمؐ پر وحی کے ذریعہ نازل نہ ہوا ہو۔ اس کے برعکس شیعہ اس امر حقیقت سے بھی انکار نہیں کرتے کہ قرآن میں تحریف کے ذمہ دار آپ کے اکابرین صحابہ ہیں جن کی اس ناروا کاوش کو آپ ہی کے علماء نے قلم بند کر کے اپنی کتابوں میں قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی اور امام راغب اصفہانی ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ:

”ابن عمرؓ نے کہا کہ کوئی تم میں سے یہ کہے کہ میرے پاس مکمل قرآن ہے تو اسے کیا معلوم کہ مکمل قرآن کتنا ہے۔ قرآن کا بہت سا حصہ ضائع ہو گیا ہے۔ ہاں وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس بس اتنا ہی قرآن ہے جتنا کہ اب ظاہر ہے“

جیسا کہ: ”حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں دس لاکھ تائیس ہزار کلمات تھے اور موجودہ قرآن میں،، ہزار نو سو چونتیس ہیں“ لہٰذا حضرت عمرؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ ۹ لاکھ ۴۹ ہزار ۶۱۱ کلمات قرآن سے خارج کر دیے گئے۔

جیسا کہ: ”حضرت عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا کہ آیت ان جاهدوا لما جاہدتمہ اول متوۃ.... مجھے قرآن میں نہیں ملتی، کیا تو بھی اس آیت کو نہیں پاتا۔ عبدالرحمنؓ نے کہا یہ آیت بھی انھیں آیات کے ساتھ نکال دی گئی جو قرآن سے نکالی گئی ہیں“

لہٰذا درمشور جزء الخامسؑ و محاضرات امام راغبؒ لہ الاتقان ج ۱ ص ۳۱۶ تفسیر اتقان

طرف لے جاتا ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ اپنی مسلمانی کے ساتھ آپ جس راستے پر گامزن ہیں وہ کس طرف جاتا ہے؟

(۲) آپ نے یہ فرمایا ہے کہ شیعوں کو قرآن پر ایمان نہیں۔ وہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! ”نیا جال لائے پرانے شکاری“

حضور! آپ نے یہ کیسے باور کر لیا کہ قرآن پر شیعوں کا ایمان نہیں ہے، کیا اس ضمن میں کوئی ایسا دستاویزی ثبوت آپ کے ”کشکولِ تعصب“ میں ہے جو قرآنی، پیغمبری یا تاریخی ہو؟ یا آپ نے محض جماعت اسلامی کے مفتی کی حیثیت سے بد زعم خود شیعوں کے خلاف یہ تہمتی فتویٰ صادر فرما دیا ہے؟ یا پھر عداوت و نفرت کا یہ ردّ عمل ہے؟... آخر کیا ہے؟ اگر آپ کا اشارہ اس ”روداد مفروضہ“ کی طرف ہے کہ شیعہ قرآن میں تحریف کے حامی یا قائل ہیں تو یہ داستان بہت پرانی ہے جسے اکثر و بیشتر دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے آپ حضرات دہرایا کرتے ہیں اور شیعوں کی طرف سے اس کا منہ توڑ جواب دے دیا جاتا ہے لیکن... خدا بھلا کرے ہٹ دھرمی کا کہ وہ آپ حضرات کو جین سے بیٹھنے ہی نہیں دیتی۔

تحریف قرآن کی بحث ایک طولانی بحث ہے جس کا تحمل یہ خط نہیں ہے ورنہ ایک کتاب بن جائے گا۔ فی الحال آپ کی خدمت میں یہی عرض کرنا چاہوں گا کہ شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہرگز نہیں ہیں بلکہ ان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ جو قرآن اس وقت موجود ہے وہ کلام الہی ہے اور اس میں

یوم الدین پڑھا کرتے تھے۔

جیسا کہ: ”حضرت عمر اھدنا الصراط المستقیم میں الصراط کو سین سے یعنی ”الصراط“ پڑھا کرتے تھے۔“

جیسا کہ: ”حضرت عمر غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کے بجائے غیر المغضوب علیہم وغیر الضالین پڑھا کرتے تھے۔“

جیسا کہ: ”ابن مسعود“ سورہ فاتحہ اور ”مؤذنین“ کے داخل قرآن ہونے سے انکار کرتے ہیں۔“

جیسا کہ: ”امام بنوی تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن سے بنی امیہ اور قریش کے شرفناقصوں کے نام نکال دیے گئے ہیں۔“

جیسا کہ: ”عبداللہ ابن عمر سورہ قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق کو داخل قرآن نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ سورے تعویذ کے لیے نازل ہوئے ہیں۔“

جیسا کہ: ”سورہ بیتہ کا آخری حصہ قرآن میں نہیں ہے۔“

جیسا کہ: ”اتقان سیوطی میں ہے کہ عثمان نے مصحف کو تغیر دیا۔“

جیسا کہ: ”عثمان پر صحابہ ناراض ہوئے اور (غصہ میں) کہا کہ تم نے قرآن

۱۱ تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۱۶۱ تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۱۲۱ بخاری پ ۱۸ ص ۳۳ مطبوعہ احمدی پریس ۱۱ تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶۹ تفسیر معالم التنزیل - تفسیر درمنثور ج ۱ ص ۲۱۶ صحیح بخاری پ ۱۱ تفسیر درمنثور ج ۶ ص ۳۷۸ ۱۱ اتقان سیوطی ج ۲ ص ۲۵

جیسا کہ: ”حضرت عثمان نے فرمایا کہ مصحف (قرآن) میں بڑی غلطیاں ہیں جسے عرب کے اہل زبان خود درست کر لیں۔ اس فرمانے پر ان کے کسی نے کہا کہ حضور آپ ہی درست کر دیجیے تو انھوں نے کہا، جانے بھی دو۔“

حضرت عثمان کا یہ کہنا کہ قرآن میں بڑی غلطیاں ہیں جنہیں عرب کے زبان داں درست کر لیں، انتہائی تعجب خیز و حیرت انگیز ہے۔ معاذ اللہ کسی بشر کی کیا مجال کہ وہ کلام الہی کی اصلاح کرے۔ شاید یہی وہ تصور رہا ہو گا جس سے حضرت عثمان پر لرزہ طاری ہو گیا ہو گا اسی لیے انھوں نے فرمایا کہ ”جانے بھی دو“ یعنی غلطی ہے تو رہنے دو۔

جیسا کہ: ”عروہ سے مروی ہے کہ میں نے آیت ان الذین امنوا والذین ہادوا والصّٰبِغُوْنَ اور آیت والمقیمین والموتوْں الذکوٰۃ اور آیت ان ہذا السّاحوان کی غلطی کی طرف حضرت عائشہ کو متوجہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ کاتبوں نے قرآن میں غلط لکھ دیا ہے۔“

جیسا کہ: ”علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن میں آیت مثل نور المؤمن کہ مشکوٰۃ کی جگہ مثل نورہ کہ دیا گیا ہے۔“

جیسا کہ: ”حضرت ابوبکر و عمر مالک یوم الدین کے بجائے ملائک

۱۱ تفسیر کبیر ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ مصر تفسیر باب التاویل ج ۱ ص ۵۱۷ تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ مصر تفسیر معالم التنزیل ص ۵۷۹، مطبوعہ ممبئی۔ ۱۱ تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۸۶

محترم مفتی صاحب! یہ لحاظ اختصار تحریف کے سلسلہ میں جو چند تاریخی نمونے میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیے ہیں وہ آپ ہی کے مورخین، مفسرین، مفکرین اور علماء کے رشحات قلم کا نتیجہ ہیں اور ان تاریخی نمونوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان جو آپ اور آپ کے ہم مسلک افراد کی نظر میں تمام خطاؤں سے مبرا و منزہ ہیں۔ قرآنی آیتوں کے ضائع ہونے، کلام الہی میں تغیر و تبدل اور قرآن میں غلطیوں کے قائل ہیں۔ ازواج رسولؐ میں حضرت عائشہؓ نے تو ”چوٹی بھوسی“ کے بجائے دو قرآنی آیتیں بکری کو کھلا دیں۔ ان کے علاوہ آپ جن ہستیوں کو دینی اور دنیوی اعتبار سے قابل عظمت سمجھتے ہیں ان میں عبداللہ بن عمر، ابن مسعود، ابن عباس، زید بن ثابت، امام ابو حنیفہ، امام فخر الدین رازی، ابو موسیٰ اشعری اور عبدالرحمن بن عوف وغیرہ سب کے سب تحریف قرآن کو تسلیم کرتے ہیں۔ اب مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ آپ اپنے خلفاء اور دینی ودنیوی پیشواؤں کی ان غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے ایک مدت سے یہ کہہ رہے ہیں کہ شیعوں کا قرآن پر ایمان نہیں ہے اس شرمنگ الزام کو شیعوں کے سر کھوپنے کے لیے اپنی کوششوں میں مصروف ہیں مگر بس نہیں چلتا۔ خدا کے لیے ہرٹ دھرمی چھوڑ کر راہ راست اختیار کیجیے جو دنیا و آخرت دونوں کے لیے آپ کے حق میں باعث شرف ہے۔

(۲) ”ب“ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شیعہ منافق ہیں اور تقیہ پر عمل کرتے ہیں۔

آئیے دیکھیں کہ تقیہ کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے۔

(پہلی آیت) لَا يَتَّخِذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ

کے ”حروف“ کو ”ایک حرف“ کر دیا۔

جیسا کہ: ”ثوری سے روایت ہے کہ حضرت رسول خدا سے بہت سے صحابی قرآن پڑھا کرتے تھے جو جنگ میلہ میں مارے گئے تو بہت سے حروف قرآن ضائع ہو گئے۔“

جیسا کہ: ”حذیفہ سے مروی ہے کہ میں نے سورہ ”احزاب“ کو رسول اکرمؐ سے پڑھا تھا لیکن اس کی ستر آیتیں بھول گیا۔ پھر وہ نہ مل سکیں۔“

جیسا کہ: ”حذیفہ نے کہا کہ جس کو تم سورہ توبہ کہتے ہو، دراصل وہ سورہ عذاب ہے، قسم خدا کی اس سورہ نے تو صحابہ میں سے کسی کو بغیر اس کے معائب بیان کیے چھوڑا ہی نہیں۔ تم اس سورہ کا جو تھائی حصہ بھی نہیں پڑھتے جو ہم پڑھا کرتے تھے۔“

جیسا کہ: ”عائشہ سے مروی ہے کہ رسول خدا کے زمانہ میں سورہ احزاب میں دو سو آیتیں تھیں جو پڑھی جاتی تھیں مگر جب عثمان نے قرآن لکھوایا تو..... اب جتنی ہیں وہی مل سکیں۔ اور آیت رجم قرآن کا حصہ ہے مگر اب موجودہ قرآن میں نہیں ہے۔“

جیسا کہ: ”عائشہ فرماتی ہیں کہ خدا نے آیہ کبیر اور آیہ رجم نازل فرمائیں اور دونوں آیتیں لکھی ہوئی میرے تکیہ کے نیچے رکھی تھیں جنہیں بکری کھا گئی۔“

لے ازالۃ الخفا ج ۲ ص ۳۴۱ لے حد سارق ص ۵۰ لے تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۱۸ بحوالہ بخاری لے درمنثور ص ۲۰۸ و تفسیر اتقان ج ۱ ص ۵۴ - ۵۵ صحیح بخاری ج ۴ باب رجم ص ۱۱۹، مسند امام حنبل ج ۱ ص ۲۳، ۲۴، ۵۵، درمنثور ص ۱۸۰، تفسیر اتقان ج ۵، موطا امام مالک، محاضرات امام راغب اور فتح الباری وغیرہ لے تفسیر حقایق ص ۵ و محاضرات امام راغب۔

دین اسلام سے پھر جانے پر مجبور کیا اور ان کی ماں سمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ایک برچھے سے ان کی شرمگاہ پر مارنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ بے چاری شہید ہو گئیں پھر ان لوگوں نے حضرت عمار کے باپ یا سر کو بھی شہید کر ڈالا۔ اسلام میں یہی دونوں بزرگ سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں۔ اور حضرت عمار نے ان لوگوں کے ظلم اور اذیت سے مجبور ہو کر زبان سے کفر کی بات وہ کہہ دی جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ یہ خبر حضرت رسول خدا صلعم تک پہنچی اور لوگوں نے کہا کہ عمار تو کافر ہو گئے مگر حضرت نے انھیں جھڑک دیا اور فرمایا کہ عمار سر سے پاؤں تک ایمان میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ایمان ان کے گوشت و پوست اور خون کے ایک ایک قطرے میں سرایت کیے ہوئے ہے، وہ کافر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد ہی حضرت عمار بھی (روئے ہوئے) رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آں حضرت نے اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے اور فرمایا، تم اس طرح روتے کیوں ہو؟ تمہارا نقصان ہی کیا ہوا؟ اگر کفار تم سے پھر وہی بات کہلوانا چاہیں تو کہہ دینا^۱۔

آنحضرت کا یہ عمل اور یہ ارشاد اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص مجبور کر دیا جائے تو اس کی زبان پر کلمہ کفر کا جاری ہو جانا بھی درست اور جائز ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری پارہ ۲۸ ص ۵۰

۱۔ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۳۹۶

یہی محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور علامہ نیشاپوری کی تفسیر بھی یہی ہے۔ لیکن علامہ فخر الدین رازی نے اس طرح وضاحت کی ہے:

”تقیہ اس وقت جائز ہے جب کسی شخص کو کافروں سے اپنی جان و مال کا خوف ہو کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لیے عزت بھی اس کے خون کی عزت کے برابر ہے اور جو شخص تقیہ کی حالت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔“

علامہ خازن، علامہ نسفی، علامہ سیوطی اور بغوی نے بھی اس تفسیر کو لکھا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر خازن ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ مصر، تفسیر درمثور ج ۲ ص ۱۶، تفسیر معالم التنزیل ص ۱۵۳۔ ابن کثیر اور مولوی صدیق حسن خاں بھوپالی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے۔

(دوسری آیت) صرف اردو ترجمہ:

”دل سے جھوٹ بنانا تو ان لوگوں کا کام ہے جن کو خدا کی آیتوں کا یقین نہیں، اصل میں یہی لوگ جھوٹے ہیں۔ جو شخص کفر پر مجبور کیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں۔ لیکن جو شخص ایمان لائے اور اس کے بعد کفر اختیار کرے تو ایسے لوگوں پر خدا کا غضب اور عذاب عظیم ہے۔“ (المغل)۔

علامہ قاضی بیضاوی اس آیہ مبارکہ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ:

”کفار قریش نے حضرت عمارؓ ان کے باپ یا سر اور ماں سمیہ کو

۱۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۶۲۶

(پانچویں آیت) صرف اردو ترجمہ:

”اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو“

معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص کو اپنے عقیدہ کی اظہار کی صورت میں ہلاکت کا اندیشہ ہو تو اپنے عقیدے کو چھپا کر اپنی زندگی کو بچانا اس پر فرض ہے۔ اس سے قطع نظر زندگی کے دوسرے امور میں بھی انسان تقیہ کے ذریعہ اپنی زندگی کا تحفظ کر سکتا ہے۔

اب آئیے یہ دیکھیں کہ تقیہ کی تائید میں پیغمبری ارشادات کیا ہیں؟
(۱) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو رسولؐ نے فرمایا کہ یہ بہت برا اور بدترین شخص ہے اسے آنے دو۔ عائشہ نے کہا: اے رسول اللہ! آپ تو اس کے پس پشت اس کی برائیاں بیان فرمایا کرتے تھے اور جب وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو خوشی کا اظہار فرما رہے ہیں۔

علامہ قرطبی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اس قول سے ثابت ہے کہ جو لوگ اعلانیہ فسق کرتے ہیں ان کی غیبت جائز ہے اور ان کی شرارت سے بچنے کے لیے خاطر مدارات کرنا بھی بطور تقیہ جائز ہے۔

(۲) امام مسلم نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مین باتوں کے سوا کبھی جھوٹ نہیں بولے، ان میں دو جھوٹ تو خدا کی راہ میں تھے اور ایک اپنے بارے میں۔ خدا کی راہ میں ایک تو آپؐ نے فرمایا کہ اِنِّی سَقِیْمٌ ”میں بیمار ہوں“ جبکہ آپؐ

لہ مشکوٰۃ کتاب الادب باب حفظ اللسان والغیۃ ج ۶ ص ۹۹ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۲۸ مطبوعہ مصر

اور علامہ زرخشی نے اپنی تفسیر کشاف ج ۷ ص ۱۷۹ میں اپنے خیالات کے ساتھ اس آیت کو تفسیر کے حوازی کی دلیل قرار دیا ہے۔

(تیسری آیت) صرف اردو ترجمہ:

”فرعون بولا، (موسیٰ) کیا ہم نے تمہیں یہاں رکھ کر بچپن میں

تمہاری پرورش نہیں کی؟ اور تم اپنی عمر برسوں ہمارے درمیان گزار چکے ہو اور تم اپنا وہ کام (خون قتل) کر گئے، جو کر گئے اور تم (بڑے) ناشکرے ہو“ (الشعراء ۱۸-۱۹)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ بیضاوی کہتے ہیں کہ:

”فرعون نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم کافروں سے ہو تو اس وجہ سے کہ حضرت موسیٰ ان فرعونوں کے ساتھ تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے“

علامہ چلیبی اس تفسیر بیضاوی کے حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ:

”اگر حضرت موسیٰ واقعا کافروں کی زندگی بسر نہ کرتے اور ان سے الگ رہتے تو فرعون انہیں قید یا قتل کر دیتا۔“

(چوتھی آیت) صرف اردو ترجمہ:

”فرعون کے لوگوں میں ایک ایمان دار شخص (حزقیل) نے جو

اپنے ایمان کو چھپائے رہتا تھا (لوگوں سے) کہا کہ کیا تم لوگ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو، جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے“

(المومن ۲۸)

اس آیت کا مفہوم بھی تقیہ کا جو اگر تباہ ہے۔

لہ تفسیر بیضاوی ج ۲ ص ۱۰۲

کون کون لوگ ہیں؟ اس کے لیے مجھ ناچیز کی تالیف الخلفاء حصہ اول دوم کا مطالعہ فرمائیں۔

○

(۳) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس کا مؤسس عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔

محترم! میں اتحاد بین المسلمین کا قائل ہوں اور عصبیت کو سخت ناپسند کرتا ہوں، میری فطرت کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کی دل آزاری پسند نہیں کرتی مگر جب شیعوں پر یا ان کے عقائد و مذہب پر کسی جانب سے بے بنیاد اور رکیک حملے کیے جاتے ہیں تو ان کا منہ توڑ جواب دینا میں اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہوں۔ حق اور حقیقت کا اظہار نہ تو عصبیت ہے اور نہ ہی دل آزاری۔ تین سو ساٹھ بتوں کو اپنا خدا ماننے والے درندہ صفت، خوشخوار اور جاہل عربوں کے سامنے رسول اقدس (صلعم) نے لا الہ الا اللہ کا نعرہ بلند کر کے تمام باطل خداؤں کی نفی فرمادی۔ مشرک عزیزوں، ذی اثر شیوخ اور منافق صحابہ کی مخالفت اور ان کی دل آزاری کا پاس و لحاظ کیے بغیر آپ نے اظہار حق فرمادیا۔ کیا رسول اکرم کا یہ عمل امت کے لیے درس اور قابل اتباع نہیں ہے؟ آپ نے یہ فرما کر کہ ”شیعہ یہودی ہیں کیونکہ اس کا مؤسس عبداللہ بن سبا تھا“ اپنا مذہبی بھرم، اپنا علمی وقار اور اپنے عقائد کا سرمایہ سب کچھ کھو دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا نام کا کوئی شخص اس کردار و پیر نہ کبھی تھا نہ پیدا ہوا اور نہ ہی اسے کسی نے دیکھا۔ حضرت عثمان کے قتل کے ڈیڑھ سو سال بعد پرستان عثمان اور دشمنانِ علیؑ نے عبداللہ بن سبا

بیمار نہیں تھے، دوسرے فرمایا، ان کے بڑے بت نے کیا حالانکہ اس بڑے بت نے کچھ نہیں کیا، تیسرا جھوٹ اپنے بارے میں یہ تھا کہ حضرت اپنی زوجہ سارہ کے ساتھ ایک ظالم بادشاہ کے ملک میں پہنچے، جناب سارہ بہت خوب صورت تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر یہاں کا بادشاہ یہ جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو وہ مجھ سے تمھیں چھین لے گا اس لیے اگر بادشاہ تم سے پوچھے تو کہہ دینا کہ تم میری بہن ہو،

شرح شفا تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ سارہ کو تقیہ کی تعلیم دی کیونکہ وہ خائف تھے کہ اگر بادشاہ کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ وہ ان کی زوجہ ہیں تو انھیں قتل کر دے گا۔

محترم! تقیہ کے متعلق قرآنی آیات اور آپ کے جید علماء کی مستند تفسیریں میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ ان آیات قرآنی، تفاسیر اور عمار یا سر کے واقعہ سے یہ واضح اور ثابت ہے کہ جان و مال کے خوف سے حق کو بظاہر چھپانا جائز نہیں ہے اور کفر کے کلمات بھی زبان پر جاری کیے جا سکتے ہیں مگر دل انوار ایمانی سے منور ہو۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کو تقیہ کے جواز پر شک و شبہ ہے اور منافقت سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کے معنی ہوئے کہ آپ احکام الہی کے منکر ہیں اور ایسا شخص جو احکام الہی کا منکر ہو اسلام سے خود بخود خارج ہو جاتا ہے۔ کسی کو کفر کا فتویٰ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات بھی واضح کر دوں کہ شیعہ منافق نہیں ہیں بلکہ منافق وہ لوگ ہیں جن کے لیے اللہ کو رسول پر سورہ منافقون نازل کرنا پڑا۔ اور وہ

ان کی رائے معلوم کرنے کی کوشش کی بلکہ جس نے جو بیان کر دیا وہی انھوں نے لکھ دیا۔ مختصر یہ کہ طبری کی اس غلطی نے اور اس بد احتیاطی نے مذہبی دنیا میں بعض واقعات کے ذریعہ ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا اور قیامت تک کے لیے لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

غرض کہ اس واقعہ کی ابتدا ابن جریر طبری (المتوفی ۳۲۰ھ) کی کتاب سے ہوئی جس میں انھوں نے اس فرضی داستان کو سیف بن عمر قیس کو فی کے حوالے سے بیان کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ:

”اسی سال ۳۲۰ھ میں جناب ابوذر (غفاری) اور معاویہ کے درمیان اختلافات و نزاعات ظہور پذیر ہوئے اور معاویہ نے انھیں شام سے ہٹا دیا۔ جو لوگ اس بارے میں معاویہ کو بے قصور سمجھتے ہیں ان لوگوں نے اس کے متعلق ایک قصہ بیان کیا ہے۔ مجھے سڑی نے لکھا ہے کہ شعیب سے سیف نے حدیث بیان کی، اس نے عطیہ سے سنا، عطیہ نے یزید فقعی سے، یزید فقعی کہتا ہے کہ جب ابن سودا (عبداللہ بن سبا) شام وارد ہوا تو ابوذر سے ملا اور کہا کہ اے ابوذر آپ کو معاویہ پر تعجب نہیں آتا جو یہ کہتا ہے کہ خدا کا مال میرا مال ہے“

طبری کی اس عبارت میں یہ جملہ کہ ”مجھے سڑی نے لکھا ہے“ اس بات کی بین دلیل ہے کہ یہ روایت طبری کے روبرو نہیں بیان کی گئی بلکہ کسی ”سڑی“ یا ”سڑی“ نے انھیں لکھ کر بھیج دی اور انھوں نے یہ سوچے سمجھے بغیر کہ لکھنے والا کون ہے، کیا ہے؟ اصلی ہے یا نقلی؟ معتبر ہے یا غیر معتبر؟ اس روایت کو

نامی ایک فرضی یہودی شخص کا شاخسانہ کھڑا کیا۔ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر کے اسلام کے دیگر فرقوں میں شیعوں کو بدنام، ذلیل اور رسوا کیا جائے۔

اس مفروضہ کو دار (شخص) اور اس من گڑھت قصہ کو متقدمین میں کس مورخ نے پہلی مرتبہ بیان کیا؟ اس کے راوی کون کون ہیں اور سلسلہ اسناد کیا ہیں؟ ان تمام باتوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس واقعہ کی صحت اور عدم صحت کا تصفیہ کیا جاسکے۔

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اس مفروضہ شخص (عبداللہ بن سبا) کو منظر عام پر لانے والے اولین مورخ ابو محمد جعفر بن جریر طبری اور تاریخ طبری وہ کتاب ہے کہ جس کے بارے میں خود مصنف کا کہنا ہے کہ ”ہم اپنی کتاب میں جو واقعات بعض گزرے ہوئے لوگوں کے متعلق درج کر گئے ہیں، انھیں پڑھنے والا ناپند اور سننے والا ناگوار جانتا ہے لیکن اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ (ان واقعات کو) ہم نے اپنی طرف سے نہیں لکھا، بلکہ ہم نے کسی دوسرے سے نقل کیا ہے اور جو کچھ لوگوں نے بیان کیا وہ ہم نے درج کر دیا“

طبری کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ انھیں خود اپنی کتاب کی روایات پر بھروسہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ واقعات مندرجہ سے مطمئن ہیں اس لیے کہ نہ انھوں نے کسی واقعہ کی تحقیق کی اور نہ ہی اس کے راویوں کے متعلق علمائے حدیث اور فن رجال کے ماہرین کو متوجہ کیا،

مثلاً: مورخ ابو الفدا (متوفی ۵۳۲ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے اور یہ وضاحت بھی کی ہے کہ میں نے اس واقعہ کو ابن اثیر کی تاریخ کامل سے لکھا ہے۔

دور حاضر کے مورخین میں احمد امین نے اپنی کتاب فجر الاسلام ط ۱۳ پر اور ڈاکٹر حسن ابراہیم نے اپنی کتاب تاریخ اسلام سیاسی کے ص ۳۷۴ پر اس قصہ کو بیان کیا ہے اور تاریخ طبری کا حوالہ دیا ہے۔

ان تمام علمائے متقدمین اور متاخرین کی تاریخوں، تصانیف اور تالیفات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عبداللہ بن سبا کے فرضی قصہ کا اصل ماخذ صرف تاریخ طبری ہے اور ابو جعفر محمد بن جریر طبری ہی وہ پہلے مورخ ہیں جنہوں نے بلا تحقیق سسری، شعیب، سیف بن عمر، عطیہ اور یزید فقہی جیسے مجہول، غیر معتبر، کاذب اور متہم بالزندقہ کے حوالوں سے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور اس اندراج کے ذیل میں علامہ امینی کا کہنا ہے کہ:

”طبری نے کذاب وجعلاز سسری کی تحریریں درج کر کے اپنی تاریخ کا مستان بن کر دیا۔ اس وجعلاز سسری نے گناہ شعیب کے حوالے سے حدیثیں بیان کی ہیں اور شعیب نے سیف سے جو کہ بہت بڑا جعلاز تھا۔ اپنی تاریخ کے صفحات پر انھیں واهیات اسناد سے طبری نے ۱۰۰ حدیثیں نقل کی ہیں جو ۱۰۰ سے ۱۰۰۰ تک حقائق کو مسخ کرنے کی غرض سے گڑھی گئی ہیں۔“

پھر کہتے ہیں کہ:

”طبری نے سیف کی ان جعلی حدیثوں کا سلسلہ وفات پیغمبر سے

آنکھ بند کر کے اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور بعد کے علماء و مورخین اسے نقل کرتے چلے گئے۔

مثلاً: ابن عساکر (متوفی ۵۵۷ھ) نے سیف کی روایت سے اس مفروضہ داستان کو بیان کیا ہے۔

مثلاً: ابن اثیر (متوفی ۶۳۰ھ) نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب کی ابتدا تاریخ کی بہت بڑی کتاب طبری سے کی ہے۔

مثلاً: ابن کثیر (متوفی ۷۷۰ھ) نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ جلد ہفتم کے صفحہ ۱۶۷ پر ابن سبا کے اس فرضی قصہ کو نقل کر کے صفحہ ۲۴۶ پر یہ وضاحت کی ہے کہ یہ خلاصہ ہے اس کا جسے طبری نے نقل کیا ہے۔

مثلاً: فرید وجدی نے اپنی کتاب دائرۃ المعارف جلد ۱ میں جنگ جمل کا ذکر کرتے ہوئے اس قصہ کو بیان کیا ہے اور صفحات ۱۶۰-۱۶۸-۱۹۹ پر یہ صراحت کی ہے کہ ہم نے اس قصہ کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے۔

متاخرین میں رشید رضا مدیر ”المنار“ مصر نے اپنی کتاب السنۃ والشیعہ کے صفحات ۴-۵-۶ پر عبداللہ بن سبا کے قصہ کو یوں نقل کیا ہے:

”شیعیت کے اصول ایک یہودی نے گڑھے جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا۔ اس نے مکہ و فریب سے کام لیتے ہوئے اسلام ظاہر کیا اور لوگوں کو حضرت علیؑ کے بارے میں غلو کی دعوت دی۔ غرض یہ تھی کہ اسلام میں پھوٹ پڑ جائے اور مسلمانوں کی دنیا و دین غارت ہو جائے۔ جو شخص جنگ جمل کے واقعات کو تاریخ کامل ابن اثیر ہی میں غور کی نگاہ سے دیکھے تو اسے یہ اندازہ ہوگا کہ سبا کیوں کی فتنہ انگیزی کتنی کامیاب ثابت ہوئی۔“

اور واقعہ صفین اور فرقہ خوارج کے موقع پر ابن سبا کے غائب ہونے کی یاد دہانہ کی جاسکتی ہے۔ ہم تو صرف بس ایک ہی نتیجے پر پہنچتے ہیں اور وہ یہ کہ ابن سبا ایک وہی چیز ہے۔۔۔۔۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا ایک ہوا ہے جسے شیعوں کے دشمنوں نے محض شیعوں کے لیے تلاش کیا ہے۔

اس فرضی قصہ کے راویوں یعنی ستری، شعیب، سیف بن عمر، عطیہ اور یزید فقہی کے متعلق علمائے حدیث اور ماہرین فن رجال کے خیالات بھی ہم درج کیے دیتے ہیں تاکہ آپ پر یہ واضح ہو جائے کہ یہ واقعہ کتنا فرضی اور من گھڑت ہے۔

۱۔ ستری طبری نے اپنی تاریخ کی جلد ۳ ص ۲۹۳ پر ستری کے باپ کا نام بھی بیان کیا ہے۔ ستری نام کے بہت سے لوگ گزرے ہیں جن کے باپ کا نام بھی کئی تھا، اس لیے حتمی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کون ستری ہے جس نے عبداللہ بن سبا کے واقعہ کو طبری کے پاس لکھ کر بھیجا۔

۲۔ ستری بن یحییٰ بن ایاس۔ اس ستری کا انتقال ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی پیدائش سے ۵۷ سال قبل ہو چکا تھا اس لیے یہ ستری وہ نہیں ہو سکتا جس نے طبری کو ابن سبا کا واقعہ لکھ کر بھیجا۔

۳۔ ستری بن اسماعیل ہمدانی کوفی۔ ابن مبارک اور ابوداؤد نے اس ستری کو ضعیف اور متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن عدی کی رائے میں یہ ثقہ نہ تھے اور ان کی بیان کی ہوئی حدیثوں کو کوئی نہیں مانتا تھا۔

لہ الفتنۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۹۴ تا ۱۰۲

شروع کیا ہے اور تیسری، چوتھی، پانچویں جلدوں تک یہ حدیثیں پھیلائی ہیں۔ تیسری جلد ۱۸۷ کے واقعات میں ۶۷ حدیثیں (فرضی) نقل کی ہیں، چوتھی جلد ۱۸۷ کے واقعات میں ۲۲۷ حدیثیں اور پانچویں جلد ۲۳۳ سے ۲۷۷ تک کے واقعات میں ۲۰۷ حدیثیں (غلط) نقل کی ہیں، اس طرح کل ۷۰۱ حدیثیں ہوئیں۔

مصر کے نامور سنی ادیب، فلسفی اور مورخ ڈاکٹر طاہر حسین رقمطراز ہیں: ”جنگ صفین میں سبائیوں اور ابن سبا کے ذکر سے مورخین نے جو

اعراض کیا ہے، اس سے کم سے کم یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ ابن سبا بالکل فرضی اور من گھڑت چیز ہے اور جب فرقہ مشیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے اس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا نشانہ تھا کہ شیعوں کے اصل اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی زبردست چال بازی اور مکر و فریب کی صورتیں تھیں۔ محض شیعوں کو زچ کرنے کے لیے ورنہ اگر ابن سبا کا معاملہ کسی صحیح بنیاد پر مبنی ہوتا اور معتبر تاریخ سے اس کا پتہ چلتا تو لازمی طور پر اس فرقہ کا اثر و نشان اور اس کا مکر و فریب جنگ صفین میں ضرور ظاہر ہوتا۔ خصوصاً معاملہ حکیم کے موقع پر جب اصحاب علیؑ میں اختلاف اس وقت بھی فطری طور پر اس فرقہ کا وجود ہونا چاہیے تھا لیکن ہم خوارج کے معاملہ میں ابن سبا کا کوئی وجود نہیں پاتے، تمام تاریخیں اس موقع پر اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اس خاموشی کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے

لہ الغدير ج ۸ ص ۲۳۵، ۲۳۶

عبداللہ ابن سبا کی بھی ہے۔

(۲) تمام مورخین نے تاریخ طبری سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔

(۳) ان میں سے کسی نے بھی مصطلحات حدیث کی کتابوں سے اس واقعہ کے راویوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔

(۴) ماہرین فن رجال نے عبداللہ ابن سبا کے مفروضہ قصہ کے تمام راویوں کو مجہول، کاذب یا متہم بالزندقہ قرار دیا ہے۔

(۵) ڈاکٹر طحطاہ حسین کی رائے میں بھی عبداللہ ابن سبا کا قصہ بالکل فرضی، لغو اور من گھڑت ہے۔ وہ ایک ہوا ہے جسے صرف شیعوں کے لیے جنم دیا گیا ہے۔ اس سے شیعوں کے دشمنوں کا منشا یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر کے انھیں بدنام و مطعون کیا جائے۔

نتیجہ:

محترم مفتی صاحب! مندرجہ بالا ”پوسٹ مارٹم“ کے بعد نتیجہ آپ کے سامنے ہے اور وہ یہ کہ عصبيت کی بنیاد پر آپ نے فتنہ پردازی کی جو عمارت ڈاکٹر محمد تيجانی سماوی کے عقائد کو قید کر کے پراگندہ کرنے کے لیے تعمیر کی تھی وہ دلائل اسناد اور جرح و تعدیل کی تیز ہواؤں کے اس جھکڑ میں مسمار ہو گئی۔

آپ کی ان تمام مفروضہ باتوں کا (جو آپ نے ڈاکٹر سماوی سے کیں) جواب میں نے آپ کو دے دیا ہے جس کی آپ کو ضرورت تھی۔ اب باقی رہا یہ سوال کہ شیعہ منافق ہیں، معاویہ و یزید لعن اللہ علیہم کی خلافت پر ایمان نہیں رکھتے، اس سلسلہ میں صرف اتنا عرض کر دوں کہ اگر منافقت

ابن حیان کا بیان ہے کہ یہ اسناد میں الٹ پھیر کر دیا کرتے تھے۔

۴۔ شعیب بن ابراہیم۔ مجہول شخص ہے۔ ذہبی کا کہنا ہے کہ شعیب بن ابراہیم سیف کی کتابوں کا راوی ہے یہ کون شخص ہے اس کا علم نہ ہو سکا۔

۵۔ سیف بن عمر۔ اس کا انتقال ۸۰ھ میں ہوا۔ علمائے حدیث کا کہنا ہے کہ یہ حدیثیں بہت گھڑا کر تاتھا اور بڑا جھوٹا، کاذب، ملحد اور زندیق تھا۔

۶۔ عطیہ۔ یہ عطیہ کون ہے معلوم نہ ہو سکا جس سے سیف بن عمر نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ یہ عطیہ عوفی نہیں ہو سکتے اس لیے کہ ان کا انتقال ۸۰ھ میں ہوا اور سیف بن عمر کا ۸۰ھ یا ۸۱ھ میں۔ یعنی سیف بن عمر کے انتقال سے ۱۰ یا ۹ سال قبل۔ اور اگر عطیہ سے مراد عطیہ بن قیس کلابی ہیں تو یہ شام کے رہنے والے تھے کسی تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ سیف بن عمر کی ملاقات کبھی عطیہ بن قیس کلابی سے ہوئی ہو۔

۷۔ یزید فقعی۔ رجال میں اس نام کا کوئی شخص نہیں گزرا جس کا لقب فقعی رہا ہو۔ یہ کون تھا معلوم نہ ہو سکا۔ سیف بن عمر جس نے ہزاروں قصے گھڑے ہوں وہاں اس کا بھی امکان ہے کہ یزید فقعی کا وجود اس کی ذہنی تخلیق ہو۔

اب خلاصہ یہ ہے:

(۱) تاریخ طبری میں ۱۰۱ جھوٹی حدیثیں موجود ہیں، ان میں ایک حدیث

کھلا خط

بنام ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونسی

عزیز محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
پروردگار عالم آپ کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور بہ فیض محمد و
آل محمد مخالفین و حاسدین کے فتنہ و شر سے محفوظ رکھے۔
آپ (تحریر و عملاً) دین حق (شیعیت) کا جو تبلیغی کارنامہ انجام دے
رہے ہیں وہ بے شک لائق تحسین و قابل ستائش ہے۔

”اللہ کرے زور قلم اور زیادہ“

ابھی حال میں آپ کی کتاب ”اہل الذکر“ کے مطالعہ کا موقع فراہم ہوا۔
اس کتاب کے اولین صفحات میں آپ نے مولوی سید ابوالحسن علی ندوی کے
نام ایک کھلا خط شائع کیا ہے، جس میں آپ نے جماعت اسلامی (ہند)
کے مفتی شیخ عزیز الرحمن سے ہونے والی اس ناخوشگوار گفتگو کا تذکرہ کیا
ہے جو آپ کے اور ان کے درمیان انھیں کی مسجدِ بدیعی میں تلخیوں کے ساتھ
اختتام پذیر ہوئی اور جس میں انھوں (مفتی صاحب) نے شیعوں کے
متعلق یہ فرمایا کہ شیعہ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے، شیعہ کافر ہیں، شیعہ منافق
ہیں اس لیے کہ تقیہ پر عمل کرتے ہیں، شیعہ یہودی ہیں اس لیے کہ اس کا

کا ذکر چھپڑوں گا تو بات آپ کے بزرگوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ مناسب
سمجھیں تو عصبيت کی عینک اتار کر ٹھنڈے دل اور کھلے ذہن کے
ساتھ میری تالیفات تفسیر کر بلا اور الخلفاء کا مطالعہ فرمائیں، انشاء اللہ
آپ پر واضح ہو جائے گا کہ ”اسلامی منافق“ کون ہیں؟
آپ کا ارادہ ڈاکٹر سماوی کو قتل کرنے کا تھا یا نہیں؟ مجھے نہیں معلوم۔
لیکن ہمارے ملک کے قانونی آئین ”تعزیرات ہند“ میں قتل کی جو سزا
معین کی گئی ہے، اس سے آپ واقف ہیں۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو توفیق عطا کرے کہ آئندہ
آپ اس طرح کی فتنہ انگیزیوں سے باز رہیں اور ان تمام خرافات سے
دامن کش ہو کر سفر آخرت کے زاد راہ کی فراہمی میں مشغول و مصروف
ہو جائیں

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخلص

فروع کاظمی

بات کی تعلیم دیتا ہے کہ کسی کے مذہب کو برا نہ کہو، کسی کے عقیدے پر کچھ نہ اچھا لو، کسی کا دل نہ دکھاؤ، کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ پہنچاؤ، کسی پر ظلم نہ کرو، کسی کو قتل نہ کرو، کسی کا خون نہ بہاؤ اور کسی کو اذیت نہ دو۔

یقیناً یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم مسلمانوں میں ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو ان تمام تعلیمات اسلامی سے قطع نظر صرف وہابیت کے راستے پر گامزن ہے صرف انھیں خطوط پر چل رہا ہے جو سعودیہ نے مقرر کر دیے ہیں اور اس فرقہ کا عفریت نہ یہ کہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام ممالک میں سرگرم عمل ہے۔ حق اور اسلام کے خلاف اس کی منافقانہ و مخالفانہ سرگرمیاں اور فتنہ پردازیاں ”پیٹر وڈالر“ کی بدولت جاری و ساری ہیں۔

یہ بھی واضح کر دوں کہ مولوی سید ابوالحسن علی ندوی ہوں یا منظور نعمانی عتیق الرحمن سنبھلی ہوں یا مفتی عزیز الرحمن، سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں اور اسلام کے بارے میں ان سب کا نظریہ بھی ایک ہے۔ لہذا ان میں سے کسی سے یہ امید رکھنا کہ وہ حق کی موافقت میں باطل کے خلاف زبان کھولے گا، میرے خیال میں محض خوش فہمی ہے۔ ان کی یہ مخالفانہ مہم حق، اسلام کے خلاف جاری تھی، جاری ہے اور جاری رہے گی۔ انھیں خاموش رکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ قلمی جہاد۔ جس کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جائے کہ حقیقی اسلام کیا ہے؟ اور اسلام کے خلاف وہابیت کا نظریہ کیا ہے؟ تاکہ وہ لوگ جو باطل کے گھٹا ٹوپ اندھے میں بھٹک رہے ہیں اور صراط مستقیم کے تلاشی ہیں، اپنی منزل تلاش کر سکیں میں نے آپ کا مکتوب اپنی اس کتاب خلفاء حصہ دوم میں شامل کر لیا ہے اور شیخ عزیز الرحمن کو ان کی بے ہودگیوں کا جواب بھی دے دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ والسلام

مخلص فرغ کاظمی

موسس عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ یا یہ کہ خلفائے راشدین کی خلافت کے ساتھ جو شخص معاویہ اور یزید بن ابی سفیان علیہم السلام کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔

آپ یقیناً مفتی صاحب کی یہ باتیں سن کر ہٹکا بٹکا رہ گئے ہوں گے اور مجھے بھی موصوف کے اس طرز عمل، اس روش اور ایک مہمان کے ساتھ اس ناروا سلوک پر افسوس ہے۔ یہ بھی واضح کر دوں کہ ہندوستان یا پاکستان میں شیعوں کے خلاف کچھ لوگ سرگرم عمل ہیں جو اس قسم کی بتان طرازی کے تیزوں سے شیعوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا کرتے ہیں۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ شیعوں یا عام مسلمانوں کو حق سے گمراہ کر کے باطل کے راستے پر ڈال دیا جائے اور حقیقی اسلام کا ان کے ذہنوں میں جو تصور ہے اسے ختم کر دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے اور صبر و ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں تو شیعہ ان سے جم کر مقابلہ کرتے ہیں، مجاہدہ کرتے ہیں، مناظرہ کرتے ہیں۔ ”کبھی قلم کی زبان سے کبھی قلم کی شمشیر سے“

برادر عزیز! شاید آپ کو یہ نہ معلوم ہو کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں اکثر و بیشتر شیعہ حضرات اور برادران اہل سنت کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوتا رہتا ہے۔ انسانیت اپنا جامہ اتار کر نفرت کے ایسٹج پر ننگا ناچ ناچتی ہے اور عصبیت خون کی ہوئی کھیلتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سیکڑوں کا سہاگ اجڑ جاتا ہے اور ہزاروں معصوم بچے والدین کی گود سے یتیمی کی گود میں پہنچ جاتے ہیں اور یہ سب کچھ اس اسلام کے نام پر ہوتا ہے جو امن و سلامتی کی تعلیم دیتا ہے، بھائی چارگی کی تعلیم دیتا ہے، صبر و تحمل کی تعلیم دیتا ہے، نظم و ضبط کی تعلیم دیتا ہے اور اس

نصف حالات، مثلاً آپ کا عالم وجود میں آنا، عمیر سے حضرت عمر بن خطابؓ
تعب و خیز حلیہ، حیرت انگیز نسب، مالِ باپ کی خوش فعلیاں، ابتدائی
زندگی، رنگین مزاجی، پہلوانی، بت پرستی وغیرہ کے بارے میں بھی
اجمالی روشنی ڈال چکے ہیں۔

اور اب، حضرت عمرؓ کے باقی حالات، عثمانی زندگی کا مکمل عکس
اور مولوی ندوی کی معترضہ باتوں کے جواب اس کتاب ”الخلافا حصہ دوم“
میں ملاحظہ فرمائیں۔

(مولف)

MOWLANA NASIR DEVJANI
MAHUVA, GUJARAT, INDIA
PHONE : 0091 2844 28711
MAIL : devjani@netcourrier.com

دوسرا باب

عاشق آل محمدؐ کو نہیں، فکر ستم
وہ سردار بھی حق بات کہا کرتا ہے

(ڈاکٹر حضور نواب)

معاویہ بن ابوسفیان کے استبدادی دور سے اب تک حق فروش
اہل قلم اور ضمیمہ فروش علماء کے ذریعہ آل محمدؐ کے فضائل کو مسخ کرنے یا
انہیں ختم کرنے کا جو سازشی اور بدعتی سلسلہ جاری ہے اسی کی ایک کڑی
مولوی سید ابوالحسن حسینی ندوی کی خرافاتی کتاب ”المرئضی“ ہے جسے ندوی
صاحب نے ”مرئضوی“ فضیلتوں پر خلفائے ثلاثہ کو فضیلت دینے اور
اپنے ”سعودی پروردگار“ سے خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کی غرض سے
بعض اہم تاریخی حقائق کو یکسر نظر انداز کر کے ”وہابی عقیدہ کی بنیاد پر“
تالیف کی ہے۔

موصوف کی اس کتاب میں شیعہ عقائد کے خلاف قابل توجہ جو
باتیں ہیں ان میں سے بیشتر کے جوابات ہم ”الخلافا حصہ اول“ میں تحریر
کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ہی حضرت ابو بکرؓ کا غیر اسلامی کردار،
ان کے اہم تاریخی حالات (ازابتدا تا وفات)، نیز حضرت عمرؓ کے تقریباً

بھی قراقرز کرنا ہے کہ لے کیونکہ عمر کے پاس فی الحال زیتون کے تیل کے علاوہ تیرے لیے کچھ نہیں ہے۔

قراقرز کس بیماری کا نام ہے؟ اسے کوئی حکیم یا ڈاکٹر ہی بتا سکتا ہے، لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ کا یہ شکمی قراقرز آپ کے ذہنی تمام روایتوں کو باطل قرار دیتا ہے کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے گھی کے علاوہ کبھی تیل کا استعمال ہی نہیں کیا تھا، وہ بھی خالص گھی۔

مال کا درد

حضرت عمر کو اپنے مال کا کتنا درد تھا؟ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دن کہیں سے کچھ مال آپ کے ہاتھ آگیا جسے بحالت مجبوری آپ کو حاجت مندوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ مال حاصل کرنے والوں میں کچھ موقع پرست اور حاشیہ بردار لوگ بھی تھے جو آپ کی تعریفیں کرنے لگے۔

ظاہر ہے کہ تعریف اور خوشامد انسان کا کمزور پہلو ہے۔ اس لیے یقیناً آپ کے دل میں بھی خوشیوں کا جوا لاکھی کر وٹیں لے رہا ہوگا۔ اسی عالم میں آپ کی زبان سے سچائی پر مبنی یہ جملہ نکلا کہ:

”احقوا! خدا کی قسم اگر میرا مال ہوتا تو میں کسی کو ایک درہم بھی نہ دیتا۔“

یہ جملہ آپ کے بخل پر دلالت کرتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ اپنے ذاتی مال سے ضرورت مندوں، محتاجوں اور غریبوں کو ایک دھڑی بھی

۱۷ کنز العمال ۶۷ ص ۳۴۳ ۱۸ کنز العمال ۶۷ ص ۳۵۰

(الخلفاء حصہ اول سے آگے...)

عمری بسیار خوری

مالک بن انس سے مروی ہے کہ عمر کے سامنے ایک صاع کھجوریں (منہ مارنے کے لیے) رکھ دی جاتی تھیں اور وہ سب کھا جاتے تھے یہاں تک کہ سڑی گلی ایک بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

انوار اللغۃ میں ایک صاع کا وزن ساڑھے چار سیر بتایا گیا ہے اور مولوی ندوی نے ”المرقئی“ میں ۳ کلو ۲۶۵ گرام تحریر کیا ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ جب آپ ساڑھے چار سیر یا ۳ کلو ۲۶۵ گرام صرف کھجوریں ”زہر مار“ کر جاتے تھے تو پر تکلف شاہی دسترخوان پر آپ کے کھانے کا کیا حال ہوتا رہا ہوگا!

پیٹ میں قراقرز

حضرت عمر کے دور میں جب قحط پڑا اور عوام معاشی زبوحالی اور عتاب الہی میں گرفتار ہوئے تو مصلحتاً آپ نے بھی گھی کا استعمال ترک کر دیا تھا اور روغن زیتون سے اپنا کام نکالنے لگے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیل کی چکناہٹ نے آپ کے پیٹ میں ”قراقرز“ کو منجمد کر دیا۔

کنز العمال میں ہے کہ جب ”قراقرز“ کی تکلیف شروع ہوتی تھی تو آپ اپنے پیٹ میں انگلی چبھو کر فرماتے تھے کہ ”اے پیٹ! تجھے جس قدر

۱۷ کنز العمال ۶۷ ص ۳۸۳

اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب گھوڑے کو بھی یہ اختیار حاصل ہوتا کہ وہ آپ پر سواری کرے، ایڑ لگائے اور آپ پر تازیانہ لگائے۔ اس کے علاوہ دوسری روایت کی بھی تمام باتیں اپنی جگہ ہیں لیکن سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ آپ گھوڑے کا داہنا کان اپنے بائیں ہاتھ سے اور اپنا بائیں کان داہنے ہاتھ سے کیوں پکڑتے تھے؟ آخر اس بازی گری میں کون سی مصلحت کار فرما تھی؟ اس کا جواب صرف مولوی ندوی ہی دے سکتے ہیں کیونکہ معاملہ ان کے دینی رہنما اور روحانی پیشوا کا ہے۔ ہم گستاخی کی جسارت کیوں کریں؟

گھوڑے کی لید

یہ روایت بھی محترم قارئین کے لیے دل چسپی سے خالی نہیں ہے کہ ایک دن حضرت عمر کے گھوڑے نے لید کی تو آپ کسی خیال کے تحت اسے اٹھا لائے اور مسل مل کر اسے دیکھا۔ اتفاق سے اس لید میں آپ کو جو کا ایک دانہ مل گیا۔ پھر کیا تھا عمری قہر بیدار ہو گیا۔ آپ نے فوراً سائیس کو طلب کیا اور اس سے پوچھا کہ تو گھوڑے کو کیا کھلاتا ہے؟ اس نے سہم کہ جواب دیا کہ سرکار! گھاس کے علاوہ ایک صاع جو کھلاتا ہوں اس خیال سے کہ گھوڑا آپ کے استعمال میں دبلانہ ہو یہ آپ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا کہ تجھے نہیں معلوم کہ ایک صاع جو ایک خاندان کے لیے کافی ہو سکتی ہے اور تو اسے گھوڑے کو کھلاتا ہے۔ آج سے اس گھوڑے کی جو بند کر دے اور اسے چھوڑ دیا کہ تاکہ وہ خود چر کہ اپنا پیٹ بھر لیا کرے یہ

لے سوانح عمری عمر حصہ اول ص ۱۴۹

نہیں دیتے تھے۔

گھوڑے کی سواری

حضرت عمر کے گھوڑے پر سوار ہونے کا انداز (اسٹائل) عجیب و غریب تھا۔ وہ یہ کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہونے کا قصد کرتے تو ایک ہاتھ سے گھوڑے کا کان پکڑتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے اپنا کان۔ پھر جسم کو سمیٹ کر اس طرح اچھلتے کہ اس کی پیٹھ پر پہنچ جاتے یہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ بائیں ہاتھ سے گھوڑے کا داہنا کان پکڑتے تھے اور داہنے ہاتھ سے بائیں کان۔ اور جب گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو جاتے تو اس طرح اچھلتے کہ کودتے تھے کہ جیسے اسی کی پیٹھ پر ہی پیدا ہوئے ہوں۔

خدا جانے یہ روایت کس خیال کے تحت حضرت عمر کے فضائل میں نقل کی گئی ہے۔ اس سے آپ کی بہادری واضح ہوتی ہے یا گھوڑے سواری کا ہنر نمایاں ہوتا ہے؟ ممکن ہے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ آپ بڑے عادل اور منصف مزاج تھے کہ ایک ہاتھ سے اگر گھوڑے کا کان پکڑتے تو دوسرے ہاتھ سے اپنا بھی کان پکڑ لیتے تھے تاکہ عدل برقرار رہے۔ مگر اس سے تو عدل ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہو کر اسے ہانکتے رہے ہوں گے تو اسے ایڑ بھی لگاتے رہے ہوں گے اور اس کے ساتھ آپ کا تازیانہ بھی چلتا رہا ہو گا۔ یہ اصول عدل کے منافی ہے۔ عدل تو

لے کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۱ لے اصا ب ج ۲ ص ۲۴۹

سبب یہ بیان کرتے تھے کہ بیٹھ کر پیشاب کرنے سے دبر ڈھیلی ہو جاتی ہے اور اس کے برعکس جب انسان کھڑے کھڑے پیشاب کرتا ہے تو دبر ابھی طرح (ٹائٹ) کسی رہتی ہے۔

عمری استنجاء

حضرت عمر استنجاء میں پانی کا استعمال کبھی نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ کا فلسفہ یہ تھا کہ ”رگڑو اور صاف کرو“ چنانچہ آپ نے اپنے گھر کی دیوار میں ایک پتھر لگو رکھا تھا اور جب کھڑے کھڑے پیشاب سے فارغ ہوتے تو..... پکڑ کر اسی پتھر پر رگڑ دیا کرتے تھے۔

یہی وہ عمری سنت ہے جس پر عمل پیرا ہو کر عمر نواز مسلمان پانی پر مٹی کے ڈھیلے یا پتھر کو ترجیح دیتا ہے۔

سٹیا بازی

اپنی بیوی کی نظر میں حضرت عمر ایک بدکردار اور ”سٹیا باز“ انسان تھے چنانچہ اس ضمن میں علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ جابر بن عبد اللہ نے کچھ عورتوں کے بارے میں حضرت عمر سے کسی قسم کی بات کی تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی اس عورت بازی کی مصیبت میں گرفتار ہوں۔ جب کسی کام یا رفع حاجت کے لیے گھر سے نکلتا ہوں تو میری گھروالی کہتی ہے کہ تم فلاں قبیلہ کی لڑکیوں کو گھورنے اور ان سے نظر لڑانے جاتے ہو۔

لے کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۷ تاریخ الخلفاء ص ۹۷

بے چارہ گھوڑا جو آپ کے جسمانی وزن کے ساتھ آپ کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھاتا تھا محض اس پاداش میں اپنی غذا سے محروم کر دیا گیا کہ وہ ایک صاع جو کھاتا تھا اور وہ جو حضرت عمر کے نزدیک ایک خاندان کی غذا تھی۔ لیکن یہ بات بھی آپ کے عدل کی نفی کرتی ہے اس لیے کہ آپ حاکم وقت تھے اس کے باوجود ایک صاع کھجوریں ناشتہ میں یا کھانے کے دوران کھا جاتے تھے تو اس وقت آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آتا تھا کہ یہی کھجوریں کسی مفلس، نادار اور غریب گھرانے کی غذا بن سکتی ہیں؟

استادہ پیشاب

اس خیال کے تحت کہ پیشاب کی نجاست جسموں پر اثر انداز نہ ہو، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیا تھا اور طیب و طاہر ہونے کے باوجود خود بھی اس آدابِ طہارت پر کاربند تھے لیکن افسوس کہ اکثر و بیشتر صحابہ آپ کے اس عمل کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ کنز العمال میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ نے بیٹھ کر پیشاب کیا اور جب فارغ ہوئے تو صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ تو بالکل عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔

تاجدارِ انبیاء کی شان میں اس دریدہ دہنی، گستاخی اور جسارت کی وجہ یہ تھی کہ منافقین صحابہ کا ایک گروہ حضرت عمر کے ساتھ تھا جو ہمیشہ کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے تھے اور اپنی اس غیر شائستہ حرکت کا

لے کنز العمال ج ۵ ص ۱۲۷

(نوٹ) اسلام میں روزہ کے متعلق یہ حکم تھا کہ غروب آفتاب کے بعد تمام مفطرات صوم حلال ہو جایا کرتے تھے یہاں تک کہ نماز عشا ادا کر لی جائے یا انسان سو جائے۔ اس کے بعد تمام چیزیں دوسری شام تک کے لیے حرام ہو جاتی تھیں۔

عمری جوئیں

یہ عجیب و غریب اور حیرت انگیز روایت کنز العمال میں ہے کہ حضرت عمر حالت نماز میں اس کثرت سے جوئیں مارا کرتے تھے کہ ان جوؤں کا خون آپ کی انگلیوں پر منجمد ہو جایا کرتا تھا۔

روایت میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ اپنے سر کی جوئیں مارتے تھے یا کپڑوں کی؟ لیکن ظاہر ہے کہ دونوں جگہوں کی جوئیں مارتے رہے ہوں گے کیونکہ دشت، بیٹس جوؤں کے قتل عام سے انگلیوں پر خون کا انجماد نہیں ہوتا۔ پھر روایت میں ”کثرت“ کا لفظ اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ آپ حالت نماز میں ہزاروں جوؤں کے قتل کا ارتکاب کرتے تھے، دوسرے یہ کہ آپ کی اس گھناؤنی حرکت سے ایک مسئلہ اور حل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں اس امر کے متعلق سخت اختلاف ہے کہ نماز میں ہاتھ کھول کر کھڑے ہونا چاہیے یا ہاتھ باندھ کر؟ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ اگر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے تو اس کثرت سے سر کے بالوں یا بدن کے کپڑوں سے جوئیں کیوں کر نکالتے؟ کیا کوئی شخص جو ہاتھ باندھ کر نماز ادا کرتا ہو اس کثرت سے جوئیں مار سکتا ہے؟

حالت صوم میں جماع

اس واقعہ کی تفصیل ”درمنثور“ میں یوں ہے کہ ماہ صیام میں ایک رات عمر جناب رسول خدا (صلعم) کی خدمت میں رہ گئے اور جب گھر واپس پلٹے تو دیکھا کہ آپ کی زوجہ محترمہ بستر استراحت پر محو خواب ہیں۔ انھیں دیکھ کر آپ پر نفس کا غلبہ ہوا۔ چنانچہ آپ نے انھیں جگایا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، کہنے لگیں (اؤ نہہ!) میں تو سو گئی تھی، اب بھلا... کیونکہ ممکن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم سو گئیں تو سویا کرو، میں تو نہیں سویا تھا۔ یہ کہہ کر آپ بیوی پر چڑھ بیٹھے اور جب نفس کا بھوت اُتر گیا تو نہادھو کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں اپنی اس حرکت سے مطلع کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

”اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہو“

بعض روایتوں میں حضرت عمر کے سو کہ اٹھنے کے بعد اس واقعہ کا بیان ہے کہ سوتے سوتے حضرت کو ان کے نفس نے ابھارا اور وہ اپنی بیوی کے پاس پہنچ گئے۔ پھر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں آپ سے اور خدا سے معذرت چاہتا ہوں کہ میرے خطا کار نفس نے مجھے ابھارا اور جو نہ ہونا چاہیے تھا وہ ہو گیا۔ کیا میرے لیے معافی کی کوئی صورت ہے؟ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

ہے۔ کیونکہ عقل تو اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ ہاتھوں کو جوتیوں سے اور منہ کو کسی اور چیز سے پونچھتے رہے ہوں گے۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز جبار و دو کو پاخانے کے مقام پر ہاتھ صاف کرنے کا مشورہ ہے۔

اعتراف منافقت

یہ واقعہ شکوک و شبہات سے بالاتر اور تاریخی اعتبار سے مسلسل متواتر ہے کہ ۹ھ میں غزوہ تبوک کی واپسی پر پیغمبر اسلام کو ”ذی فتق“ نامی ایک خطرناک گھاٹی سے گزرنا تھا، یہ گھاٹی سواری کے لیے انتہائی خطرناک اور ناسازگار تھی۔ چنانچہ رسول اکرم کا ناقہ جس کی مہار حذیفہ یمانی کے ہاتھوں میں تھی، جب اس گھاٹی میں داخل ہوا تو یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ جب تک آنحضرت کا ناقہ اسے عبور نہ کر جائے کوئی شخص اس گھاٹی میں داخل ہونے کی جسارت نہ کرے۔

رات کی تاریکی میں آنحضرت کا ناقہ احتیاط اور خاموشی کے ساتھ اس تنگ و پرخطر گھاٹی سے گزر رہا تھا کہ اچانک بجلی چمکی جس کی روشنی میں سواروں نے کچھ ایسے سواروں کو دیکھا جو آپ کو قتل کرنے کے لیے اپنے چہروں کو نقابوں میں چھپائے پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔ خدا کے حکم سے بجلی کی روشنی اتنے وقفہ تک قائم و برقرار رہی کہ نگاہ رسالت نے سب کو پہچان لیا اور پھر آنحضرت نے حذیفہ سے فرمایا کہ: اے حذیفہ! کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے حذیفہ کو سب کے ناموں سے آگاہ بھی کر دیا اور یہ تاکید بھی

جوتیوں کا رومال

فرزند عاصم کا بیان ہے کہ حضرت عمر... دھو کر اپنی جوتیوں میں پونچھ لیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ عمر کا رومال صرف جوتیاں ہیں۔ اور صائب بن یزید کا بیان ہے کہ میں نے اکثر رات کا کھانا عمر بن خطاب کے ساتھ کھایا ہے، وہ گوشت اور روٹی کھاتے تھے اور کھانے کے بعد ہاتھوں کو پیروں پر رگڑ کر صاف کر لیا کرتے تھے۔ یہ اور ثابت سے روایت ہے کہ ایک دن جبار و نے حضرت عمر کے ساتھ کھانا کھایا اور کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کے لیے رومال طلب کیا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے پاخانے کے مقام پر پونچھ لو۔

ان تینوں روایتوں کی گہرائیوں میں حیرت و استعجاب کا سفینہ ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر عمر کو رومال میسر نہیں تھا تو آپ بالکل برہنہ بھی نہیں رہتے ہوں گے۔ جسم پر تہ بند، کرتا یا بنیان وغیرہ تو ضرور ہی رہتا ہوگا، اسی میں پونچھ لیتے۔ آخر یہ جوتیوں میں پونچھنے کی کون سی منطق کار فرما تھی؟ پھر ہاتھوں کو پیروں پر رگڑ کر یا جوتیوں میں پونچھتے تھے تو منہ کو کس چیز سے پونچھتے تھے؟ کیونکہ کھانے کے بعد تو ہاتھ اور منہ دونوں ہی دھوئے اور پونچھے جاتے ہیں۔ پھر پہلی روایت میں اس بات کی بھی صراحت نہیں ہے کہ کس چیز کو اپنی جوتیوں میں پونچھتے تھے۔ رہا ہاتھوں کو پیروں پر رگڑ کر پونچھنا، وہ بھی تعجب خیز

لے کنز العمال ج ۶ ص ۲۴۶ ۲۴۷ کنز العمال ج ۶ ص ۲۴۸

شریعت لایا ہوں۔ (یاد رکھو) کہ اگر حضرت موسیٰ (زندہ) ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

(دوسری روایت) یہ روایت بھی جناب جابر سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رسول اکرمؐ کی خدمت میں تو ریت کا ایک نسخہ لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ: اے رسول خدا! میں تو ریت لایا ہوں۔ عمر کے اس کہنے پر رسول اللہ خاموش رہے لیکن جب آپ (عمرؓ) نے اس کی تلاوت شروع کر دی تو رسول کا چہرہ غصہ سے سرخ اور متغیر ہونے لگا۔ کیفیت دیکھ کر ابو بکرؓ نے عمر کو ڈانٹا اور کہا ”گم کرنے والی عورتیں تجھے گم کر دیں“ رسول کا چہرہ نہیں دیکھتا کہ اس پر غیظ و غضب کے آثار مرتب ہیں۔ اس پر عمرؓ نے کہا کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ سے پناہ چاہتا ہوں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس معبود کی جس کے قبضہ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر موسیٰ اس وقت تمہارے درمیان آجائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کا دامن تمام لو گے اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤ گے۔ حالانکہ اگر موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔ یہ دونوں روایتیں قابل توجہ ہیں۔

۱۔ حضرت عمر جب یہودیوں سے ان کی حدیثوں کو سنتے تھے تو وہ انھیں بڑی اچھی لگتی تھیں یہاں تک کہ آپ انھیں لکھ کر محفوظ بھی کر لینا چاہتے تھے۔

انسانی و ایمانی فطرت کے تحت (خصوصاً مذہبی معاملات میں) انسان کو

فرمادی کہ اس امر میں خاموش رہنا ورنہ فساد ہوگا۔

”واقعہ عقبہ“ کے نام سے یہ واقعہ تمام مستند تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ نقاب پوش اکابرین صحابہ تھے۔

شاید اسی سبب سے حضرت عمر کو یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں حذیفہ کی زبان سے ان کے نام کا انکشاف نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ اے حذیفہ! کیا مجھ میں تم نفاق کا کوئی اثر پاتے ہو؟ رسول اللہ کی تاکید کے تحت حذیفہ اس سوال پر خاموشی اختیار کر لیا کرتے تھے۔ اور پھر آخر کار۔ ایک دن حضرت عمر نے یہ اعتراض کر ہی لیا کہ:

”اے حذیفہ! خدا کی قسم میں بھی ان منافقین میں سے ہوں۔“

حضرت عمر کی یہودیت

(پہلی روایت) جابر بن عبد اللہ انصاری (صحابی رسولؐ) سے مروی ہے کہ ایک دن عمر بن خطاب حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا یا رسول اللہ! ہم جب یہودیوں سے (ان کی) حدیثیں سنتے ہیں تو وہ ہمیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ اگر آپ کہیں تو ہم انھیں لکھ لیا کریں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح حیران و حیرت زدہ ہو۔ جبکہ میں تمہارے درمیان ایک روشن

حضرت عمر کو اگر پیغمبر کی پیغمبری، صداقت، سچائی اور حق بیانی پر مکمل اعتماد و بھروسہ ہوتا اور وہ آپ کی حدیثوں کو قابل اعتناء سمجھتے تو ان حدیثوں کے مقابلے میں انھیں یہودیوں کی حدیثیں اچھی ہی کیوں لگتیں یا وہ بزم پیغمبر کے علاوہ یہودیوں کی محفلوں میں جاتے ہی کیوں؟ کہ رسول اللہ کو آپ کے اس ظاہر و باطن پر اتمام حجت کے لیے یہ کہنا پڑتا کہ کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح (میری رسالت پر) حیران و حیرت زدہ ہو اور اندھیر کی طرف جانا چاہتے ہو؟ جبکہ میں تمھارے درمیان ایک روشن شریعت لے کر آیا ہوں، ایسی شریعت کہ اگر حضرت موسیٰؑ ہوتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

۲۔ (الف) آنحضرت کی خدمت میں عمر توریت لے کر حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! میں توریت لایا ہوں۔

(دب) آپ (عمر) نے رسولؐ کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور سردارانِ نبیاء کی مرضی کے خلاف توریت کی تلاوت کی۔

(ج) آپ کی اس غیر اسلامی حرکت پر رسول اسلام کا چہرہ غصہ سے سرخ اور متغیر ہوا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ابو بکر نے آپ کو پھٹکارا اور کہا:

”گم کرنے والی عورتیں مجھے گم کر دیں“ رسول اللہ کا چہرہ نہیں دیکھتا۔

(د) آپ نے خدا اور اس کے رسولؐ سے پناہ چاہی مگر رسول اللہ نے فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰؑ تمھارے درمیان آجائیں تو تم مجھے چھوڑ کر ان کا دامن حقام لو گے اور گمراہ ہو جاؤ گے حالانکہ موسیٰؑ بھی اگر میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری ہی پیروی کرتے۔

یہ دوسری روایت پہلی روایت پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے اور

اپنی شریعت کے مقابلے میں کسی (منسوخ شدہ) غیر شریعت کی کوئی شے اس وقت اچھی معلوم ہوتی ہے جب اس میں کوئی خیر و خوبی کی بنا پر واقعی وہ شے اچھی بھی ہو اور اس انسان کا دل اسے قبول بھی کرتا ہو یا پھر وہ انسان اپنی شریعت کے لیے مخالفانہ اور منافقانہ نظریہ رکھتا ہو۔

حضرت عمر کو یہودیوں کی روایتوں کا اچھا لگنا اور انھیں قلم بند کر کے محفوظ کر لینے کی خواہش اس بات کی محکم دلیل ہے کہ حامل وحی کی زبان مبارک سے جو حدیثیں عالم وجود میں آئی تھیں وہ آپ کو اچھی نہیں لگتی تھیں، ورنہ جس پیغمبر کی شریعت پر آپ خود بھی (بظاہر) عمل پیرا تھے اس سے یہ کہنے کی جسارت کہ یہودیوں کی حدیثیں ہمیں بڑی اچھی لگتی ہیں۔ چہ معنی!

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”عمری طینت“ میں یہودیت کا عنصر بھی بدرجہ اتم موجود تھا اور آپ اپنی ”برگزیدہ مسلمانی“ کے ساتھ یہودیوں کی صحبت بھی اختیار کرتے تھے۔ ان کی محفلوں میں جاتے تھے اور ان کی حدیثوں کو سن کر اپنے آئینہ ایمان پر یہودیت کی جلا بھی کرتے تھے۔

شاید یہی وجہ رہی ہو کہ ابو بکر کے بعد جب اقتدار کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں آئی اور آپ تخت حکومت پر متمکن ہوئے تو تمام مسلمانوں کو احادیث نبوی کی کتابت، انھیں جمع کرنے یا بیان کرنے سے روک دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ جو حدیثیں مسلمانوں نے پیغمبر اسلامؐ سے سن کر ایک عظیم سرمایہ کی شکل میں جمع کی تھیں ان سب کو اکٹھا کر کے نذر آتش کر دیا۔

اپنے اس دینی و روحانی پیشوا (عمر) کی یہودیت سے دانستہ یا نادانستہ طور پر بیگانہ ہیں۔

اسلامی غزوات سے حضرت عمر کا فرار اور شجاعت

قرآن کہتا ہے کہ:

”اے ایمان والو! جب تم کفار سے میدان جنگ میں ٹرنا تو ان

کی طرف (ہرگز ہرگز) پیٹھ نہ کرنا اور جو شخص ان کی طرف پیٹھ پھیرے گا

وہ یقینی خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے“ (انفال ۱۲-۱۴)

لیکن اس صریح حکم کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کی وہ

نوار جو حالات کفر میں پیغمبر اسلام کے خون کی پیاسی تھی اور حصار اسلام

میں داخل ہونے کے بعد جس کا لوہا مسلمانوں کے لیے ہر وقت گرم رہتا

تھا، تمام اسلامی معرکوں سے راہ فرار اختیار کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

تاریخیں شاہد ہیں کہ جہاں زندگی اور موت کے درمیان ٹکر کا مرحلہ

درپیش ہوتا تھا، حضرت عمر وہاں سے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلتے تھے

اور اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جاتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ

نے کبھی جنگ کے میدان میں اپنے جسم پر زخم تو کیا، پھول کی ایک چھڑی

تک نہیں کھائی۔

الخلفاء حصہ اول میں واقعات ابو بکر کے ساتھ ہم اسلامی معرکوں

سے آپ کے فرار کے واقعات قلم بند کر چکے ہیں لیکن ضروری ہے کہ یہاں

بھی اجمالی تفصیل تحریر کر دی جائے تاکہ تسلسل برقرار رہے۔

۱۔ جنگ بدر میں آپ کا کوئی جنگی کارنامہ نہیں ملتا بجز اس کے کہ آپ

یہ ظاہر کرتی ہے کہ ارشاد پیغمبر کو ہدیان سے تعبیر کرنے والی اور ”قرآن کافی ہے“ کا نعرہ بلند کرنے والی عمری فطرت کی نظر میں نہ تو قرآن کی کوئی اہمیت تھی اور نہ رسول کا کوئی ادب و لحاظ تھا ورنہ لب کشائی کی یہ جسارت کہ میں توریت لایا ہوں یا اس کی تلاوت کی ہمت، چہ معنی! جبکہ پیغمبر خود بھی حامل قرآن، حامل شریعت اور تمام انبیاء کی سابقہ شریعتوں کو منسوخ کرنے والے تھے۔

میرے خیال میں توریت سے آپ کی والہانہ دل چسپی اور یہودیت کی طرف آپ کا رجحان تعجب خیز اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کو ابتدا ہی سے محمدؐ کی نبوت میں شک تھا جیسا کہ مختلف مواقع پر ظاہر ہوا اور حدیث میں کھل کر سامنے آیا۔

رسول اکرمؐ کی حق شناس نظریں یقیناً اس امر حقیقت کو مار گئی

ہوں گی کہ عمر کی منافقانہ طینت اسلام کے بجائے یہودیت کی طرف

زیادہ مائل ہے، اسی لیے آپ نے فرمایا کہ اگر اس وقت حضرت موسیٰ

تمہارے درمیان آجائیں تو تم مجھے چھوڑ دو گے اور ان کا دامن تھام

لو گے۔ یعنی گمراہ ہو جاؤ گے۔

لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ عمر نواز حضرات جو شیعوں

کے بارے میں یہ غلط نظریہ رکھتے ہیں کہ شیعہ مسلمان نہیں ہیں، شیعہ کافر

ہیں اور شیعہ یہودی ہیں کیونکہ شیعیت کا مؤسس عبداللہ بن سباح تھا

لے بخاری ج ۲ ص ۸۲۲ لے سرالعالمین ص ۹، بخاری ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۵، ج ۲ ص ۶۹۶،

مسلم ج ۵ ص ۷۱ و شرح بخاری (عسقلانی) ج ۱ ص ۱۲۹ وغیرہ لے تاریخ ابن خلدون ص ۳۶۱

۳۔ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبدود و فرزدان توحید کو لٹکار رہا تھا تو ڈر کے مارے آپ کا برا حال تھا اور ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے سر پر طائر بیٹھ گیا ہو۔ رسول اللہ نے خصوصی طور پر عمر کو عمرو کے مقابلے کے لیے آمادہ کرنا چاہا لیکن آپ نے حکم رسول کو ٹھکراتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ عمر و ایسے دیوپیکر سے مقابلہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔

۴۔ جنگ خیبر میں آپ کی عمری غیرت قدرے مردانگی کی طرف مائل ہوئی اور آپ ہمت کر کے دشمنوں سے مقابلہ کے لیے میدان میں نکلے۔ لیکن مرحب نے جب ریلادیا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ علامہ شبلی نے بھی آپ کی اس بزدلی اور نامردی کا اعتراف کرتے ہوئے ”سیرۃ النبی“ میں تحریر کیا ہے کہ: حضرت عمر کے پاؤں میدان میں نہ جم سکے اور واپس آکر انھوں نے رسول اللہ سے یہ شکایت کی کہ فوج والوں نے نامردی دکھائی اس کے برعکس فوج والوں نے بھی کہا کہ وہ (عمر) خود نامرد ہیں۔

مورخین کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں جب صحابہ منہ کی کھیاچکے تو رسول نے فرمایا کہ کل علم اس کو دوں گا جو کرار و غیر فرار ہوگا۔ خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہوگا، وہ دشمنوں پر بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہوگا اور میدان سے اس وقت تک نہ ہٹے گا جب تک فتح و ظفر سے ہمکنار نہ ہو جائے۔ اس اعلان کے بعد حضرت رسول خدا نے دوسرے دن علم حضرت علیؑ کو دیا اور قلعہ قوص فتح ہو گیا۔

اس جنگ کے سخت مخالف تھے اور آپ کو رسول اللہ کی رائے سے قطعی اتفاق نہیں تھا۔ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ جنگ اللہ کی مدد اور علیؑ کی شجاعت سے فتح ہوئی۔

۲۔ جنگ احد ایک ایسی ہولناک جنگ تھی کہ جس میں آنحضرتؐ کے دندان مبارک شہید ہوئے، پیشانی اظہر زخمی ہوئی، اگر تائید الہی شامل حال نہ ہوتی تو شاید شمع رسالت ہی گل ہو گئی ہوتی۔

اس جنگ میں تمام صحابہ رسول اکرمؐ کو دشمنوں کے درمیان چھوڑ کر فرار ہو لیے تھے۔ بخاری کا کہنا ہے کہ ابو بکر، عمر اور عثمان میں سے کسی کا کوئی پتہ نہ تھا۔ حضرت عمر بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے تھے۔ چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر اس طرح اچک رہا تھا جیسے کوئی پہاڑی بکری اچکتی ہے۔ حضرت عمرؓ بھی ابو بکر کے ساتھ سر پر بھاگے اور کوہ احد پر دم لیا۔ طبری ج ۲ ص ۱۹۴ اور کامل ج ۲ ص ۱۱۰ میں ہے کہ عثمان بھی بھاگے اور تیسرے دن واپس پلٹے۔

اس جنگ میں شہر مسلمانوں کے ساتھ حضرت حمزہؓ بھی درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور ذلیل و کمینہ خصلت معاویہ کی ماں ہندہ جگر خوارہ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چایا نیز آپ کی انگلیوں کا ہار اپنے گلے میں پہنا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں سوکڑ زخم کاری حضرت علیؑ کے جسم پر لگے اور یہ جنگ بھی حضرت علیؑ کی جانبازی، قوت اور تلوار کے بل بوتے پر فتح ہوئی۔

محسن کشی کا الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتے تھے اس لیے کنارہ کش ہے۔
 احد میں مجاہدین اسلام پر برا وقت پڑا، آنحضرتؐ بھی سخت زخمی ہوئے،
 بہت سے مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے آپؐ نے بھی راہ فرار اختیار
 کی۔ بخاری نے آپؐ کے فرار کا واقعہ واضح طور پر تحریر کیا ہے۔ امام محمدؒ
 رازی اور علامہ نیشاپوری کی تحریروں سے بھی آپؐ کا فرار ثابت ہے، ان
 دونوں علماء کی تحریروں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ میدان سے شخین کے
 ساتھ فرار ہونے والوں میں حضرت عثمان بھی تھے۔ علامہ سیوطی نے اپنی
 تفسیر درمنثور میں حضرت عمرؓ کے فرار کو خود موصوف کی زبانی نقل کیا ہے۔
 ابوبکرؓ کا فرار عمرؓ کے قول سے ثابت ہے، وہ یہ کہ جب حضرت رسولؐ خدا کو
 میدان میں چھوڑ کر تمام صحابی بھاگ نکلے اور آنحضرتؐ زخمی ہو کر بیٹھ گئے
 تو کسی بد بخت نے یہ اعلان کر دیا کہ محمدؐ مارے گئے تم لوگ اپنے اپنے قدیم
 مذہب کی طرف پلٹ جاؤ۔ چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر حضرت علیؓ نے عمرؓ
 سے پوچھا کہ کیا تم نے یہ اعلان کیا تھا کہ محمدؐ مارے گئے؟ عمرؓ نے جواب
 دیا کہ یہ اعلان ابوبکرؓ نے کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرار کے وقت
 حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ دونوں ایک دوسرے سے قریب تھے۔ یہ بھی ممکن
 ہے کہ دونوں نے مل کر یہ اعلان کیا ہو کہ محمدؐ مارے گئے تم لوگ اپنے اپنے
 پرانے عقیدوں کی طرف پلٹ جاؤ، یعنی کفر اور بت پرستی پھر اختیار کر لو۔
 خندق کی جنگ میں حضرت عمرؓ نے عمرو بن عبدود سے لڑنے کے لیے
 صریح طور پر انکار کر دیا۔ یہ عذر بھی آپؐ کا بے سبب نہ تھا۔ کیونکہ عمرو بن
 عبدود غیر معمولی خلقت کا انسان تھا اور حضرت عمرؓ کے نزدیک اس
 دیوبیکر سے مقابلہ کرنا خلاف عقل تھا۔

۵۔ جنگ حنین سے بھی آپؐ (عمرؓ) کا فرار حتمی طور پر ثابت ہے۔ اس
 جنگ میں آپؐ کو اپنی اکثریت پر بڑا ناز تھا، لیکن دشمنوں نے جب حملہ کیا
 تو اس طرح بھاگے کہ رسولؐ اللہ کو مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ سب سے پہلے
 سیف اللہ خالد بن ولید بھاگے، ان کے پیچھے نو مسلم بھاگے، ان کے
 پیچھے آپؐ (عمرؓ) بھاگے اور آپؐ کے پیچھے انصار و مہاجر بھاگے۔
 غرض کہ پیغمبر اسلامؐ کے پاس حضرت علیؓ، عباسؓ، ابن مسعودؓ اور
 ابن حارث کے علاوہ کوئی نہ ٹھہرا اور یہ بے چارے بزدلوں کی اس
 میل ٹرین کو بھلا کس طرح روکتے جو بغیر سگنل کے اسٹیشن چھوڑ چکی تھی اور
 ٹیزل انجن (خالد) کی بدولت برقی رفتار سے بزدلی کی پٹری پر دوڑ رہی
 تھی البتہ جو مسلمان آخری بوگی کے پیچھے لٹکے ہوئے تھے ان میں سے کچھ
 رسولؐ کی آواز پر کود کر واپس آ گئے اور انھوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ
 مل کر اس ہارتی ہوئی جنگ کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرنے میں نمایاں
 کردار بھی ادا کیا۔

یہ مشہور و معروف اسلامی معرکے ہیں جن کا مفصل تذکرہ تاریخوں میں
 موجود ہے اور ان معرکوں میں پیغمبر اسلامؐ خود بہ نفس نفیس شریک ہے۔
 پہلی جنگ بدر کی ہے، جس سے حضرت عمرؓ کا فرار ثابت نہیں ہے صرف
 رسول اکرمؐ کی رائے سے اختلاف اور عدم کارگزاری کی وجہ یہ ہے کہ
 اس جنگ میں آپؐ کے ماموں ابو جہل صاحب کفار مکہ کے ساتھ آنحضرتؐ
 سے لڑنے آئے تھے اور آپؐ (عمرؓ) ماموں کے خلاف میدان میں نکل کر

۱۔ بیعت رضوان والوں سے مراد ہے۔

یہ ہے کہ نہ آپ افضل تھے نہ شجاع تھے نہ بہادر تھے اور نہ دلیر تھے۔
البتہ آپ کی کسی اہم اور ممتاز شجاعانہ کارگزاری پر اگر کسی محقق کی نظر
مركز ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ جب محمد بن عبداللہ (رسول اکرمؐ) نے
خدائی دین (اسلام) کی تبلیغی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسے عوام
میں روشناس کرانا چاہا اور آپ کو اس امر کا پتہ چلا تو غیظ و غضب کے
بخار نے آپ کو اس طرح جکڑا کہ آپ ہوش و حواس سے محروم ہو کر
مسلل چھ برس تک اس بیماری میں مبتلا رہے اور آخر کار ایک دن
آپ پر کچھ ایسی جنونی کیفیت طاری ہوئی کہ رسول اللہ کا قصہ تمام کرنے
شمیر بدست گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن چونکہ خدا، رسولؐ کے تحفظ
کا ضامن تھا، اس لیے آپ کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔

دوسری شجاعانہ کارگزاری یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے طوائف خانہ
کعبہ کے بعد ہزاروں کفار و مشرکین کی موجودگی میں علانیہ طور پر مکہ سے
مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی جبکہ کفار قریش کی عداوت و ریشہ دوانیوں
نے رسولؐ کو خفیہ طور پر مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔
یقیناً اسلام دشمن، جاہل اور خونخوار عربوں کی موجودگی میں کسی ایسے
شخص کا جو (بظاہر) مسلمان ہو، علانیہ سفر، ہجرت اختیار کرنا بڑے دل
گردے کا کام تھا جبکہ رسول اللہؐ کی ہجرت کا محتاط طور و طریقہ بھی اس کے
سامنے تھا۔

میرے خیال میں آپ کا یہ اقدام ایک نادر اور مثالی شجاعت کا

لے رسول اللہؐ نے کفار قریش سے خوفزدہ ہو کر ہجرت نہیں فرمائی بلکہ آپ کے لیے خدا کا حکم تھا۔

خیبر کی جنگ میں بھی نامردی کا تاج فوج والوں نے آپ کے سر رکھا
اور حنین میں بھی آپ کا فرار ثابت ہے جو آپ کی بزدلی اور نامردی کی
کھلی ہوئی دلیل ہے لیکن افسوس اور تعجب تو اس بات کا ہے کہ عمر نواز حسینؑ
نے تاریخ کے دامن کو حضرت عمرؓ کے جنگی کارناموں سے بھر دیا ہے جبکہ
عہد رسالت کے دامن پر آپ کی جنگی کارگزاری کا کوئی نقش نہیں ملتا۔
بلکہ اس کے برعکس آپ ہر میدان سے بھاگتے نظر آتے ہیں۔

آپ کے پر تشدد اور استبدادی دور حکومت میں اسلام کے نام پر
ملک گیری کی ہوس نے جن فتوحات کا سہرا آپ کے سر باندھا ہے، اس میں
بھی آپ کی سیاسی بازی گرمی اور شاطرانہ چالوں کے علاوہ ذاتی شجاعت
کا کہیں سے کوئی دخل نہیں ہے اور نہ سیرت رسولؐ پر عمل پیرا ہو کر آپ
کسی جنگی محاذ پر گئے۔ حقیقتاً یہ کارنامہ ان نمک خوار، وفادار اور زموڈ
کار کمانڈروں اور جرنیلوں کا ہے جو جاہل، فاقہ کش اور ننگے بھوکے عربوں
کو لے کر مال غنیمت کے لیے کسریٰ و روم کی حکومتوں پر ٹوٹ پڑے اور
انھوں نے ایرانیوں و رومیوں سے (بزدل شمشیر) بہت سے ملک چھین کر
آپ کے نامہ اعمال میں لکھ دیا۔ حکومت کے استحکام اور سازگار حالات
کو دیکھتے ہوئے ابو بکرؓ کے بعد آپ کی جگہ اگر مٹی کا خلیفہ بھی ہوتا تو یہی
سہرا اس کے سر جاتا۔

ان تمام حقائق و شواہد کے باوجود اپنی ہیٹ دھری یا ناواقفیت
کی بنا پر موضوعہ روایات کے تحت مسلمانوں کا ایک فرقہ حضرت عمرؓ کو تمام
صحابہ بلکہ بعض امور میں رسولؐ سے افضل سمجھتا ہے اور تمام شجاعانہ
عرب کی شجاعتوں پر آپ کی شجاعت کو فوقیت دیتا ہے جبکہ حقیقت

عمری تشدد

تشدد چوں کہ حضرت عمر کی فطرت میں داخل تھا، اس لیے آپ نے اپنے پر تشدد طرز عمل کو کفار کے علاوہ دوست، احباب، بہن، بیٹے، اہل خاندان نیز دیگر مسلمانوں اور خصوصی طور پر اہل بیت اطہار پر مرتے دم تک جاری رکھا۔ آپ کے تشدد کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

ابو ہریرہ پر تشدد

۱۔ ۳۲ھ میں عمر نے ابو ہریرہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا، پھر ان پر چوری کا الزام عائد کر کے سلسلہ میں معزول کر دیا اور ان سے دس ہزار کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا کہ انھوں نے یہ رقم بیت المال سے اڑائی ہے۔

عقد الفرید میں ہے کہ آپ نے ابو ہریرہ کو طلب کیا اور ان سے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس وقت بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا جب تمہارے پیروں میں جوتیاں بھی نہیں تھیں اور اب معلوم ہوا ہے کہ تم نے سولہ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہیں۔ بتاؤ یہ رقم کہاں سے آئی؟

ابو ہریرہ نے جواب دیا کہ کچھ رقم مجھے اپنے جانوروں کی فروخت سے دستیاب ہوئی اور کچھ مسلمانوں کا عطیہ تھی جس سے میں نے گھوڑے خرید لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رقم استعمال کرنے کا حق تمہیں نہیں تھا لہذا واپس کرو۔ ابو ہریرہ نے کہا کہ میری ذاتی رقم سے آپ کا کیا

نمونہ اس وقت تصور کیا جاتا جب آپ کے ماموں ابو جہل صاحب آپ کو امان دینا نہ دے چکے ہوتے، بھلا ماموں جان کی اس امن و پناہ کے سامنے کس کی مجال تھی جو آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔ لہذا ماموں کی دھماک کی بدولت آپ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور وہاں سے فرار ہو لیے۔ چنانچہ آپ کی یہ علانیہ ہجرت ابو جہل کے رحم و کرم کا نتیجہ تھی جس کی واضح دلیل یہ پیش کی جاسکتی ہے کہ جب پیغمبر اسلام نے آپ کو صلح حدیبیہ سے قبل کفار قریش سے باہمی گفتگو کے لیے مکر بھیجا چاہا تو آپ نے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ کفار مجھے اب زندہ نہ چھوڑیں گے۔ یقیناً یہ جملہ آپ کا اس مجبوری کے تحت تھا اس لیے کہ بدر کی لڑائی میں آپ کے ماموں جان (ابو جہل) فی النار ہو چکے تھے لہذا آپ کو کون بچاتا؟ مختصر یہ کہ آپ (عمر) آنحضرت کی زندگی میں ان کے قتل پر آمادہ رہے، اسلامی جنگوں سے فرار اختیار کرتے رہے، احکام رسالت کی نافرمانیوں کے مرتکب ہوتے رہے اور خدا کے رسول کو اس کی زندگی کے آخری لمحات میں (معاذ اللہ) ہڈیاں گو قرار دے کر ایک ایسا نوشتہ لکھنے سے باز رکھا جو قیامت تک مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ رکھتا۔ اور پھر بعد وفات پیغمبر آپ نے اپنے ہی بیٹی کی بیٹی (فاطمہ) کے گھر میں آگ لگا کر شجاعت کا وہ کارنامہ انجام دے دیا جس سے تمام عالم انساں لرز اٹھا۔ اب اس کے بعد بھی اگر مسلمان آپ کی افضلیت و شجاعت کا معترف ہے تو ہوا کرے، حشر میں انجام خود سامنے آجائے گا۔ ہم کسی کو منع کیوں کریں؟ بہر حال ہمارا سرتوان عمری کارناموں پر ندامت و شرمندگی سے جھک جاتا ہے۔

فروخت اور عطیہ کی رقم سے کچھ گھوڑے خرید لیے تھے جسے عمری فطرت برداشت نہیں کر سکی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے اندر سرزنش کا یہی جذبہ اس وقت کیوں نہ بیدار ہوا جب آپ شام تشریف لے گئے تو وہاں معاویہ کے شاہانہ ٹھاٹ باٹ اور طور طریقوں کے بارے میں سوال کیوں نہیں کیا؟ اسے سرزا کا مستحق کیوں نہیں قرار دیا؟ صرف اس طنز پر کیوں اکتفا کیا کہ ہذا الکسری العرب یعنی ”یہ تو عرب کا بادشاہ ہے؟“ آخر وہ بھی تو حکومت کی طرف سے گورنر کے عہدے پر مامور تھا؟ شاید اس لیے کہ شام میں معاویہ بحیثیت گورنر، مستقل، مضبوط اور مستحکم ہو چکا تھا، لہذا آپ کی زبان نہ کھل سکی کیونکہ وہ آپ کے وجود پر بھاری پڑ جاتا۔ اس کے برعکس ابوہریرہ کی کھال آپ نے اس لیے ادھیڑ دی کہ وہ ایک کمزور شخص تھا۔

دوسری روایت یہ بتاتی ہے کہ آپ نے ابوہریرہ کی بٹائی بھی کی اور رسول اکرم کو اس امر کی تنبیہ بھی کی کہ آپ کا یہ اعلان کہ ”جو شخص اللہ کی بارگاہ میں با ایمان جائے گا اسے جنت عطا کی جائے گی“ خلاف مصلحت ہے۔ اس سے واضح ہے کہ آپ اپنی رائے کو رسول اکرم کی رائے پر مسلط کر دیا کرتے تھے۔ لیکن رسول چونکہ خلق عظیم کے مالک تھے اس لیے اس بے ادبی اور تحقیر کو نظر انداز کر گئے جس کا فطری اثر یہ ہوا کہ یہ واقعہ عام یہ ہو کر عقبہ بن مالک، معاذ، عبادہ اور عثمان وغیرہم تک پہنچا اور تمام مسلمانوں نے اس اعلان کو جو پیغمبر چاہتے تھے قبول کر لیا اور آج بھی۔ اس پر عمل پیرا ہیں۔

تعلق ہے اور آپ اسے مانگنے والے کون ہوتے ہیں؟ یہ سن کر آپ (غصہ سے) بے قابو ہو گئے اور ابوہریرہ پر وہ تازیانہ رسید کیا کہ کھال تک ادھیڑ گئی اور صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے انھیں ماں کی گالی سے بھی سرفراز کیا۔

۲۔ پیغمبر اسلام نے ابوہریرہ کو اس اعلان کے لیے مامور فرمایا کہ ”اللہ کی بارگاہ میں جو شخص با ایمان جائے گا اسے جنت عطا کی جائے گی“ ابوہریرہ رسول کے حکم پر اس بشارتی اعلان کے لیے نکلے۔ راستہ میں عمر سے ٹدھ بیٹھ ہو گئی۔ آپ نے پوچھا، ابوہریرہ کہاں چلے؟ ابوہریرہ نے مقصد بتایا۔ سنتے ہی آپ پر جنون طاری ہوا اور آپ نے ابوہریرہ کے ساتھ وہ کیا کہ آپ زمین پر اٹ گئے اور روتے پیٹتے رسول کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مرمت کی روداد بیان کی۔ اتنے میں عمر بھی وہاں پہنچ گئے پیغمبر نے مواخذہ کیا تو ترپ کر بولے کہ ایسے اعلان سے کیا فائدہ کہ امت عمل کو ترک کر کے صرف عقیدہ اور ایمان پر جنت وصول کرنے لگے چنانچہ رسول اکرم نے اس مشورہ کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے اعلان کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔

پہلی روایت عمری دور حکومت کی ہے اور دوسری روایت کا تعلق دور رسالت سے ہے۔ لیکن ان دونوں روایتوں میں بے چارہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا ابوہریرہ، حضرت عمر کے جارحانہ اقدام کا شکار نظر آتا ہے۔ پہلی روایت میں اس کا جرم یہ ہے کہ اس نے اپنے جانوروں کی

دیا۔ خالد نے جواب میں بتایا کہ یہ سب اس کا ذاتی مال ہے۔ یہ سن کر ابو عبیدہ نے اس کی ٹوپی واپس کر دی، پیر کھول دیے اور اس کا احترام بھی کیا لیکن اس کی معزولی کا حکم نہیں سنایا۔ وہ چند روز تک اپنے باپ کے میں متحیر رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر کا یہ حکم پہنچا کہ تم معزول کر دیے گئے ہو، لہذا وہاں سے ہٹ جاؤ۔

قانون کی اصطلاحی زبان میں دو مختلف شکلوں کا نام ”مجرم“ اور ”ملزم“ ہے۔ مجرم اسے کہتے ہیں جو حقیقتاً کسی جرم کا مرتکب ہوا ہو اور وہ جرم اس کے بیان یا مستند گواہوں کی گواہی سے ثابت بھی ہو جائے۔ بصورت دیگر ملزم وہ ہوتا ہے جس پر محض الزام عائد کیا گیا ہو۔ ملزم اس وقت تک سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس پر عاید شدہ الزام اپنے محکم اور ٹھوس ثبوت کی بنیاد پر اسے مجرم تسلیم کرنے پر مجبور نہ کر دے۔

اصولی حیثیت سے عمری تشدد کا یہ واقعہ عمر کے عادلانہ طور پر فیصلوں کی نفی کرتا ہے اور موصوف کے منصفانہ فقدان کا مظہر ہے۔ کیونکہ آپ نے کسی ثبوت یا تفتیش کے بغیر محض خبر کی بنیاد پر خالد کو اپنے غیر آئینی تشدد کا نشانہ بنایا ہے کہ اس نے دس ہزار کی رقم اشعث کو دے دی، جبکہ خالد کا کہنا ہے کہ وہ اس کا ذاتی مال تھا۔ اور خالد کے اس بیان پر ابو عبیدہ نے اسے آزاد بھی کر دیا اور معزولی کا حکم بھی سننے سے گریز کیا کیونکہ ان کی نظر میں خالد مجرم نہیں تھا۔

ظاہر ہے کہ اپنے ذاتی مال میں سے کوئی شخص کسی شخص کی ضرورت کے تحت کسی شکل میں اگر کوئی رقم اسے دے دے تو اس کا شمار اسے

سعد بن ابی وقاص پر تشدد

سعد کو عمر نے شام کا حاکم مقرر کیا۔ پھر ایک دن نہ جانے کون سی رگ پھڑکی کہ آپ نے محمد بن مسلمہ کو یہ حکم جاری کیا کہ سعد کو گرفتار کر کے اس کے گھر میں آگ لگا دو۔ ابن مسلمہ نے اس قہری حکم پر عملدرآمد کرنا چاہا تو سعد نے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ یہ حضرت عمر کی احتیاط و دانشمندی کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہوا کہ عمری احتیاط و دانشمندی کا ما حاصل آگ زنی ہے۔ اس کے سیاق و سباق پر قارئین کو رام خود غور فرمائیں۔

خالد بن ولید پر تشدد

اس واقعہ کو علامہ عبدالحسین شرف الدین نے اپنی کتاب نص اجتہاد (مترجمہ علامہ ذیشان حیدر جواد) کے صفحہ ۱۹۴ و ۱۹۵ پر عبقریتہ عمر عقاد صفحہ ۲۲۵ کے حوالے سے یوں تحریر فرمایا ہے:

”جس زمانہ میں خالد قنسرین کا حاکم تھا۔ اشعث بن قیس نے اس سے کچھ رقم کا مطالبہ کیا۔ اس نے دس ہزار کی اجازت دے دی۔ عمر کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ابو عبیدہ حاکم محض کو لکھا کہ خالد کو معزول کر دو اور اسے ایک پیر پر کھڑا کر کے مجمع عام میں اس رقم کے بارے میں سوال کرو۔ اگر یہ رقم اس نے اپنے پاس سے دی ہے تو اسراف کیا ہے اور اگر بیت المال سے دی ہے تو خیانت کا مجرم ہے اور دونوں ہی صورتوں میں مستحق عتاب ہے۔ ابو عبیدہ نے خالد کو بلا کر مسجد میں یہ عمل انجام

میں ہوگا اور نہ دینے والا شخص قانون کی نگاہ میں کسی سزا کا مستحق قرار پائے گا۔

عمر نے خالد پر بھوٹا الزام عائد کر کے اسے معزول و ذلیل اور رسوا کرنے کا جو بہانہ تلاش کیا ہے اس کی تہ میں ایک بہت بڑا راز مضمر ہے اور وہ یہ کہ خالد نے بچپن میں عمر کی ایک ٹانگ توڑ ڈالی تھی۔

یہ دل چسپ واقعہ تاریخ میں یوں مرقوم ہے کہ خالد اور عمر جو آپس میں خالہ زاد بھائی تھے، بچپن میں ایک دن کسی بات پر لڑ پڑے۔ خالد نے عمر کو پٹک کر نہ جانے کون سا داؤں استعمال کیا کہ موصوف کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ بعد میں وہ جڑ تو گئی مگر زندگی بھر کے لیے آپ کو عیبی بنا گئی۔ یہی وجہ ہے کہ عمری سیرت نگاروں نے آپ کو معقل تحریر کیا ہے یعنی جب آپ چلتے تھے تو دونوں ایڑیاں باہم مل جاتی تھیں اور ایسا لگتا تھا کہ جیسے دونوں پیر بندھے ہوں۔ چنانچہ آپ کو اپنے اس عیبی پن کا احساس اس قدر شدید تھا کہ جب آپ خلیفہ بن گئے تو سب سے پہلے خالد کو یہ کہہ کر معزول کر دیا کہ: ”خالد میری زندگی میں کسی عہدہ پر نہیں رہ سکتے“ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کی یہ کارروائی انتقامی جذبے کے تحت تھی۔

نضر بن حجاج پر تشدد

عبداللہ برید سے مروی ہے کہ حسب عادت ایک رات عمر مدینہ

لے سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۱۹۸

کی گلیوں اور کوچوں میں گشت فرما رہے تھے کہ ایک گھر سے کسی مغنیہ کی آواز سنائی دی جو اضطراب و بے چینی کے ساز پر، پردہ دلچسپی میں اس مفہوم کا ایک شعر گنگنا رہی تھی کہ ”کاش اس وقت نضر بن حجاج مجھے مل جاتا یا پھر تھوڑی سی شراب مل جاتی“

آپ نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ پھر صبح ہوتے ہی نضر کو طلب کیا۔ وہ ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ فرمایا اس کے بال اس کے سر پر الٹ دیے جائیں۔ اس عمل سے پیشانی کھلی تو چہرہ اور بھی نکھر گیا۔ پھر فرمایا کہ اس کے سر پر عمامہ رکھا جائے۔ عمامہ رکھا گیا تو وجاہت اور بڑھ گئی۔

نضر کا یہ حسن و جمال دیکھ کر آپ آگ بگولا ہو گئے۔ غیظ و غضب کی سرخی نے آنکھوں کو انگارہ بنا دیا۔ فرمایا کہ اسی حسن پر تو عورتیں جان دیتی ہیں، میں تجھے اس شہر میں رہنے ہی نہ دوں گا۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے تحت آپ نے نضر کو جلاوطن کر کے بصرہ بھیج دیا اور پھر اس وقت تک مدینہ کی سکونت سے محروم رہا جب تک کہ آپ اس دنیا سے کوچ نہیں کر گئے۔

حضرت عمر کا اس مغنیہ سے کیا تعلق تھا، نہیں معلوم۔ لیکن آپ کا یہ رقیبانہ اقدام غور و فکر کی دعوت ضرور دیتا ہے۔

ابو شحمہ پر تشدد

عرب کے مشہور و معروف طوائف نابغہ کے حرامی بیٹے عمرو بن العاص

لے شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۹۹

شرعی حد کا خاتمہ کر چکا تھا۔ پھر ابو شحمہ نے اپنے باپ سے بیماری کا عذر بھی کیا تھا تو کیا اسلامی شریعت کے تحت کسی بیمار پر حد جاری ہو سکتی ہے؟ کیا حد کے بعد انسان پر قید کی سختیاں مسلط کی جاسکتی ہیں؟ اگر نہیں۔ تو کیا عمر کا یہ جارحانہ اقدام قابل ستائش ہے؟

احکامات الہیہ کے بارے میں اگر عمر و عاص قابل اعتماد تھا تو دوبارہ آپ نے حد جاری کرنے کی زحمت کیوں فرمائی؟ اور اگر عمر و عاص کا یہ اقدام شرعی اعتبار سے درست نہیں تھا تو ایسے شخص کو آپ نے مسلمانوں پر حاکم کیوں بنایا؟

یہ وہ واقعات ہیں جو اہل سنت کی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں اور جنہیں بڑھنے کے بعد غیرت کی پیشانی پر ندامت کا پسینہ آجاتا ہے۔

جبلہ بن ایہم پر تشدد

جبلہ بن ایہم کی قیادت میں قبیلہ ”عک“ و ”جفہ“ کے ۵۰۰ افراد سبک رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت عمر کے پاس اس شان سے آئے کہ ان کے گھوڑوں پر زربفت کے زین کسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے خلوص دل سے اسلام قبول کیا اور اسی سال حج بیت اللہ کے لیے بھی گئے۔ طواف کے دوران کسی دوسرے قبیلہ کے کسی شخص کا پیر جبلہ کی زمیں بوس چادر یا تہ بند پر پڑ گیا اور وہ کھل گئی۔ جبلہ نے برہنہ حالت میں ایک ملا پنچہ اس شخص کے منہ پر مار دیا۔ اس نے حضرت عمر سے جو وہاں موجود تھے شکایت کی۔ آپ نے وجہ دریافت کیے بغیر جبلہ کے خلاف تشدد سے کام لیا اور یہ فیصلہ بھی صادر فرما دیا کہ جبلہ یا تو اس شخص کو

کے حلقہ اقدار میں حضرت عمر کے صاحبزادے ابو شحمہ نے ایک دن شراب پی۔ عمر و عاص نے اس کا سر منڈوا کر عبداللہ بن عمر کے سامنے اس پر شرعی حد جاری کرائی اور تازیانوں سے جسم کی کھال ادھیڑ کر اسے عمر کی خدمت میں اس خط کے ساتھ روانہ کیا کہ ”میں نے ابو شحمہ پر تمام شرائط اسلامی کے ساتھ بلا رعایت حد جاری کر دی ہے اور اب حسب الحکم آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں“

عبداللہ بن عمر بھائی کو زخمی حالت میں لے کر باپ کے پاس پہنچے۔ شفقت پدری کا تقاضہ تھا کہ آپ ابو شحمہ کو سمجھاتے بجاتے، تسلی دیتے اور غیر شرعی اقدام سے آئندہ باز رہنے کی نصیحت فرماتے، حد جاری کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا اس لیے کہ وہ پہلے ہی عمر و عاص کے ہاتھوں جاری ہو چکی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ نہیں ہوا بلکہ آپ ابو شحمہ کو دیکھتے ہی جنوں میں مبتلا ہو گئے، تازیانہ اٹھایا اور تیزی سے شروع ہو گئے۔ ابو شحمہ نے فریاد بھی کی کہ ابا جان! میں بیمار ہوں، مرجاؤں گا۔ لیکن آپ نے ایک نہ سنی اور از سر نو دوبارہ حد جاری کر کے قید خانہ میں ڈال دیا جہاں ابو شحمہ نے دم توڑ دیا۔

یہ واقعہ اس وقت اور زیادہ عبرت انگیز اور افسوس ناک ہو جاتا ہے جب تاریخ یہ بتاتی ہے کہ حضرت عمر خود بھی شراب کے بے حد شوقین تھے۔ مسلمان خود انصاف کریں کہ ایک شرابی باپ کا اپنے شرابی بیٹے پر شراب نوشی کے الزام میں حد جاری کرنا کہاں تک درست ہے جبکہ عمر و عاص اس کے

کل (بہ ہنگام سقیفہ) جو کچھ تم لوگوں سے کہا تھا وہ نہ تو کتابِ خدا میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ نے اس کے متعلق کوئی وصیت کی تھی نہ کوئی خاص حکم تھا لہذا اب اگر کوئی ایسا کرے تو اسے قتل کر دو۔

یہ وہ تقریر ہے جو کتابی حوالوں کی محتاج نہیں ہے، اسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔ اس تقریر سے نہ صرف حضرت عمر کا جھوٹ ثابت ہے بلکہ یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر کا انتخاب نہ تو قرآن کے مطابق تھا اور نہ ہی اس کے لیے رسول اکرم کی کوئی وصیت تھی کہ جس کے تحت ابوبکر خلافت کے حقدار قرار پاتے۔

حضرت عمر کی نظر میں یہ معاملہ انتہائی سنگین اور واجب القتل تھا لیکن چونکہ اس سے ابوبکر کی ذات وابستہ تھی اور انھیں خلیفہ بنانے والے آپ ہی تھے اس لیے بر بنائے مصلحت آپ اسے ٹال گئے اور آئندہ کے لیے سقیفہ کے طریقہ انتخاب پر یہ کہہ کر پابندی عاید کر دی کہ اب اگر کوئی ایسا کرے تو اسے قتل کر دو۔ کیونکہ باہمی معاہدے کے تحت آپ کو یہ معلوم تھا کہ ابوبکر اپنے بعد خلافت کو نامزدگی کے ذریعہ ان کی طرف منتقل کر دیں گے۔ اور یہی ہوا۔

عمری تجسس

ایک رات حضرت عمر شب گشت پر نکلے اور دیکھا کہ ایک گھر سے گانے بجانے کی آوازیں آرہی ہیں۔ آپ دیوار بھانڈ کر اندر گھس گئے۔ وہاں ایک عورت کچھ لوگ اور شراب کا چلتا ہوا دور آپ کو نظر آیا۔ آپ نے اپنی کراخت آواز میں تنبیہ شروع کر دی اور فرمایا کہ کیا تم

رضا مند کر لے یا پھر قصاص کے معاملے میں آپ نے وہ شدت اختیار کی کہ جیلہ اور اس کے تمام ساتھی راتوں رات وہاں سے فرار ہو لیے اور بھاگ کر قسطنطنیہ "بہر قتل" کی پناہ میں چلے گئے اور اسلام سے دست بردار ہو کر مرتد ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام نے اسلام کی تبلیغ، اشاعت اور دعوت کے سلسلے میں جس حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا یا جو صعوبتیں برداشت کیں وہ دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اب مسلمان خود فیصلہ کرے کہ کیا نو مسلموں پر حضرت عمر کا یہ تشدد مناسب تھا کہ جس کے سبب سے ایک کثیر تعداد اسلام سے مشرف ہونے کے بعد پھر مرتد ہو جائے اور آپ کے کان پر جوں تک نہ ریگے؟ مگر عمر کو اسلام کی پروا کب تھی؟ اور اگر اسلام کی وسعت کی فکر ہوتی تو وہ ایسا اقدام ہی کیوں کرتے؟ ایسے اسلام دشمن خلیفہ کی قربت سے دوری اور برأت کہیں بہتر ہے۔

عمری جھوٹ

حضرت عمر کی فطرت میں جھوٹ بھی داخل تھا اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سقیفہ کے دوسرے دن جب مسلمانوں کا اجماع مسجد نبوی میں ہوا اور بحیثیت خلیفہ ابوبکر نے مجمع کو خطاب کرنا چاہا تو ان سے پہلے آپ نے کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ:

"ایہا الناس! میں نے ابوبکر کی بیعت کے بارے میں

لہ طریق الحکمت ص ۱۶

دیکھا کہ دروازہ کھلا ہے اور اس صحابی کی عورت کسی برتن میں کچھ انڈیل رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں چیزوں نے تو اسے حاضری سے غافل کر دیا ہے۔ ابن عوف نے کہا کہ آپ کو کیا معلوم کہ کیا شے ہے؟ آپ نے فرمایا تو کیا میں نے تجسس کیا ہے؟ ابن عوف نے کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا تو پھر واپس چلو اور اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

مسور بن مخزوم۔ ابن عوف سے مروی ہیں کہ ایک رات عمر شہ گم دی پر نکلے تو ایک گھر سے کچھ آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ربیعہ بن امیہ کا مکان ہے اور یہ سب شراب نوشی میں مصروف ہیں۔ ابن عوف نے کہا یہ عمل بھی آپ کا تجسس ہے۔ فرمایا تو پھر واپس چلو۔

ابو قلابہ کا بیان ہے کہ حضرت عمر کو یہ اطلاع ملی کہ ابو محجن اپنے گھر میں شراب پی رہا ہے۔ آپ وہاں پہنچے۔ قبل اس کے کہ آپ کچھ کہیں اس نے اعتراض کیا کہ جناب کا یہ تجسس کیسا؟ آپ نے زید بن ثابت اور عبدالرحمن بن ارقم سے اس واقعہ کی صحت کی تصدیق بھی کر لی۔ لیکن اس کے باوجود پلٹ آئے۔

مذکورہ روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عورت، شراب اور شہابیوں کے لیے آپ اپنے دل میں انتہائی نرم گوشہ رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی نظر میں حاکم کا قصور، مجرم کو اس کے جرم سے بری کر دیتا تھا۔

لہ کنز العمال ج ۲۶ حدیث نمبر ۳۶۹ ص ۲۶۹ کنز العمال ج ۲ ص ۱۴۱

لوگوں کو نہیں معلوم کہ یہ کام شریعت کے خلاف ہے؟ عورت نے بڑھ کر جواب دیا کہ ہم جاہل عوام کچھ کریں۔ لیکن خلیفہ ہوتے ہوئے بھی آپ نے اس وقت تین گناہ ایک ساتھ کیے ہیں۔ اول یہ کہ دروازے سے آنے کے بجائے دیوار پھاند کر آئے، دوسرے یہ کہ بغیر اجازت مکان میں داخل ہوئے، تیسرے یہ کہ آپ نے تجسس فرمایا۔ یہ سننا تھا کہ آپ اپنے ماتھے سے ندامت کا پسینہ پونچھتے ہوئے واپس آ گئے۔ مصری مورخ محمد حسین ہیکل کا کہنا ہے کہ آپ خود بھی غنا اور سماع کے بڑے شوقین تھے یہ علامہ شبلی نے بھی اس بات کی تائید کی ہے۔ (الفاروق) ۲۹ ص ۲۶۷

سدی سے روایت ہے کہ آپ ابن مسعود کے ساتھ رات میں گشت پر نکلے تو ایک جگہ سے روشنی نظر آئی آپ کچھ دور چل کر ایک مکان میں گھس گئے۔ معلوم ہوا کہ ایک چراغ کے زیر سایہ ایک بوڑھا شخص اور ایک عورت ہے اور شراب کا دور چل رہا ہے۔ ابھی وہ شخص آپ کی طرف متوجہ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ آپ نے ڈانٹ پھٹکار شروع کر دی۔ اس نے کہا کہ آپ کے لیے تجسس کب جائز تھا؟ کہ بغیر اجازت گھر کے اندر گھس آئے۔ یہ سننا تھا کہ آپ شرمندہ ہو کر روتے پیتے گھر سے نکل آئے۔

شعبی کا بیان ہے کہ ایک دن عمر نے اپنے ایک صحابی کو اپنی محفل میں نہیں دیکھا تو ابن عوف سے کہا کہ چلو اس کے گھر چلیں اور وجہ معلوم کریں کہ وہ کیوں نہیں آیا؟ عمر اور ابن عوف جب وہاں پہنچے تو کیا دیکھا

لہ الفاروق ص ۱۲۲ کنز العمال ج ۲ ص ۱۶۷ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۹۶ الفاروق عظم ص ۶۵۷، ۶۵۸ کنز العمال ج ۲ ص ۱۴۱

آپ کے اولیات میں شامل کیا جانا چاہیے کہ آپ نے نہ صرف سرمہ دانی اور سلائی کی شرط رکھ کر مغیرہ کو اس کے جرم سے بری کر دیا بلکہ اس کے ہاتھ سے گواہوں کی پٹائی بھی کرائی جس میں تازیانوں کی ضرب سے ابوبکر سب سے زیادہ زخمی ہوئے۔

جو چاہے کرے

ایک عورت نے عمر سے شکایت کی کہ اس کا شوہر رات بھر عبادت کرتا ہے اور دن بھر روزہ رکھتا ہے۔ میری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اس پر عمر نے کہا کہ یہ تو بڑی ہی اچھی بات ہے۔ اتفاق سے کعب بن سوار بھی وہاں موجود تھے انھوں نے کہا: یہ عورت اپنے شوہر کی تعریف کرنے نہیں آئی بلکہ شکایت کرنے آئی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مجامعت نہیں کرتا۔ آپ نے کعب سے فرمایا کہ اچھا! تم خوب سمجھے، بات یہی معلوم ہوتی ہے، اب تم ہی اس کا فیصلہ بھی کر دو۔ کعب نے کہا: اس عورت کے شوہر کو چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہیے، اس طرح ہر چوتھا دن اور ہر چوتھی رات اس عورت کو ملے گی باقی دنوں اور راتوں میں اس کا شوہر جو چاہے کرے۔

کعب کے اس انوکھے فیصلے سے عمری قوت فیصلہ کا پتہ چلتا ہے۔

حفصہ کی پیش کش

شرفاء کا دستور ہے کہ وہ اپنی لڑکیوں کی شادیوں کے پیغامات خود

لے تاریخ الخلفاء ص ۹۲

سرمہ دانی میں سلائی

عمری عدالت میں مغیرہ بن شعبہ پر قبیلہ عامر بن صعصعہ کی ایک بدکردار عورت ام جمیل بنت ارقم کے ساتھ زنا کاری کے جرم میں مقدمہ دائر ہوا۔ اور ابوبکر، مشعل بن بکلی، نافع بن کلدہ نیز زیاد نے اس امر کی چشم دید گواہیاں دیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس فعل کو سرزد ہوتے دیکھا ہے۔ زیاد نے تو یہاں تک کہا کہ میں نے مغیرہ کو ام جمیل کی ٹانگوں کے درمیان دیکھا ہے جس کے پاؤں حنا آلود تھے اور سرین کھلے تھے۔ مغیرہ تیزی سے حرکت میں تھے اور سانسوں کی آواز زور زور سے آرہی تھیں۔ لیکن حضرت عمر نے یہ کہہ کر ان گواہوں کے بیانات کو مسترد کر دیا کہ ”خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ مانوں گا جب تک تم لوگ یہ نہ کہو گے کہ ہم نے کو میں جاتے اس طرح دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی جاتی ہے“

قرآن میں زنا کار مرد اور عورت دونوں کی ”حد“ معین ہے اور اس کے ساتھ ہی چار عادل گواہوں کی شرط بھی ہے۔ مگر یہ شرط کہیں نہیں ہے کہ گواہ اس طرح گواہی دے جس طرح حضرت عمر نے فرمایا ہے۔ جبکہ دور رسالت میں بھی کچھ صحابہ زنا کے مرتکب ہوئے اور ان پر حد جاری کرنے کے لیے گواہ بھی طلب کیے مگر آپ نے ”سرمہ دانی اور سلائی والی شرط نہیں رکھی، صرف معتبر اور عادل گواہوں کے چشم دید بیانات پر اعتماد و اکتفا کر کے حد جاری کر دی۔

حضرت عمر کے تجویز کہ وہ اس تعجب خیز نصاب شہادت کو

ہو کر مدینہ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے حفصہ کو ابو بکر کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے کسی بات کا جواب نہیں دیا، پھر آپ نے موصوفہ کو عثمان کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت رسول خدا سے اس کی شکایت کی اور کہا: یا رسول اللہ! میں نے حفصہ کو پیش کیا تو انھوں نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔

حضرت رسول خدا صلعم چونکہ کریم النفس تھے اس لیے آپ سے عمرؓ کی یہ بے بسی اور بے چارگی نہیں دکھی گئی اور آپ نے حفصہ کو بجات مجبوری اپنے لیے قبول کر لیا۔

تین چار ماہ میں

علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ حسب دستور ایک رات حضرت عمرؓ مدینہ کی گلیوں کا گشت کر رہے تھے۔ اسی دوران آپ نے سنا کہ کوئی عورت گھر کا دروازہ بند کیے ہوئے بڑے پردہ دلچہ میں چند اشعار پڑھ رہی ہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ میں بھی جوان ہوں، رات بھی جوان ہے اور آسمان پر ستارے بھی چمک رہے ہیں، مگر کوئی ایسا نہیں ہے جو میری پیاس بجھاتا۔ واللہ اگر میرے دل میں خدا کا خوف نہ ہوتا تو (اس وقت) میرے پلنگ کی چولیں ہل رہی ہوتیں۔ میرا شوہر بڑا کریم النفس شریف اور برتر ہے۔ کوئی دوسرا اس کی سواری پر سوار ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

تاریخ خمیس ۲۶ ص ۴۹

نہیں دیا کرتے بلکہ کوئی درمیانی شخص اس کام کو انجام دیتا ہے یا پھر لڑکی والے لڑکے والوں کی طرف سے پیغام کا انتظار کرتے ہیں۔ عرب کے قدیمی معاشرے میں بھی یہی دستور تھا لیکن حضرت عمرؓ نے اس دستور کو توڑا اور اپنی عمری غیرت کو بالائے طاق رکھ کر اپنی بیٹی حفصہ کو مختلف لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

آپ کی صاحبزادی حفصہ کا پہلا عقد خنیس بن حذافہ سے ہوا تھا، لیکن موصوفہ کی نحوست نے اسے زندہ نہ رکھا۔ انتقال کے بعد عدہ کے دن پورے کیے اور جب عربی آب و ہوا نے چین نہ لینے دیا تو حضرت عمرؓ کو بیٹی کی دوسری شادی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد جب عدہ کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اپنی پارہ جگر کو حضرت ابو بکر کے سامنے پیش کیا مگر انھوں نے سکوت اختیار کیا، پھر رقیہ کے انتقال کے بعد عثمان کے سامنے پیش کیا، انھوں نے انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے اس کا ذکر حضرت رسول خدا صلعم سے کیا۔

علامہ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے بذات خود حضرت عمرؓ سے حفصہ کی خواستگاری نہیں کی بلکہ عمرؓ نے اپنی طرف سے تجویز پیش کر کے اپنی صاحبزادی کو رسول کریم (صلعم) کے سر زبردستی منڈھ دیا۔

علامہ دیار بکری کا کہنا ہے کہ جب رسول اللہ غزوہ بدر سے فارغ

۱۵ اصابہ ج ۸ ص ۵۱

تو مجھے بھی مطلع فرمائیں، یہ زحمت میرے علم میں اضافہ کا سبب ہوگی۔
ابوبکر اور عمر میں کون اسلام کا باپ تھا اور کون ماں؟ روایت میں اس
کی صراحت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں اسلام کے باپ بھی ہوں اور
ماں بھی۔ دوسرا مطلب ”اول“ اور ”دوم“ کے اعتبار سے یہ ہو سکتا ہے
کہ ابوبکر باپ تھے اور عمر ماں۔ مگر کسی طرح نہ مقصود واضح ہوتا ہے اور
نہ ہی تشبیہ سمجھ میں آتی ہے۔ اگر یہ دونوں باپ اور ماں تھے تو کیا اسلام
ان کے باہمی اختلاط سے پیدا ہوا تھا جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام کا پیدا
کرنے والا خدا اور اس کی تبلیغ کرنے والے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم ہیں۔ اور بالفرض محال یہ باور کر لیا جائے کہ ابوبکر اسلام کے باپ
اور عمر اسلام کی ماں ہیں تو بھی دل مطمئن نہیں ہوتا کہ کس حیثیت سے
ابوبکر اسلام کے باپ بن جائیں گے اور کس مناسبت سے عمر کو اسلام
کی ماں سمجھا جائے گا؟ اس طرح تو حضرت عمر کی بڑی توہین ہوتی ہے۔
مگر یہ باور کیے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔

اولاد ایک فتنہ ہے

مولوی وحید الزماں رقم طراز ہیں کہ حضرت عمر نے ایک شخص کو
دیکھا کہ وہ فتنہ و فساد سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ آپ اس سے
فرمانے لگے کہ اے شخص! کیا تو اپنے پروردگار سے چاہتا ہے کہ وہ تجھ
کو مال اور اولاد عطا کر دے، جبکہ مال اور اولاد کو بھی فتنہ کہتے ہیں۔

اشعار سن کر عمر بہت متاثر ہوئے اور گھبرا کر اپنی بیٹی حفصہ کو
طلب کیا۔ فرمایا کہ اے بیٹی! ایک سخت مشکل کا سامنا ہے، جسے تم آسان
کر سکتی ہو۔ بیٹی نے باپ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ آپ نے فرمایا:
یہ بتاؤ کہ عورت کو مرد کی خواہش کتنی مدت میں بے چین اور پریشان
کرتی ہے؟ حفصہ نے شرم سے اپنا منہ پھیر لیا، لیکن عمر نہ مانے
اور وہ جواب کے لیے مسلسل اصرار کرتے رہے۔ بالآخر مجبوراً حفصہ
نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تین چار ماہ میں۔۔۔
دوسرے ہی دن آپ نے یہ شاہی حکم جاری کر دیا کہ کوئی بھی شخص
خواہ وہ میدان جنگ ہی میں کیوں نہ ہو چار ماہ سے زیادہ اپنی بیوی
کو چھوڑ کر غائب نہیں رہ سکتا۔

اس روایت کا مقصد اپنی جگہ کچھ سہی۔ لیکن کیا حضرت عمر کے
علاوہ دنیا کا کوئی غیر مند باپ اپنی بیٹی سے اس قسم کے بے ہودہ
سوالات کر سکتا ہے؟ جبکہ یہ بات دیگر ذرائع سے بھی معلوم کی جاسکتی تھی۔

اسلام کے والدین

علامہ سیوطی نے تحریر کیا ہے کہ: ابواسامہ کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ
جانتے ہو کہ ابوبکر و عمر کون تھے۔ یہ دونوں اسلام کے ماں باپ تھے۔
اس عجیب و غریب اور حیرت انگیز روایت کا مطلب میری سمجھ
میں نہیں آیا۔ اگر قارئین کرام میں سے کوئی صاحب اس کی تہ تک پہنچیں

ظاہر ہے کہ کوئی شخص مال اور اولاد سے پناہ نہیں مانگ سکتا بلکہ فتنہ اور فساد سے پناہ مانگنا ہر امن پسند آدمی کا معمول ہے۔ قرآن مجید بھی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا فرمایا کرتے تھے کہ: پالنے والے تو ہمیں فتنہ نہ قرار دے (پارہ ۲۸، آیت ۷) اس کے علاوہ فتنہ و فساد سے محفوظ رہنے کے بارے میں حدیثیں کثرت سے ہیں۔ مگر حضرت عمر کا یہ عقلی اجتہاد سب سے الگ اور اپنی مثال آپ ہے۔

ایسی عورت ملتی؟

حضرت عمر کے دور حکومت میں ان کے پاس بحرین سے کچھ مشک و عنبر آیا تو آپ نے فرمایا کاش کوئی ایسی عورت ملتی جو اس خوشبو کو تول دیتی تاکہ میں اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیتا۔ یہ سن کر آپ کی اہلیہ عاتکہ نے فرمایا کہ: میں بہت اچھا تولنا جانتی ہوں، کہو تو تم کو بھی تول دوں۔ آپ نے فرمایا، یہ نہیں ہو سکتا۔ بیوی نے پوچھا، کیوں؟ فرمایا، تم چوری سے ڈال لو گی۔ بیوی نے کہا، کس طرح ڈال لوں گی؟ آپ نے اپنی انگلیوں کو اپنے دونوں کانوں میں ڈال کر فرمایا، اس طرح۔ بیوی نے کہا، اچھا میں اس طرح نہیں ڈالوں گی۔ فرمایا، تو پھر کل لو گی۔ بیوی نے کہا، وہ کس طرح؟ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن مروڑتے ہوئے فرمایا، اس طرح۔ اور اس طرح ملنے پر تمہیں دیگر مسلمانوں سے زیادہ حصہ مل جائے گا۔

اس روایت سے یہ بتانا مقصود تھا کہ حضرت عمر کا عدل اتنا ہرگز تھا کہ آپ اپنی بیوی پر بھی بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے انھیں عملی طور پر آگاہ کر دیا کہ تم خوشبو تولتے وقت اس طرح چرالو گی اور آگاہی کا یہ انداز بھی عجیب و غریب تھا، لیکن تعجب تو یہ ہے کہ آپ کی سمجھ میں یہ کیوں نہیں آیا کہ خوشبو جب تولنے والی کے ہاتھوں سے مس ہو گی تو اپنا اثر ضرور چھوڑے گی۔ پھر آپ نے دوسرے کو تولنے کے لیے سوچا ہی کیوں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اس کو تولنے کے لیے آپ نے عورت ہی کا انتخاب کیوں کیا؟ کیا یہ کام کوئی مرد نہیں کر سکتا تھا؟ تیسرا امر یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی ہی سے اگر اپنی نگرانی میں تولوا لیتے تو پھر چوری کا کیا سوال؟ جب وہ کھجلائے یا کسی اور بہانے سے اپنی کوئی انگلی جسم کے کسی مقام پر ملے جاتیں تو ان کا ہاتھ پکڑ لیتے، کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ تم اسے تولو، اور لاؤ میں کھجلاؤ دیتا ہوں۔

بیت المال کا مال

حضرت عمر کی فضیلت میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ آپ جب حاکم وقت تھے، اس وقت بھی اپنی گزربسر کے لیے تجارت کرتے تھے اور اکثر و بیشتر لوگوں سے قرض بھی لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دور حکومت میں ایک تجارتی قافلہ شام کی طرف روانہ کرنا چاہا تو آپ کو مال کی ضرورت پڑی۔ آپ نے عبدالرحمن بن عوف کے پاس اپنا آدمی بھیجا کہ مجھے چار ہزار درہم قرض دے دو۔ عبدالرحمن نے کہا

نافذ کیے۔ دوسرے حکم میں ارشاد ہوا کہ:

”اے ایمان والو! ہم نے شراب کو تم پر حرام قرار دے دیا ہے۔

اب نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانا“

لیکن اس تاکید کے باوجود مسلمانوں کے پیشوا حضرت عمرؓ نے احکامات الہیہ کو نظر انداز کر کے خوب شراب پی اور استخوان فتر (اوانٹ کی ہڈی) سے عبدالرحمن بن عوف کو اتنا مارا کہ وہ بے چارے سے بری طرح زخمی ہوئے۔ اس حرکت کے بعد آپؐ نے مقتولین بدر کا نوحہ پڑھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ، ہائے افسوس! کہ بدر کے کنوئیں میں عرب کے جوانوں کی کتنی لاشیں ڈال دی گئیں۔ یہ کبشہ کا بیٹا (محمد) ہم کو اس بات سے ڈراتا ہے کہ ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ جھلا سڑے ہوئے جسموں اور خاک پر بکھرے ہوئے دماغوں کی زندگی کیوں کر ممکن ہے؟ خدا، ہماری بوسیدہ ہڈیوں کو قبروں سے کیسے اٹھا سکتا ہے؟ جب وہ ہماری موت کو ٹال نہیں سکتا تو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کیسے کر دے گا؟ کوئی ہے؟ — جو خدا تک ہمارا یہ پیغام پہنچا دے کہ ہم نے روزہ رکھنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر اس میں طاقت ہو تو مجھے روک لے اور میرا کھانا پینا بند کر دے۔

حضرت عمرؓ کے یہ کلمات کفر جب پیغمبر اسلامؐ تک پہنچے تو جلال پیغمبری حرکت میں آیا اور سرور کائنات غیظ و غضب کے عالم میں اس طرح برآمد ہوئے کہ آپؐ کی ردا زمین پر خط دے رہی تھی۔ آپؐ نے عمرؓ کی پٹائی حب شروع کی تو سارا نشہ اتر گیا اور کہنے لگے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں۔ اسی وقت یہ آیت

کہ عمر بیت المال سے یہ رقم کیوں نہیں لیتے، جب قافلہ واپس آئے گا تو اس میں واپس کر دیں گے۔ یہ بات آپؐ کو سخت ناگوار گزری۔ آپؐ خود عبدالرحمنؓ کے پاس گئے اور ان سے فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کہا کہ بیت المال سے لے لو۔ اور اگر بیت المال سے میں یہ رقم لے بھی لوں تو کیا خبر کہ قافلہ واپس آنے سے پہلے ہی مر جاؤں۔ اور جب بیت المال کا مقروض ہو کر مروں گا تو تم ہی لوگ یہ کہو گے کہ بیت المال کا مال ڈکار کر حلیفہ مر گئے۔ اس لیے بیت المال سے میں یہ رقم نہیں لینا چاہتا بلکہ تمہارے ایسے بیمار اور کنجوس سے لینا چاہتا ہوں تاکہ اگر میں مر جاؤں تو وہ میری میراث سے وصول کر لے لے

یہ روایت حضرت عمرؓ کی فضیلت میں بیان کی گئی ہے اور اس سے یہ مقصود ہے کہ آپؐ بیت المال کے بارے میں اتنے محتاط تھے کہ بے ایمانی تو درکنار اس سے قرض بھی نہیں لیتے تھے۔ لیکن تاریخی شواہد اس کے برعکس ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب آپؐ پر موت کا غلبہ ہوا اور آپؐ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو بیت المال کے خزانے میں ۸۶ ہزار کا گڑ بڑ گھٹا لاکھا اور یہ رقم آپؐ کے ذمہ واجب الادا پائی گئی۔

کبشہ کا بیٹا

حرم شراب سے متعلق قرآن مجید نے مسلمانوں پر تین احکامات

لے کئے: ۱۔ سال ۶۲۷ء تاریخ الخلفاء ص ۹۲ ۵۳ ابو کبشہ ایک شخص تھا جس نے بتوں کی پرستش میں قریش کے طرز عمل کی مخالفت کی تھی۔ آنحضرتؐ بھی چونکہ دین کے معاملہ میں قریش کے مخالفت تھے اس لیے بغرض تحقیر حضرت عمرؓ نے حضورؐ کو کبشہ کا بیٹا کہا اور توہین رسالت کے مرتکب ہوئے (انوار اللغۃ پارہ ۲ ص ۹)

ضبیع تمیمی کی پٹائی

حضرت عمر کو کسی نے بتایا کہ ”ضبیع تمیمی“ لوگوں سے آیات قرآنی کی تفسیریں پوچھتا ہے۔ آپ نے فرمایا، خدا کرے مجھ سے ملاقات ہو جائے۔

اتفاق سے وہ ایک دن آگیا اور اس نے حضرت عمر سے بھی وَالَّذِي آتَىٰ ذُرِّيَّتَهُ الْفُلُوكَ تَفْسِيرَ دُرِّيَّاتٍ کر لی۔ پھر کیا تھا، آپ کا تازیانہ اٹھ گیا اور آپ نے ایسی پٹائی کی کہ اس کا عمامہ گر گیا اور وہ لہو لہان ہو گیا۔ اس کے بعد اس کو گرفتار کر لیا اور روزانہ توتا زیناؤں کی سزا مقرر کر دی۔ پھر ایک دن اسے اونٹ پر بٹھا کر بصرہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جہل جب علم سے ٹکراتا ہے تو اکثر اسی قسم کے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ASSOCIATION KHOJA
SHIA ITHNA ASHERI
JAMATE
MAYOTTE

لے شرح ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۲۲

بھی نازل ہوئی کہ:

”شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمہارے درمیان دشمنی پیدا کرے اور تم لوگوں کو اللہ کے ذکر اور نماز سے دور رکھے۔“

اس واقعہ کے بعد حضرت عمر کی شرابی طینت نے شراب کا متبادل ایک دوسرا مشروب تلاش کیا جسے ”نبیذ“ کہا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نے بھی اعتراف کیا ہے کہ شراب کی جگہ لوگ نبیذ استعمال کرتے تھے جس کو عموماً عراق کے مذہبی پیشواؤں سے حلت کی سند مل چکی تھی۔

حضرت عمر آخری وقت تک نبیذ پیتے رہے۔ چنانچہ جب آپ حضرت ابولولو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خنجر سے زخمی ہوئے اور طبیب کو بلایا گیا تو اس نے آپ سے پوچھا کہ مشروب میں آپ کو کیا پسند ہے؟ فرمایا۔ ”نبیذ“۔ چنانچہ آپ کو نبیذ پلائی گئی جو آپ کے زخموں کی راہ سے باہر نکل گئی تھی۔

نبیذ کے بارے میں ارشاد پیغمبر ہے کہ:

”بہت جلد میرے بعد مسلمانوں پر ایسے لوگ حکومت کریں گے جو نبیذ کے بہانے سے شراب کو، صدقہ کے بہانے سے ناجائز مال کو ہدیہ و تحفہ کے بہانے سے رشوت کو اور پسند و نصیحت کے بہانے سے قتل کو حلال سمجھیں گے۔“

لے مستطون ج ۲ ص ۲۱۸ لے المامون ص ۲۲۲ لے ریاض النظرة ج ۲ ص ۲۷۲ لے در مشور ج ۶ ص ۲۸

آپ نے اپنے اصحاب کو راستہ تبدیل کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف عبادہ بن بشر کو ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ خالد و عکرمہ کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے آگے روانہ کر دیا تاکہ دفاعی صورت ممکن ہو سکے۔ آپ بہ ذات خود تھوڑی دور چل کر حدیبیہ نامی ایک کنویں کے قریب ایک درخت کے سائے میں فروکش ہوئے جہاں آپ نے اپنے اصحاب سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ یہی وہ بیعت ہے جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب کُمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

کفار قریش کو جب اس بیعت کا حال معلوم ہوا تو وہ مرعوب اور خوفزدہ ہوئے۔ چنانچہ ادھر دبدبہ رسالت نے ان کے نخوت و غرور اور جنگی ارادوں کو توڑا اور ادھر عبادہ اور ان کی جماعت نے خالد و عکرمہ کے لشکر کو اس طرح پسایا کہ انہیں ان کے گھروں تک دوڑا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفار نے گھبرا کر ہبیل بن عمرو کے ذریعہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں صلح کا پیغام بھیجا جسے آپ کی کریم النفسی، دور بینی، مصلحت شناسی اور بلند مرتبت اخلاقی قدروں نے منظور کر لیا۔ صلح کی شرطیں حسب ذیل تھیں۔

(الف) محمد بن عبد اللہ اس سال مع اصحاب کے واپس جائیں اور آئندہ سال حج کی غرض سے آئیں۔ اس وقت قریش تین دن کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔

(ب) دس سال تک جنگ ملتوی رکھی جائے اور ہر شخص کو یہ آزادی دی جائے کہ وہ جس مذہب کو چاہے اختیار کرے۔

(ج) اگر کوئی شخص قریش سے نکل کر محمدؐ کی طرف چلا جائے تو اسے

تیسرا باب

واقعہ حدیبیہ

ذیقعدہ ۶ھ (۶۲۸ء) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج بیت اللہ کا قصد کیا اور اس اندیشہ کے تحت آپ نے اپنے اصحاب کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا کہ کفار مکہ کہیں مزاحمت نہ کریں چنانچہ چودہ افراد پر مشتمل ایک قافلہ مدینہ سے دو شنبہ کے دن آنحضرت کی قیادت میں مکہ کی طرف روانہ ہوا۔

”ذوالحلیفہ“ کے مقام پر پہنچ کر آنحضرتؐ نے عمل تقلید کے ذریعہ احرام باندھا تاکہ کفار مکہ یہ سمجھیں کہ آپ حرب و ضرب یا پیکار کے ارادے سے آ رہے ہیں۔

ابھی کچھ راستہ طے ہوا تھا کہ آپ کو یہ خبر موصول ہوئی کہ عکرمہ بن ابوجہل اور خالد بن ولید کی قیادت میں ۵۰۰ کا ایک لشکر جنگ کے لیے آپ کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ اس ٹکراؤ سے بچنے کے لیے ایک طرف

لے حج کی بعض اقسام میں یہ عمل بھی شامل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ان جوتیوں کا جن میں نماز ادا کر چکا ہے، ہار بنا کر اپنے اونٹ کی گردن میں ڈال دے اور پھر اسی صورت سے حج کے لیے روانہ ہو۔

اس بات سے مطمئن کرو کہ ہم جنگ کی غرض سے نہیں آئے بلکہ حج کے ارادے سے آئے ہیں تو آپ نے اس حکم رسالت کو ٹھکرا دیا اور کہا کہ میری جگہ ابوسفیان کے بھتیجے عثمان کو کیوں نہیں بھیج دیتے؟

بہر حال - منافقانہ اور ناسازگار حالات میں صلح کی تجویز منظور ہوئی اور محمدی املا پر علوی قلم جنبش میں آیا اور صلحنامہ کے تحریری خدو خال قرطاس پر ابھرنے لگے۔ رسول کریمؐ نے صلحنامہ کا ابتدائی کلمہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھوانا چاہا تو سہیل بن عمرو معترض ہوا اور اس نے کہا کہ ہم اس کلمہ تحریر سے نا آشنا ہیں۔ لہذا بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ ”باسمک اللہم“ لکھا جائے۔ خلق عظیم نے سہیل کی دل آزاری کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے باسمک اللہم لکھوا دیا۔ پھر آپ نے امیر المومنین حضرت علیؑ سے فرمایا کہ لکھو یہ صلحنامہ منجانب محمد رسول اللہؐ ہے، تو سہیل نے کہا اگر ہم آپ کی رسالت کے قائل ہوتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا لہذا رسول اللہؐ کا لفظ ہٹا کر محمد بن عبد اللہؐ لکھا جائے۔ سہیل کی اس بات سے صحابہ کے جذبات پھر مشتعل ہو گئے قریب تھا کہ ایک ہنگامہ کھڑا ہو جاتا مگر رسول اللہؐ نے انھیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ اس انکار سے نہ تو میری رسالت پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی حرف آ سکتا ہے؟

حضرت علیؑ علیہ السلام نے بھی یہ جملہ بڑے ہی صابرانہ اور تحملانہ انداز میں تحریر کیا حالانکہ آپ کے چہرے سے اضطرابی کیفیت نمایاں تھی جسے رسول اکرمؐ نے بھی محسوس کیا اور فرمایا کہ اے علیؑ! ایک دن تمھارے ساتھ بھی یہی مرحلہ درپیش ہو گا اور تم بھی اسی

قریش کے حوالے کر دیا جائے اور اگر کوئی اسلام سے مرتد ہو کر قریش کی پناہ میں آجائے تو اس کی واپسی کا مطالبہ نہ ہو۔

یقیناً صلح کی یہ آخری شرط ایسی تھی جس نے فطری طور پر مسلمانوں کے ضبط و تحمل کو چیلنج کیا لیکن حامل وحی نے یہ کہہ کر قابو حاصل کر لیا کہ جو شخص اسلام سے منحرف ہو کر مرتد ہو جائے گا اسے رحمت الہی کا سایہ تک نصیب نہ ہو گا اور جو کفر سے علیحدہ ہو کر اسلام قبول کرے گا اس کی نجات کا ضامن اللہ ہے۔

یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ صلح کی تجویز سے قبل قریش کے خصوصی ایلیچی عروہ نے پیغمبر اسلامؐ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اس سال آپ حج کا ارادہ ترک کر دیں کیونکہ میں آپ کے ساتھ ان منافق چرواہوں اور اوباش لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو جنگ کی حالت میں آپ کو چھوڑ کر بھاگ جانے والے ہیں تو ابوبکرؓ نے پیغمبری ادب و احترام کو بالائے طاق رکھ کر پیغمبرؐ کے سامنے عروہ کو ”بظلالا“ چونے کی غش گالی سے نوازا اور فرمایا کہ کیا ہم ایسے ہیں جو رسول اللہؐ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ جبکہ موصوف کے بارے میں تاریخ بالا اعلان یہ کہتی ہے کہ آپ ہمیشہ ہر جنگ سے فرار اختیار کرتے رہے۔

عروہ کی سچائی کا ثبوت اس عمری انکار سے بھی فراہم ہوتا ہے جب رسول اکرمؐ نے آپ سے فرمایا کہ تم قریش کے درمیان جا کر انھیں

لے طبری ج ۳ ص ۵۰۔ قسطلانی شارح بخاری نے ”بظلالا“ کے بارے میں یہ حاشیہ تحریر کیا ہے کہ خشفہ (غصوت ناسل) کا چوسنا عربوں میں غلیظ ترین گالی ہے۔

بعض کتابوں میں اس کا لہجہ زیادہ سخت ہے۔ شاید بخاری ہی میں ہے کہ آپ رسول اللہ پر سخت معترض ہوئے اور جاہلانہ تکرار کے بعد اس دریدہ دہنی پر کمر بستہ ہو گئے کہ آپ نے تو ہم سے یہ وعدہ کیا تھا کہ ہمیں حج کرائیں گے۔ اب اپنی بات سے پلٹنا کیسا؟ اس پر آنحضرت نے فرمایا کہ میں نے اس سال کا وعدہ نہیں کیا تھا۔

اللہ کے رسولؐ سے تکرار اور گستاخیوں کے بعد عمر پیر چلے ہوئے ابو بکر کے پاس پہنچے اور ان سے بھی پوچھا کہ کیا محمدؐ خدا کے رسول نہیں ہیں؟ ابو بکر نے کہا ہیں۔ پھر پوچھا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کہا ہیں۔ پھر پوچھا، کیا ہمارے مخالفین مشرک نہیں ہیں؟ کہا ہیں۔

بس یہ سنا تھا کہ آپ قابو سے باہر ہو گئے اور بولے کہ پھر یہ صلح کیوں کی گئی؟ اس پر ابو بکر نے جواب دیا کہ رسول اللہ حکم الہی کے پابند ہیں، وہ تمہاری باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے سکتے، تم یوں ہی کہتے رہو۔

پیغمبر اسلامؐ سے اس ناروا گفتگو کے بعد حضرت عمرؓ کا حضرت ابو بکر کے پاس آنا اور اطمینان قلب کے لیے ان سے بھی وہی اُلٹے سیدھے سوالات کرنا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ آپ رسولؐ سے مطمئن نہیں تھے اور پھر ابو بکر سے یہ پوچھنا کہ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اپنی مسلمانی کے بارے میں بھی مشکوک تھے۔

یہ درست ہے کہ ابو بکر کی طرف سے عمر کو وہی جواب ملا جس کے وہ مستحق تھے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ اس عمری تکرار نے اپنی منہا کی کمان سے دو تیر ایک ساتھ رہا کیے۔ پہلا تیر رسول اللہ کے دل پر

قسم کی بلاؤں میں گرفتار ہو گئے یہ مختصر یہ کہ صلح نامہ کی تحریر مکمل ہوئی اور اس کی تکمیل کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کی عمری رگ بھی بھڑکی یہاں تک کہ وہ رسول اللہ سے بدتمیزی اور تند گفتاری پر اتر آئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ صلح نہ ہو اور جنگ کی حالت میں آنحضرتؐ کو جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑے۔ چنانچہ آپ نے ترطپ کر رسول اللہ سے یہ سوال کیا کہ کیا آپ خدا کے رسول نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بے شک میں خدا کا رسول ہوں۔ پھر پوچھا کیا ہم حق پر اور ہمارے مخالفین باطل پر نہیں ہیں؟ آنحضرتؐ نے جواب دیا کہ یقیناً ہم حق پر اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں۔

افسوس ہے کہ رسول اکرمؐ کے جوابات سے عمری جسامتیں نہ ہوئی اور آخر کار عمر نے پیغمبر اسلامؐ سے کرخت لہجے میں یہ فرمایا کہ جب ہم حق پر ہیں تو پھر یہ ذلت آمیز صلح کیوں کی گئی؟ حضرت عمرؓ کی اس جسامت سے پیغمبری پیشانی پر ناگواری کے اثرات مرتب ہوئے اور خدا کے حبیبؐ نے انھیں یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ اے خطاب کے بیٹے! بس خاموش ہو جا۔ میں خدا کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا اور وہی میرا معین و مددگار ہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ تقریباً تمام تاریخی کتابوں میں نقل ہوا ہے

کے بعد عمر نے تلافی کے خیال سے بظاہر نمازیں پڑھی ہوں، رونے رکھے ہوں، صدقات دیے ہوں، غلام آزاد کیے ہوں یا اپنی غیر اسلامی "مسلمانی" کو برقرار رکھنے کے لیے توبہ و استغفار کیا ہو، اس وقت سب بیکار ہوگا جب بروز حشر آپ منافقین، مشرکین اور مرتدین کے ساتھ محشور کیے جائیں گے اور رسالت آپ کی اس تباہی و بربادی کا تماشا دیکھے گی۔

حیش اسامہ سے تخلص

حیش اسامہ کا واقعہ یہ ہے کہ اللہ میں اپنی علالت کے دوران پیغمبر اسلامؐ نے رومیوں کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر مرتب کیا اور زید بن حارثہ کے سترہ سالہ نوجوان و کم سن فرزند اسامہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا۔

یہ وہ اہم لشکر تھا جس میں رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کے علاوہ تمام اعیان ہاجرین و انصار مثلاً ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح، سعید بن زید اور قتادہ بن نعان وغیرہ سب کو شامل ہونے کا حکم دیا اور اس کے ساتھ ہی اس بات کی سخت تاکید بھی فرمادی کہ اس موقع پر کوئی بھی مدینہ میں نہ ٹھہرے۔ اسامہ بن زید کو لشکر کا علم سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ رومی کی طرف اس برق رفتاری سے کوچ کرو کہ تمہارے وہاں پہنچنے کی دشمن کو خبر تک نہ ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پیغمبری حکم کی تعمیل میں اسامہ

لگا جس نے آپ کو رنجیدہ و ملول کیا۔ دوسرے تیر نے اصحاب کو نافرمانی پر اکسایا جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ جب صلح نامہ مکمل ہو چکا اور آنحضرتؐ نے اپنے اصحاب سے یہ فرمایا کہ تم لوگ اٹھو اور اپنے سروں کے بالوں کو ترشوا کر قربانی کے اونٹ نحر کر دو تو کسی نے اپنی جگہ سے حبش تک نہ کی یہاں تک حضورؐ سرور کائناتؐ نے تین بار یہی حکم دیا مگر کسی نے توجہ نہ دی تو آپ نے خود حجام کو بلوا کر اپنے سر کے بالوں کو ترشوا دیا اور اپنے ہاتھوں سے قربانی کا اونٹ نحر کر کے اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ رسول کا یہ طرز عمل دیکھ کر مجبوراً دیگر اصحاب نے بھی اس کا اتباع کیا۔

رسول اللہ صلعم سے تکرار کے بعد حضرت عمرؓ کا یہ اعتراض بھی کتابوں میں موجود ہے کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا شک مجھے آج ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

حضرت عمرؓ کی رسول اکرمؐ سے تکرار اور غیر شائستہ گفتگو کے بعد جب ہم آپ کے اس حیرت انگیز و تعجب خیز اعتراض پر غور و فکر کی نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ آپ کو اس سے پہلے بھی رسول کی رسالت میں شک و شبہ تھا مگر حدیبیہ کے موقع پر یہ شک آپ کو اس راستہ پر لے گیا جو یقین کی سرحد سے متصل ہو کر انسانی کو خود بخود دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس فطری اخراج

۱۔ تاریخ ابن خلدون ص ۲۶۱ ۲۔ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵، درمنثور ج ۶ ص ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲

تھی اور آپ کے دوشِ طاہرہ پر پڑی ہوئی ردا زمین پر خط دے رہی تھی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور جو صحابہ وہاں موجود تھے انھیں اسامہ کے لشکر میں شرکت کی مکرر ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ جو لوگ اسامہ کی سرداری پر معترض ہیں ان لوگوں نے غزوہ موتہ میں اس کے باپ زید کی سرداری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ خدا کی قسم اسامہ سرداری کا سزاوار ہے اور اس کا باپ بھی امارت کا اہل تھا۔ اور وہ بھی مجھے عزیز تھا، یہ بھی مجھے عزیز ہے۔ پھر آپ نے یہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اسامہ کے لشکر سے پہلو ہٹی کریں ان پر خدا کی لعنت ہے۔ لیکن اس کے بعد بھی عمر اور ابو بکر نہیں گئے اور انھوں نے اپنے لیے اللہ کی دائمی لعنت قبول کر لی۔

شاید یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ:

”جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنی حدوں سے گزر گئے، خدا انھیں جہنم میں داخل کرے گا اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یقیناً اس میں رسوائی کا عذاب ہے۔“ (النساء - ۱۳)

واقعہ قلم و قرطاس

اختصار کے پیش نظر الخلفاء حصہ اول میں اس واقعہ کو ہم اجمالی طور پر تحریر کر چکے ہیں۔ لیکن اس کو بناک و بردانگیز واقعہ کی اہمیت

لہ بخاری ج ۵ ص ۸۴ طہ لیل و نخل ج ۱ ص ۲۰

بن زید نے انتہائی تعجیلانہ انداز اختیار کیا اور سرعت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے مگر کچھ دور چل کر تقریباً ۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر جبرون نامی ایک مقام پر مجبوراً انھیں مع لشکر کے ٹھہر جانا پڑا کیونکہ رسول اللہ صلعم کے صریحی اور ختمی ارشاد کے باوجود اکابرین صحابہ یعنی ابو بکر و عمر وغیرہ لشکر سے غیر حاضر تھے یہاں تک کہ اسامہ تین دن تک جبرون میں قیام پذیر رہ کر ان کے آنے کا انتظار کرتے رہے مگر یہ لوگ نہیں آئے۔

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اسامہ بن زید چونکہ کمسن تھے لہذا سن و شعور کے لحاظ سے صحابہ کو ان کی ماتحتی گوارہ نہ تھی کیونکہ اس سے ان کی بڑھاپے کی انانیت پر حروف آتا تھا۔ دوسرے یہ بات بھی ان کے ذہنوں میں راسخ ہو چکی تھی کہ اگر اس علالت کے دوران رسول دنیا سے رخصت ہو گئے تو خلافت کا کیا ہو گا؟ جس کے لیے ہم عمر بھرتانے بانی درست کرتے رہے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ آنحضرت کی علالت شدت اختیار کر گئی اور آپ مرض الموت میں مبتلا ہو گئے۔ اسی جان لیوا بیماری کی حالت میں جب آنحضرت کو صحابہ کی ریشہ دوانیوں، منافقانہ طرز عمل اور حبش اسامہ سے بائیکاٹ کے بارے میں مطلع کیا گیا تو آپ غیظ و غضب کے عالم میں اپنے حجرہ سے اس طرح برآمد ہوئے کہ سر اقدس پر پٹی بندھی تھی، زلف مبارک منتشر

لہ طبری ج ۳ ص ۱۸۵، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ مصر، تہذیب التہذیب علامہ حجر عسقلانی جز اول ص ۲۰۸

نے رسول اکرمؐ کی سعی مواخاة اور درس اخوت کو آن واحد میں پایا مال کر کے موجودہ صحابہ کے درمیان ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا اور انہیں آنحضرتؐ کی نظروں کے سامنے ہی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ جو ارشاد نبوی کے مطابق اہل بیت سے اپنے کو متمسک کیے ہوئے تھا یہ کہہ رہا تھا کہ آنحضرتؐ کو قلم و دوات مہیا کر دو تاکہ آپ ہمارے لیے گمراہی سے بچنے کا نوشتہ لکھ دیں۔ دوسرا گروہ جو عمر کا ہمنوا تھا، آنحضرتؐ پر عمری ہذیان کی تہمت کو درست تسلیم کر رہا تھا اور حسبنالکتاب اللہ کی تائید کر رہا تھا۔

تاریخ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس ہنگامہ آرائی میں گالم گلوچ ادا ہوا تھا پانی کی نوبت بھی آئی یا نہیں لیکن اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حیج و پیکار اور شور و غل کا یہ عالم تھا کہ پردے کے نیچے بیٹھی ہوئی مستورات بھی اس نزاع میں شریک ہو گئی تھیں اور وہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ آنحضرتؐ کو قلم و دوات دے دو تاکہ وہ نوشتہ لکھ دیں۔ عمر نے انہیں بھی ڈانٹا اور کہا کہ تمہاری جیسی عورتیں تو یوسفؑ کے ساتھ بھی تھیں جو ان کی بیماری پر (مگر مجھ کے) آنسو بہا یا کرتی تھیں اور جب وہ صحت یاب ہو جاتے تھے تو ان کو رات دن پریشان کیا کرتی تھیں۔ عمر کی اس بات پر رسولؐ نے بھی یہ فرمایا کہ تم ان عورتوں کے بارے میں کچھ نہ کہو کیونکہ وہ تم لوگوں سے کہیں بہتر ہیں۔ لیکن جب عمر پر اس ارشاد نبویؐ کا کوئی اثر نہ ہوا اور مسلسل شور و غل اور ہنگامہ آرائی کے ساتھ صورت حال قابو

انفرادیت اور سنگینیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس پر از سر نو غور کیا جائے تاکہ ہر پہلو پر تفصیلی گفتگو بھی ممکن ہو سکے اور مولوی سید ابوالحسن ندوی اور ان کے پیش رو علماء کی تاویلات و توجہات کے جوابات بھی دیے جاسکیں۔

اللہ جمعرات کے دن رسول اکرمؐ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شدید علالت کے دوران جب کہ آپ کا بستر مزین اکابرین صحابہ اور ”جمل کی لیڈی کمانڈر“ عائشہ کے حصار میں تھا۔ نبوت کے ہوش مندانہ اقدام اور منشاء ایزدی کے تحت یہ فرمایا کہ مجھے و مسلم، دوات اور کاغذ دے دو تاکہ میں تحریری دستاویز کے ذریعہ خلافت کے اشکال کو دور کر دوں اور تمہارے لیے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو میرے بعد تمہیں گمراہی سے بچائے رکھے۔

پیغمبر اسلامؐ کے دہن اقدس سے یہ کلمات سن کر حضرت عمرؓ کی عمری رگ بھڑک اٹھی اور انہوں نے جسارت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ اس شخص کو (اس کے حال پر) چھوڑ دو، کیونکہ یہ ہذیان بک رہا ہے۔ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔

علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس قول میں لفظ ”ہجر“ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔۔۔ حضرت عمرؓ نے ارشاد پیغمبریؐ کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔

بہر حال یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس عمری جسارت

سے باہر ہونے لگی تو آنحضرتؐ نے قومواعتی کہہ کر انھیں اپنے گھر سے باہر نکال دیا۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عمرؓ نے رسولؐ کے احترام و ادب کو بالائے طاق رکھ کر ارشاد نبویؐ کو ہڈیاں سے تعبیر کرنے اور حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ بلند کرنے کی جسارت اور گستاخی کیوں کی؟ اور اس قول ربانی کی اطاعت کیوں نہیں کی جس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

”اے ایمان والو! خدا اور رسولؐ کی باتوں پر اپنی بات کو مقدم

نہ کرو اور نبیؐ کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند مت کرو“

اس سوال کے پس منظر میں ایک سیاسی، سازشی اور تاریخی تسلسل

پہنا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسولؐ کی حیات طاہرہ کے آخری دور میں منافقین صحابہ نے باضابطہ سازشوں کا آغاز کر دیا تھا جس کی محکم دلیل سورہ منافقون کا نزول ہے۔

یہ ابتدائی سازشیں اہل مدینہ اور مفاد پرست حلقہ بگوشان رسالت کے درمیان پل اور بڑھ رہی تھیں اور ان کا محور یا مرکزی نقطہ رسولؐ کی جانشینی اور مسلمانوں کی قیادت و خلافت کا مسئلہ تھا۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ۸ھ میں ان سازشوں کے تانے بانے درست کیے جانے لگے تھے اور ان میں تیزی اس وقت پیدا ہوئی جب رسول اکرمؐ نے ۹ھ میں تین ہزار کاشک لے کر ہرقل بادشاہ روم سے مقابلہ کے لیے مدینہ سے شام کی طرف کوچ فرمایا اور تبوک نامی بستی میں مسلسل بیس روز تک قیام فرما رہے لیکن جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ یہ واضح رہے کہ اس جنگی مہم میں آنحضرتؐ نے ہر

جنگ کے فاتح حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اپنے ساتھ نہیں لیا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے جب رسول اکرمؐ سے شکوہ کیا اور اس مہم کی عدم شرکت پر اپنے دلی کرب کا اظہار فرمایا تو پیغمبرؐ نے کہا: اے علیؓ! کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؓ کو موسیٰؓ سے تھی لکن العمال میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ اے علیؓ! میں تم کو اس لیے چھوڑے جاتا ہوں تاکہ تم ہی میرے بعد میرے خلیفہ رہو کیونکہ مدینہ کی حالت صرف میرے رہنے یا تمہارے رہنے سے ہی درست رہ سکتی ہے یہ

یقیناً اس قول پیغمبرؐ کے بعد سازشی بھی یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ آنحضرتؐ نے علیؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کرنا طے کر لیا ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ ان منافق سازشیوں نے تبوک کی واپسی پر پیغمبر اسلامؐ کی جمع حیات نگ کر دینے کی ناکام دنا پاک کوششیں بھی کیں جو تاریخ میں واقعہ عقبہ کے نام سے محفوظ ہے۔ اور یہی وہ واقعہ ہے جس کے ذیل میں عمر بار بار حذیفہ سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا سازشی منافقین میں میرا نام بھی شامل ہے؟ اور پھر آخر کار ایک دن دماغی کچوکوں اور قلبی ٹھوکوں سے مجبور ہو کر حضرت عمرؓ کی زبان پر یہ سچائی آہی گئی کہ اے حذیفہ! خدا کی قسم ان منافقین میں میں بھی شامل تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

لے تذکرہ خواص الامہ ص ۱۲ کنز العمال ج ۶ ص ۴۰۴ لے مدارج النبوة ج ۲ ص ۲۰۲

لے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۳۶

اس واقعہ عقبہ کے بعد اسی ۹ھ میں ایک واقعہ اور رونما ہوا جس نے منافقین کی سازشی مصروفیات میں مزید سرعت اور تیزی پیدا کر دی۔ اس واقعہ کا اجمال یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے تبوک سے واپسی پر تین سو مسلمانوں پر مشتمل ایک قافلہ حج کے لیے روانہ کیا اور ابوبکرؓ کو سورہ برأت کے ساتھ اس قافلے کا سردار مقرر کیا تاکہ وہ حج کے موقع پر اس سورہ کی تبلیغ فرمائیں۔ عمر بھی اس قافلے میں شامل تھے، ابھی قافلہ کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ جبریلؑ نازل ہوئے اور انھوں نے رسولؐ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ! خدا کا حکم ہے کہ آپ یا آپ کے قرابت دار کے علاوہ کوئی دوسرا شخص سورہ برأت کے تبلیغی کام کو انجام نہیں دے سکتا۔ اس حکم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو تیزی کے ساتھ قافلے کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ ابوبکرؓ سے سورہ برأت لے کر اس کی تبلیغ خود کریں اور انھیں واپس مدینہ بھیج دیں۔ حضرت علیؓ نے خدا اور رسولؐ کے حکم پر برق رفتاری سے عمل کیا۔ چنانچہ ابوبکرؓ جب پلٹ کر مدینہ آئے تو اپنی معزولی پر آنحضرتؐ کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور عرض کی کہ کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہو گیا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ اس کی تبلیغ خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو۔

اس ذیل میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرتؐ

۱۔ بخاری ج ۲ ص ۲۳۸، فتح الباری ج ۱ ص ۱۹۴، کنز العمال ج ۱ ص ۱۴۶، درنور ج ۱ ص ۳۱
تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۵۶ وغیرہ

نے ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں کو سورہ برأت کی تبلیغ پر مامور فرمایا تھا پھر دونوں ہی کو معزول کر کے یہ کام علیؓ کے سپرد کیا۔

اس عبرت ناک انجام کے بعد سلسلہ میں ان صحابہ کے سازشی منصوبوں پر ایک ضرب کاری اور پڑی، جب حجتہ الوداع کی واپسی پر پیغمبرؐ نے ”غدير خم“ میں سورہ انشراح کی آیت (جب تم فارغ ہو چکو تو اپنا جان لین مقرر کرو) اور سورہ مائدہ آیت (يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ)۔۔۔ الخ (یعنی اے رسول! جو تم پر نازل کیا گیا ہے اسے فوری طور پر پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو کار رسالت انجام ہی نہیں دیا۔ اللہ تم کو لوگوں (منافقین) کے شر سے محفوظ رکھے گا) کے تحت ابن عمرؓ، داماد اور انت مبنی وانا منک کے مصداق حضرت علی بن ابیطالبؓ علیہ السلام کو دعوت ذوالعشرہ میں کیے گئے وعدہ کے مطابق اپنا بیٹا حاکم بنا دیا۔ زبان رسالت سے لفظیں یوں ادا ہوئیں من کنت مولاً فهذا ابلی مولاً

امام المحدثین حافظ ابن عبدہ نے غدير خم کے سلسلہ میں تنویر صحابہ کرام سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام جزری اور امام شافعی نے اشی صحابہ سے، امام احمد بن حنبل نے تیس صحابہ سے اور طبری نے پچتر صحابیوں سے روایتیں نقل کی ہیں۔ ان کے علاوہ ذہبی اور صنعانی وغیرہ نے اسے متواتر مانا ہے۔ لہذا انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۔ قرۃ العینین ص ۲۳۴ تفسیر درنور ج ۲ ص ۳۹۸، سر العالمین ص ۹ مطبوعہ مدینہ
۲۔ نہج الوصول ص ۱۳، فتح البیان ج ۱ ص ۴۸

اور قتادہ وغیرہ کو بھی اس لشکر میں شامل کر کے انھیں فی الفور مدینہ سے روانہ ہو جانے کا حکم دیا۔ آنحضرتؐ کا یہ حکم تاکید کی حکم تھا اور اس حکم کے تحت ابوبکر و عمر وغیرہ کو فوراً اسامہ کے لشکر کے ساتھ چلے جانا چاہیے تھا مگر اسے مسلمانوں کی بد قسمتی کہیے، ملت اسلامیہ کے انتشار کا عملی آغاز کہیے یا پھر اسلام کو تباہی و بربادی کے راستہ پر ڈالنے کا سازشوں کی طرف سے تباہ کن منصوبہ کہیے کہ یہ لوگ اسامہ کے ساتھ نہیں گئے اور انھوں نے فرمان رسالت کو سختی سے ٹھکرا دیا۔

آنحضرتؐ کا سخت تاکید حکم سترہ سالہ نوجوان اسامہ بن زید کی قیادت لشکر کی روانگی میں عجلت کی تہدید، منافق صحابہ کا تخلف، حضرت علی علیہ السلام کو رسول اللہ صلعم کا اپنے پاس روکنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جانشینی اور خلافت کے معاملات میں پیغمبر اسلام کو جن لوگوں سے خطرہ تھا انھیں مدینہ سے باہر روانہ کر دینا چاہتے تھے تاکہ ان کی سیاسی چالیں اور سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں ورنہ اسلام تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اکابرین صحابہ کو اسامہ کی مانتی میں اس لیے رکھا تھا کہ اگر لشکر کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی تو اس کا امکان تھا کہ یہی لوگ پلٹ کر حملہ کر دیتے اور اقتدار، حکومت نیز خلافت پر قبضہ کر لیتے جیسا کہ آنحضرتؐ کی آنکھیں بند ہوتے ہی سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوا۔ لہذا جن لوگوں سے خطرہ تھا انھیں رسولؐ نے عام لشکر کی حیثیت دی اور جس پر اعتماد تھا اسے امیر مقرر کیا تاکہ یہ منافقین سر تابی اور روگردانی نہ کر سکیں مگر حصول اقتدار کی سازشوں نے انھیں اتنا جسور بنا دیا تھا کہ ان لوگوں نے اسامہ بن زید کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر کے رسولؐ کی دی ہوئی اللہ

اسی سلسلہ میں رسول اللہ صلعم نے حکم خالق کے تحت میدان مباحلہ میں "ابنائنا، نساءنا، انفسنا" کی عملی تفسیر کے ذریعہ اپنے اہل بیتؑ کا اظہار بھی فرما دیا۔

ان تمام واقعات کا تسلسل اور رسول اکرمؐ کے عملی اقدامات کا تو اثر یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور سرور کائناتؐ بھی منافقین کی سیاسی اور سازشی ریشہ دوانیوں سے بے خبر نہیں تھے۔ اگر آپؐ بے خبر ہوتے تو اپنی زندگی کے آخری ایام میں وہ احکامات و ارشادات صادر نہ فرماتے جن سے صحابہ نے ذاتی طور پر اختلاف کیا اور بات صرف اختلاف تک ہی محدود نہ رہی بلکہ کہیں پر کھل کر حکم پیغمبرؐ کی نافرمانی عمل میں لائی گئی کہیں رسالت کے تقدس کو پامال کیا گیا، کہیں احکامات پر عمل سے گریز کیا گیا۔ کہیں رسولؐ کے مقابلے میں جسارت کا مظاہرہ کیا گیا اور کہیں پر آپؐ کی شان میں ایسی گستاخیاں کی گئیں کہ حضورؐ کو ان صحابہ کے خلاف لعنت جیسے ابدی حربہ کا استعمال کرنا پڑا۔ غرض کہ رسولؐ کے خلاف سازشوں کا ایک سلسلہ بھی جاری رہا اور سازشوں پر پیغمبرؐ لعنت بھی برسی رہی۔ خدا حق پسند مسلمانوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھے۔

اپنی رحلت سے قبل اللہ میں پیغمبر اسلامؐ نے ملت اسلامیہ کو افتراق و انتشار اور ابدی فرقہ بندی سے بچانے کے لیے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں ایک اہم فیصلہ اور کیا۔ چنانچہ اس فیصلہ کے تحت آپؐ نے حکومت روم کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر تیار کیا اور اس کا امیر اسامہ بن زید کو بنایا اور تمام اعیان مدینہ، مہاجرین اور انصار کے ساتھ آپؐ نے ابوبکر، عمر، عثمان، سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ بن جراح، سعید بن زید

کی ابدی لعنت قبول کر لی۔ اس کی تفصیل ہم گزشتہ اوراق میں تحریر کر چکے ہیں۔

حضرت عمر کی غیر اسلامی فطرت میں یہی وہ سازشی جساتیں اور گستاخاں تھیں جو رسولؐ کی زندگی کے آخری ایام میں اپنے حدود سے تجاوز کر گئیں جس کے تحت عمرؓ نے رسولؐ پر ہذیان کی تہمت عائد کر کے انھیں نوشتہ لکھنے سے باز رکھا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس معاملہ میں صحابہ کی اکثریت عمرؓ کے ساتھ تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کا سفینہ اسی منزل میں چکنا چور ہو گیا، ملت اسلامیہ کا مستقبل اندھیروں میں ڈوب گیا اور یہیں سے فتنوں کے دروازے کھل گئے۔ اس واقعہ کو یاد کر کے ابن عباسؓ اس قدر رویا کرتے تھے کہ سنگ ریزے رسولؐ سے تر ہو جایا کرتے تھے۔ ابن عباسؓ کا کہنا تھا کہ لوگوں نے رسول اکرمؐ کو نوشتہ لکھنے سے باز رکھا، یہی قیامت ہے اور یہی اسلام و اہل بیت پر تمام مصائب کی جڑ ہے۔

یہ سوال بھی کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس جاہلانہ اور منافقانہ اقدام اور چیخ پکار پر آنحضرتؐ نے نوشتہ لکھنے کا ارادہ کیوں ترک کر دیا جب کہ فعل واجب کسی کی مخالفت سے ترک نہیں کیا جاسکتا؟ اس کا جواب ایک حق پسند اور منصف مزاج سنی عالم شیخ سلیم (جامعہ ازہر) کی زبان سے سنئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

”قلم و دوات لانا اصحاب پر فرض تھا نہ کہ آنحضرتؐ پر حضرتؐ

کا فریضہ تو اس فریضہ کی ادائیگی کے بعد شروع ہوتا تھا، جب اصحاب ہی نے انکار کر دیا تو آپ کا فریضہ بھی ساقط ہو گیا اور حجت تمام ہو گئی۔ اب تحریر کا کوئی اثر بھی غیر از فتنہ نہیں ہو سکتا تھا۔ علامہ عبدالحسین مشرف الدین طاب ثراہ کا کہنا ہے کہ:

”اولاً تو اب اس تحریر کا پیش کرنا اس فتنہ کا ابھارنا تھا جس

کا اندازہ صرف اعلان سے کر لیا گیا تھا۔ یعنی مقابل طاقتیں اپنے مفاد کو پامال ہوتا ہوا دیکھ کر باقاعدہ مقابلہ پر آمادہ ہو جاتیں اور اس طرح حضورؐ کی تمام زندگی کی محنت خاک میں ملتی ہوئی نظر آتی، دوسرے یہ کہ اس تحریر سے فوری طور پر دو جماعتیں پیدا ہو جاتیں۔ ایک اسے بھی ہذیان کا نتیجہ قرار دیتی اور ایک اس پر بلا چون و چرا ایمان لے آتی اور یہ تحریر دونوں کے لیے بیکار ہوتی۔ ایمان لانے والی جماعت پر یہ مقصد واضح ہو گیا تھا اسے ضرورت نہ پڑتی، انکار کرنے والی پارٹی انکار ہی کرتی اور نتیجہ میں اچھی خاصی حدیث کی مزید توہین ہوتی۔ تمام حجت ہو ہی چکا تھا، پہلی جماعت ابنیبات پر اٹل تھی، دوسری جماعت اپنی جگہ غائبانہ ایمان لائے ہوئے تھی اور حدیث ثقلین سے متمسک تھی۔

مندرجہ بالا امور کے پیش نظر حضور اکرمؐ نے اگر نوشتہ تحریر کرنے کا خیال ترک فرما دیا، تو اس میں حیرت و تعجب کی گنجائش نہیں ہے۔

توجیہات و تاویلات

حضرت عمرؓ کی اس طوفان بدتمیزی پر پردہ پوشی کے لیے عمر نواز

۱۴۵ھ نص و اجتہاد ص ۹۶ ۱۴۵ھ نص و اجتہاد ص ۹۴، ۹۵

لہ بخاری پ ۱۰۶، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۵۳، طبری ج ۳ ص ۱۹۳ وغیرہ

اطمینان کے لیے قارئین کرام ندوی کی کتاب المرتضیٰ کے صفحات ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴ کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

پہلے یہ واضح کر دوں کہ مذکورہ توجیہات و تاویلات کے جوابات شیعہ علماء کی طرف سے ہر صدی، ہر دور، ہر زمانے میں تفصیلاً و تحریراً دیے جا چکے ہیں، اجمالاً میں بھی تحریر کیے دیتا ہوں۔ مگر براہو عصیت کا کہ اس نے عمر نواز علماء کے ذہنوں پر باطل اور ہٹ دھرمی کے وہ سیاہ پردے ڈال رکھے ہیں جو حق کی طرف انھیں مائل ہی نہیں ہونے دیتے۔ نہ یہ حق بات سنتے ہیں اور نہ ہی حق کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہے۔ عبادت الگ ہے، شریعت الگ ہے، نظریہ الگ ہے۔ کاش اللہ انھیں حق کی روشنی کے ساتھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی عطا کرتا تو یہ اختلافی مسئلہ جواب تک مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کیے ہوئے ہے، وہابیت کے عالم وجود میں آنے سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہوتا۔ نہ توجیہ ہوتی نہ تاویل مسلمان اپنی جگہ متحد ہوتا اور جس شے کے حضرت عمر مستحق تھے اس سے انھیں نوازنا رہتا۔ بہر کیف —

(۱) پہلی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت اپنی بیماری کی وجہ سے تکلیف میں مبتلا تھے۔

ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضور سرور کائنات تکلیف میں مبتلا تھے اور آپ کی تکلیف ایسی تھی کہ پورا خانوادہ رسالت اس سے متاثر مضطرب بے چین اور پریشان تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ آنحضرت کو اپنے اس ذاتی مرض کی عارضی تکلیف کا احساس زیادہ تھا یا جمل امت

علماء کی طرف سے جن توجیہات و تاویلات کا سلسلہ صدیوں سے اب تک جاری ہے وہ زیادہ تر حسب ذیل نکات پر مبنی ہیں۔

۱۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت اپنی بیماری کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھے، اس لیے قلم و دوات نہ دے کر عمر نے سردار انبیاء کو مزید تکلیف سے بچا لیا۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ عمر کو یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا کیونکہ قرآن میں آیت **اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** نازل ہو چکی تھی، اس لیے کسی نوشتہ کی ضرورت نہیں تھی۔

۳۔ کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت عمر کے روکنے سے کیوں کر رکتے؟ اس واقعہ کے بعد آپ تین دن تک بقید حیات رہے اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا

۴۔ کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن ابوبکر کو بلوا کر آنحضرت ابوبکر کے بارے میں خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اہل اسلام خود ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو پسند نہ کریں گے۔

۵۔ کہا جاتا ہے کہ عمر کے اس اختلاف کے بعد آنحضرت نے لوگوں کو زبانی وصیتیں بھی فرمائیں، اسی میں اپنے مقصد کی صراحت فرما دیتے۔

مولوی سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی انھیں فرسودہ توجیہات و تاویلات کے خدو خال کو اپنی کتاب "المرتضیٰ" میں اجاگر کرنے کی سعی کی ہے، جس کے اقتباسات ہم الخلفاء حصہ اول میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید

زندگی کے آخری ایام ہیں تو آپ اس ضروری کار ہدایت سے کیوں روک دیے گئے؟ اور کیوں آپ کو آخری وصیت سے باز رکھا گیا؟ جبکہ ہر مرنے والے کو اپنی آخری خواہشیں بیان کرنے کا فطری اور آئینی حق حاصل ہے۔ تو پھر پیغمبر اسلام سے یہ حق کیوں چھین لیا گیا؟ اس کا جواب صرف اقتدار کی ہوس، سیاسی بازی گری اور سازشی اقدام ہے۔

یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ حضور اُمّی تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب آنحضرتؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو اس کی کتابت حضرت عمرؓ کے ہاتھوں عمل میں آتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ (معاذ اللہ) رسولؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور جب ایسا تھا تو پھر حضرت عمرؓ کو خطرہ کس بات کا تھا۔ بے دھڑک قلم اور دوات دے دیتے اور پھر یہ دیکھتے کہ حضورؐ کیا کرتے ہیں؟ بہر حال کائنات کی تاریخ ایسی دوسری مثال پیش کرنے سے قطعی قاصر ہے کہ حضورؐ کے علاوہ کسی اور نبیؐ کو اس کے کسی صحابی کے جارحانہ اقدام نے وقت آخر وصیت سے روک دیا ہو۔

یہ توجیہ کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کو مزید تکلیف سے بچایا، اس وقت خود بخود ہوا میں اڑ جاتی ہے جب تاریخ یہ بیان کرتی ہے کہ عمرؓ کی فتنہ پردازیوں اور ریشہ دوانیوں نے قدم قدم پر آنحضرتؐ کو اذیتوں اور تکلیفوں میں مبتلا رکھا۔

(۲) دوسری توجیہ یہ ہے کہ شریعت سے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا تھا کیونکہ قرآن میں آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہو چکی تھی۔

کے ہادی، رہبر، مقتدا اور پیشوا کی حیثیت سے آپ منصب نبوت پر فائز تھے، اس امت کی گمراہی کا خیال آپ کے لیے کرب و اذیت کا باعث بنا ہوا تھا؟ درست تو یہ ہے کہ آپؐ کو تکلیفوں کا سامنا اسی وقت سے تھا جب سے آپؐ مبعوث بہ رسالت ہوئے تھے۔ آپؐ کا خود ارشاد ہے کہ جتنی تکلیفیں اور اذیتیں مجھے پہنچائی گئیں کسی نبیؐ کو نہیں پہنچیں۔ ظاہر ہے کہ آپؐ کا یہ اشارہ ان تکلیفوں کی طرف تھا جو کافروں اور منافقوں کی طرف سے آپؐ پر مسلط کی گئیں۔ مگر کیا ان تکلیفوں کی وجہ سے آپؐ کافروں، مشرکوں اور منافقوں کی ہدایت سے کنارہ کش ہو گئے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپؐ نے لوگوں کی ہدایت اور بہتری کو اپنی ذاتی تکلیف پر ہمیشہ ترجیح دی اور اپنے فرائض منصبی کو عزم و ارادہ اور صبر تحمل کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ انھیں فرائض منصبی کے تحت آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں بھی اپنی عزت و امت کو اپنے بعد بھی گمراہی سے بچانے کا خیال رکھا، اسی کے تحت آپؐ نے قلم اور دوات طلب کیا اور اسی کے تحت نوشتہ لکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ تاکہ مسلمانوں کا مستقبل گمراہی سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن اسے امت مسلمہ کی بد نصیبی کہیے یا امت کا انتشار کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اور اپنے چند ساتھیوں کے ذاتی مفاد کی خاطر پیغمبر اسلامؐ کے اس حکیمانہ منصوبے کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مسلمانوں کی گمراہی کے امکانات ہمیشہ کے لیے باقی رہ گئے۔

توجیہ اور تاویل کے علاوہ اس سوال کا کیا جواب ہے کہ جب رسولؐ بھی سمجھ رہے تھے اور صحابہ بھی جان رہے تھے کہ یہ آنحضرتؐ کی

میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے :

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ
عَلَيْنَا مَوَازِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ
وَاللَّهُ يُعَذِّبُكَ مِنَ النَّاسِ ۝

”اے رسول! جو حکم اس بات کا کہ علی تمام مومنین کے مولیٰ اور
حاکم ہیں، تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا
دو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سچے لو کہ تم نے کوئی پیغام ہی نہیں پہنچایا“

آیت مذکورہ میں پروردگار کا لہجہ اس قدر سخت تھا کہ آنحضرتؐ کو اپنی
تین سو سالہ تبلیغی زندگی خطرے میں نظر آنے لگی اس لیے آپ جہاں تھے
وہیں رک گئے اور ستر ہزار حاجیوں پر مشتمل وہ قافلہ بھی ٹھہر گیا جو آپ
کے ہمراہ تھا۔ ان میں سے جو لوگ آگے جا چکے تھے وہ واپس پلٹائے
گئے اور جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔ جلتا ہوا ریگستان
آگ لگتی ہوئی زمین، تپتا ہوا سورج، دوپہر کی دھوپ، لو کے تیز جھکڑ
حاجیوں کی یہ حالت کہ اپنی اپنی عبادوں اور رداؤں پر کھڑے تھے۔

جب سارا مجمع ایک مرکز پر سمٹ کر اکٹھا ہو گیا تو امیر المومنین حضرت
علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر آنحضرتؐ پالان شتر کے منبر پر
جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا کہ: کیا میں تمہارا حاکم اور تمہارے نفسوں کا
والی نہیں ہوں؟ تمام حاضرین نے ایک آواز ہو کر جواب دیا کہ بیشک
آپ ہمارے حاکم اور ہمارے نفسوں کے والی ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تمہاری
جان اور تمہارے مال پر میرا حق نہیں ہے؟ سمجھوں نے کہا، ہماری جائیں
آپ پر قربان، بے شک ہماری جان اور ہمارے مال پر آپ کا حق ہے۔

حضرت عمرؓ کو یہ کیوں کر معلوم ہوا کہ شریعت سے متعلق کوئی نکتہ
باقی نہیں رہ گیا؟ کیا شریعت کے مالک و مختار آپ ہی تھے؟ کیا آپ
کا علم رسولؐ کے علم سے زیادہ تھا؟ کیا رسولؐ کی زندگی کے آخری ایام
میں رسالت آپ کی طرف منتقل ہو گئی تھی؟ کیا آپ پر جبریلؑ کا نزول
ہو گیا تھا؟ کیا آپ پر الہام ہوا تھا؟ کیا آپ کے جسم میں اس وقت
کسی کاہن کی روح حلول کر گئی تھی کہ جس نے آپ کو بتا دیا کہ اب
شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہیں رہ گیا۔

اگر پیغمبر اسلامؐ عمر اور ان کے ساتھیوں کے لیے دین کو مکمل سمجھتے
تو پھر کاغذ قلم اور دوات طلب کرنے کی ضرورت ہی کیوں درپیش آتی؟
آیت الیوم اکملت لکم..... کا محل نزول یہ بتاتا ہے کہ
تمام غدیری کاروائیوں کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اس کا اجمال
یہ ہے کہ رسول اکرمؐ آخری حج سے فارغ ہو کر مدینہ واپس پلٹ رہے
تھے کہ آیہ بَلِّغْ نازل ہوئی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ:

”اے رسول! جو حکم تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل

کیا گیا ہے اسے پہنچا دو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سچے لو کہ) تم نے اللہ کا کوئی
پیغام ہی نہیں پہنچایا اور تم درود نہیں، خدا تمہیں لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے“

(مائدہ - ۶۷)

اس منزل میں یہ وضاحت انتہائی اہم ہے کہ مذکورہ آیت کے
بارے میں ابن حاتم نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ یہ آیت
غدیر خم میں حضرت علیؓ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن
معرّد سے ابن مردیہ نے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہؐ کے زمانہ

کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔
ظاہر ہے کہ اگر رسول اکرمؐ حضرت علیؑ کو حکمِ تبلیغ کے مطابق اپنا
خلیفہ، جانشین اور تمام مسلمانوں کا مولا اور حاکم مقرر نہ کرتے اور آپ کی
ولی عہدی کا اعلان نہ فرماتے تو مذکورہ آیت کے نزول کا سوال پیدا ہی
نہ ہوتا۔

جب یہ نتیجہ سامنے ہے کہ ولایت علیؑ کا اعلان ہی تملکہ دین، قبولیت
اسلام اور اتمامِ نعمت کی سند ہے تو علیؑ کی ذات گرامی کو اس سند کا مجموعہ
کیوں نہ تسلیم کیا جائے کیونکہ نعمت الہی کا اتمام علیؑ کی شکل میں ہوا اور
اس نعمت میں کوئی دوسری نعمت شریک نہیں ہے۔

نعمت عطیہ الہی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس سے نواز دیتا ہے
اور جسے چاہتا ہے محروم رکھتا ہے۔ نعمت شکر کی متقاضی ہے اور
کفرانِ نعمت کفر ہے۔ اور کفر، کفر ہی ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔
امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کو مجسمِ نعمت قرار دے کر علیؑ کے
مدارج و مناصب کو علیؑ کے پروردگار نے عرش تک پہنچا دیا اور زمین پر
بسنے والوں کے لیے علیؑ کو مرجعِ ہدایت بنا کر تمام مسلمانوں پر آپ کی محبت
اطاعت فرض کر دی۔

لہذا دین صرف انھیں لوگوں کے لیے کامل قرار پایا جن لوگوں نے
علیؑ کی محبت اور اطاعت کو اپنا شعار بنایا اور خلوص دل کے ساتھ اہل
بیتؑ سے متمسک ہو گئے۔

لے تفسیر درفتور سیوطی ج ۲ ص ۳۰۹ سطر ۵۔ مطبوعہ مصر

اس کے بعد آپؐ نے تمام مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ: میری طلبی خدا
کی بارگاہ میں ہو چکی ہے اور میں لبیک کہہ چکا ہوں اور دیکھو میں تمہارا
درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن ہے
اور دوسرے میرے اہل بیتؑ، اور یہ دونوں عظمت میں ایک دوسرے
کے مساوی ہیں اور ایک دوسرے سے اس وقت تک جدا نہ ہوں گے
حتیٰ کہ روز قیامت حوض کوثر پر میرے پاس وارد ہو جائیں۔ اگر تم ان
سے متمسک رہو گے تو قیامت تک گمراہ نہ ہو گے اور میں دیکھوں گا کہ تم
ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔

اور جب یہ تمام مراحل طے ہو گئے تو آپؐ نے علیؑ کو اپنے دست
بازو کی قوت سے بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ اے مسلمانو! خداوند عالم
میرا مولا، میرا آقا، میرا مالک اور میرا حاکم ہے جیسے کہ میں تمہارا مولا، آقا
مالک اور حاکم ہوں۔ لہذا جس کا مولا میں ہوں آج سے علیؑ بھی اس کے
مولا ہیں اور میرے جانشین ہیں۔

پھر فرمایا: پروردگار! دوست رکھ اس کو کہ جو علیؑ کو دوست
رکھے اور دشمن رکھ اسے کہ جو علیؑ کو دشمن رکھے اور ذلیل و رسوا کر
اس کو جو علیؑ کو رسوا کرے۔

اس کارروائی کے بعد جب سارا مجمع علیؑ بن ابی طالب کو مبارکباد
پیش کر چکا اور حضرت عمرؓ بھی بیخِ بیخ کہہ کر اپنے دلی کرب کا اظہار فرما چکے
تو آیت الیوم اکملت لکم دینکم نازل ہوئی جس کا اردو ترجمہ یہ
ہے کہ:

”آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام

کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ جو تحریر رسولؐ کے بعد بھی مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کا وسیلہ بن سکتی تھی وہ انتہائی اہم اور ضروری تھی۔ کیونکہ قرآن کا نزول بھی اسی لیے عمل میں آیا کہ لوگ گمراہ نہ ہوں۔ اسلام بھی اسی لیے آیا کہ لوگ حق کے راستے پر گامزن ہوں۔ رسولؐ بھی اسی لیے بھیجے گئے کہ لوگ گمراہی کے اندھیروں سے نکل کر حق کی روشنی کی طرف آئیں، شریعت کا نفاذ اسی لیے ہوا کہ لوگوں کی زندگیاں گمراہیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

غرض کہ یہ بات مکمل یقین و اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ملت مسلمہ کو اس نوشتہ کی اتنی ہی سخت ضرورت تھی جتنی نزول قرآن کی۔ اس تحریر کا فائدہ لوگوں کو اتنا ہی پہنچنا جتنا کہ اسلام سے پہنچنا۔ اس سے وہی فیض حاصل ہوتا جو رسولؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے سے ہوا۔ جس طرح آنحضرتؐ نے تمام عمر اپنی امت کو گمراہی سے بچایا اسی طرح آپ کے بعد آپ کی یہ تحریر بھی مسلمانوں کو قیامت تک گمراہی سے بچاتی رہتی اور حضورؐ کی طرف سے تحریری طور پر ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام فرقوں میں تقسیم ہونے سے بچ جاتا اور ساری دنیا کے مسلمان بلا تفریق ملت ایک اسلامی پلیٹ فارم پر نظر آتے۔ مگر افسوس کہ عمری ہڈیاں اور حسنا کتاب اللہ کی آواز نے مسلمانوں پر ہمیشہ کے لیے فتنوں اور گمراہی کے دروازے کھول دیے۔ یہ کہنا کہ ”آنحضرتؐ عمر کے روکنے سے کیوں کر رک سکتے تھے“ بیوقوفی اور جہالت کی دلیل ہے، صاف ظاہر ہے کہ جس طرح حضور اکرمؐ

رضی اللہ عنہ کا مصداق وہی ہے جو اللہ کی مرضی پر راضی برضا ہے اہل بیتؑ سے تمک رکھے اور علیؑ کی محبت و اطاعت کے قلعے میں خود کو محصور کر لے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت عمرؓ تمام امور سے کوسوں دور رہے اس لیے رحمتہ للعالمین نے وقت آخر انھیں راہ راست پر لانے کی ایک کوشش اور کی۔ مگر ان کی اس بد نصیبی کو کیا کیا جائے کہ انھوں نے اسے بھی ٹھکرا دیا اور گمراہی کے اندھیروں میں ہمیشہ کے لیے بھٹک گئے۔ (۳) تیسری توجیہ یہ کہ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرتؐ عمر کے روکنے سے کیوں کر رک سکتے تھے۔ اس واقعہ کے بعد آپ تین چار دن تک زندہ رہے اس وقت نہ سہی، بعد کو لکھوا دیا ہوتا۔

ظاہر ہے کہ ضروری حکم نہ ہوتا تو آنحضرتؐ نوشتہ کے ذریعہ اپنی امت کو گمراہی سے بچانے کی خواہش کا اظہار ہی کیوں فرماتے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس خواہش کے اظہار میں پیغمبرؐ میں اپنی ذاتی رائے کا دخل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ رسولؐ اپنی خواہش پر (ضروری یا غیر ضروری) کوئی کلام نہیں کرتا جب تک وحی کا نزول نہ ہو جائے۔

اب مسلمان خود یہ فیصلہ کرے کہ کیا پیغمبرؐ کی کسی ایسی تحریر کو جو تمام مسلمانوں کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کی حتمی ضمانت پیش کرتی ہو غیر ضروری قرار دیا جاسکتا ہے یا اس کے ضروری ہونے میں کسی شک و شبہ کا تھوڑا

تو کیا حضرت عمر اس سے اختلاف کر سکتے تھے جبکہ رحلت رسولؐ کے فوراً بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں ابو بکر کو منصب خلافت پر فائز کر کے والے آپ ہی تھے۔

مجھے یقین ہے کہ عمر کو اگر رسولؐ کے اس ارادہ کی ذرا بھی بھنک مل جاتی کہ آپ ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے ہیں تو ایک قلم دوات کیا ہزاروں قلم اور سینکڑوں دواتیں آنحضرتؐ کے سامنے ڈھیر کر دیتے اور کیا عجب تھا کہ دو چار روم کا غزلے کہ خود ہی بیٹھ جاتے اور کہتے کہ حضورؐ کو کتابت میں زحمت ہوگی، لہذا آپ صرف بولتے جائیں اور میں لکھتا جاؤں۔ تحریر مکمل ہونے کے بعد اگر گواہی کی ضرورت پڑتی تو آپ صحابہ ہی نہیں کفار مکہ کو بھی طلب کر لیتے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ابو بکر کی خلافت کے متعلق آنحضرتؐ کے لیے نوشتہ لکھنے کا ارادہ ممکن بھی تھا؟ قطعاً نہیں۔ کیونکہ ابو بکر خلافت کے اہل تھے ہی نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر آپ خلافت کے اہل ہوتے تو سورہ برأت کی تبلیغ سے معزول نہ کر دیے جاتے۔ یہ معزولی ظاہر کرتی ہے کہ آپ میں دینی خدمات کی سرداری یا احکام الہیہ کی تبلیغ و حفاظت کی صلاحیت نہیں تھی۔

جب اللہ اور اس کے حبیبؐ نے ایک معینہ امر کے لیے سورہ برأت کی تبلیغی منصب کے لیے آپ کو پسند نہیں کیا تو اسلام کی ہدایت و قیادت کی عظیم ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کے نااہل کاندھوں پر کیسے رکھ دیتے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ابو بکر میں سرداری اور قیادت کی صلاحیت

روز اول عمر کے روکنے سے رک گئے اسی طرح باقی تین دن بھی رکے رہے، کیونکہ آپ بالکل ہی مجبور تھے اور آپ کا بستر مرگ عائشہ جیسی چالاک و مکار عورت کے حجرے میں تھا جہاں صرف ابو بکر و عمر اور عائشہ و حفصہ وغیرہ کی حکومت تھی کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ ان کے خلافت زبان کھول سکے۔ لہذا ان لوگوں نے جیسا چاہا ویسا کیا۔

بعد میں کچھ کہنے سننے یا لکھنے لکھوانے کا سوال اس وقت پیدا ہوتا تھا جب آپ عائشہ کے گھر سے منتقل ہو جاتے اور حضرت علیؓ و ابن عباس وغیرہ کو پیغمبرؐ سے آزادانہ گفتگو کا موقع فراہم ہو جاتا۔ مگر یہ اس لیے ممکن نہیں تھا کہ علالت کی شدت نے آنحضرتؐ کو اس قدر کمزور و ناتواں کر دیا تھا کہ آپ بے بس ہو گئے تھے۔ اور اگر بغرض حال کسی صورت سے عائشہ کے حجرے ہی میں اس نوشتہ کی تکمیل کر دیتے تو کیا عائشہ، حفصہ، ابو بکر اور عمر کی موجودگی میں وہ نوشتہ وہاں سے عام مسلمانوں تک پہنچ سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔ اس بات کا قطعی احتمال تھا کہ عمر کی عمری فطرت اسے چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی جیسا کہ وفات پیغمبرؐ کے بعد فدک کے پروانہ و انزاری کے معاملے میں یہ فعل آپ سے سرزد ہوا۔

(۴) یہ توجہ اور زیادہ حیرت انگیز و تعجب خیز ہے کہ عبداللہ بن ابوبکر کو بلا کر آنحضرتؐ ابو بکر کے بارے میں خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہیں سمجھا اور فرمایا کہ اہل اسلام خود ابو بکر کے علاوہ کسی کو پسند نہ کریں گے۔

سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ اگر ابو بکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے

اگر بعد میں کی جانے والی وصیتیں قابل توجہ سمجھی گئیں تو پہلی وصیت کی خواہش کیوں رد کر دی گئی؟ جو جھگڑا، جو نزاع اور جو اختلاف قلم و دوات کے مسئلے میں ہوا وہ ان زبانی وصیتوں کے بارے میں کیوں نہیں ہوا؟ عمر نواز علماء کے پاس آخر اس کا کیا جواب ہے؟ بجز اس جواب کے کہ نوشتہ لکھنے کا ارادہ حضرت علیؑ کی خلافت کی تصریح پر مبنی تھا اس لیے نزاعی صورت حال پیدا کر دی گئی اور زبانی وصیتیں چونکہ خلافت سے متعلق نہیں تھیں اور نہ ہی ان وصیتوں سے حضرت عمرؓ یا مخالف پارٹی کا کوئی نقصان تھا اس لیے ان پر نہ حسبناکتاب اللہ کا نعرہ بلند کیا گیا اور نہ ہی ہذیان کی تہمت عائد کی گئی۔ پھر اگر حضرتؓ اپنی ان زبانی وصیتوں میں اپنے مقصد کی وضاحت فرما بھی دیتے تو وہ کب قابل قبول ہوتی جب پہلی ہی مرتبہ یہ کوشش رد کر دی گئی۔ ان مذکورہ توجیہات و تاویلات کے علاوہ شیخ ازہر (شیخ سلیم) نے جن توجیہات کا ذکر کیا ہے اور ان کے جوابات دیے ہیں، پھر اپنا عذر بھی پیش کیا ہے، انھیں ہم علامہ عبدالحسن مشرف الدین کی کتاب نص و اجتہاد سے (جس کے مترجم علامہ ذیشان حیدر صاحب جواد ہیں) نقل کیے دیتے ہیں تاکہ حقیقت پوری طرح آشکار ہو جائے۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

”بعض علماء نے توجیہ کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد واقعاً تحریر کرنے کا نہیں تھا بلکہ آپ اصحاب کا امتحان کرنا چاہتے تھے، حضرت عمرؓ چونکہ اس نکتہ سے واقف تھے اس لیے انھوں نے منع کر دیا اور یہ ان کی الہامی صلاحیت کی واضح دلیل ہے۔“

ہوتی تو آنحضرتؐ آپ کو اسامہ ایسے کمسن صحابی کا ماتحت کیوں بناتے؟ اسامہ کا ماتحت ہو کر مدینہ سے باہر چلے جانے کا پیغمبرؐ کی حکم یہ واضح کرتا ہے کہ نہ ہی آنحضرتؐ کے دل میں آپ کی خلافت کے متعلق کوئی خیال تھا اور نہ ہی امور مملکت میں آپ سرداری کے اہل تھے۔ ورنہ رسول اکرمؐ اسامہ کے بجائے آپ ہی کو لشکر کا امیر بناتے اور دوسرے صحابہ کو آپ کی اطاعت کا حکم دیتے۔

(۵) یہ توجیہ بھی عجیب و غریب ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس اختلاف کے بعد آپ نے جو زبانی وصیتیں فرمائیں اسی میں اپنے مقصد کی وضاحت کر دیتے۔

سوال تو یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جب پہلی وصیت کے لیے قلم و دوات کی خواہش ظاہر کی تو کہا گیا کہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے، ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ لیکن اس کے بعد آپ نے جو وصیتیں کیں ان پر نہ ہذیان کی تہمت عائد کی گئی اور نہ ہی حسبناکتاب اللہ کا شور بلند کیا گیا۔ آخر کیوں؟ کیا آنحضرتؐ کے مرض کی شدت میں تخفیف ہو گئی تھی یا ان زبانی وصیتوں کے وقت آپ کی ہذیان کی کیفیت ختم ہو گئی تھی؟

عقل تو یہ کہتی ہے کہ آنحضرتؐ کے مرض میں تخفیف کے بجائے اور اضافہ ہو گیا ہو گا اور حضرت عمرؓ کے لیے اضافہ کی صورت میں ہذیان گوئی یا بدحواسی کی تہمت زیادہ آسان تھی۔ پھر یہ کیوں نہیں کہا گیا کہ آپ پر مرض کا غلبہ ہے، آپ بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں، اسلام کامل ہو چکا ہے، کتاب اللہ کافی ہے، اب کسی زبانی وصیت کی ضرورت نہیں ہے۔

پر تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ سن تفضلوا کے ہوتے ہوئے یہ عذر انتہائی مہمل ہے۔ اس فقرہ کا ظاہر ہی یہ ہے کہ ہر ہر فرد کی ہدایت کی ضمانت ہے اور پھر قومو مواعنی خود ہی تمام توجیہات کو باطل کرنے کے لیے موجود ہے۔ لہذا ہماری نظر میں بہترین عذر یہ ہے کہ اس ایک واقعہ میں اصحاب سے غلطی کا اعتراف کر لیا جائے اس لیے کہ انسان سے غلطی ہوتی ہی رہتی ہے۔ رہ گیا یہ سوال کہ اس غلطی کی وجہ صحت کیا ہے؟ اس کا علم صرف اللہ کو ہے ہمیں زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ ازہر کی ان توجیہات اور ان کے جوابات کی روشنی میں علامہ عبدالحسن مشرف الدین طاب ثراہ نے اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ موصوف رقم طراز ہیں کہ:

”کہا جاتا ہے کہ حضرت کا مقصود امتحان تھا۔ شیخ ازہر کے جواب کے علاوہ ہمیں یہ کہنا ہے کہ وقت آخر وصیت و تبلیغ کا وقت ہوتا ہے نہ کہ امتحان و مزاح کا۔ اگر حضرت کی پوری مدت حیات امتحان کے لیے کافی نہ ہوتی تو حالت مرض الموت کا زمانہ کس طرح کافی ہوگا؟ پھر اگر واقعاً امتحان ہوتا تو قومو مواعنی سے خطاب نہ کیا جاتا۔ امتحان میں کامیاب ہونے پر قومو مواعنی کی سند نہیں ملتی۔ امتحان کو ہڈیاں گو نہیں کہا جاتا اور صحابی رسول اس حادثہ پر تاثر کر رہے نہیں کرتا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت کا مقصود مشورہ تھا اور حضرت عمر اپنی نظر میں زیادہ صاحب الرائے تھے۔

سوال یہ ہے کہ کیا رسالت ان کی طرف منتقل ہو گئی تھی یا مکر و حی

لیکن ظاہر ہے کہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول کہ ”تم ہرگز گم راہ نہ ہو گے“ امتحان پر حمل نہیں کیا جاسکتا ورنہ آنحضرت کے لیے کذب صریح کا الزام لازم آئے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ:

”بعض حضرات نے یہ عذر کیا ہے کہ یہ حکم واجب نہ تھا بلکہ اصحاب سے ایک مشورہ تھا۔ اس لیے حضرت عمر نے یہ سوچ کر روک دیا کہ ایسے وقت میں آپ کو زحمت ہوگی اس لیے کہ یہ عالم مرض الموت کا ہے یا یہ خیال کیا ہو کہ ممکن ہے کہ عالم مرض میں ایسی باتیں لکھ جائیں جن پر امت عمل نہ کر سکے اور اس طرح بلا وجہ ساری امت جہنم کی مستحق بن جائے، پھر منافقین بھی اس تحریر کو دیکھ کر قرآن کریم کی جامعیت میں اشکال کر سکتے تھے۔

لیکن ظاہر ہے کہ عدم گمراہی کا ذکر ان تمام توجیہوں کو باطل کر دیتا ہے اور ”قومو مواعنی“ کہنا یہ بتاتا ہے کہ یہ رائے حضرت رسول کی نظر میں نہایت درجہ غلط اور مذموم تھی۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

”بعض لوگوں نے یہ عذر کیا ہے کہ حضرت عمر نے اس عبارت پیغمبر سے یہ استنباط ہی نہیں کیا کہ اس میں ہر شخص کو گمراہی سے بچانے کی ذمہ داری ہوگی بلکہ وہ ہی سمجھتے تھے کہ اکٹھا تمام امت گمراہ نہ ہوگی اور ظاہر ہے کہ قرآن کے ہوتے ہوئے یہ بات یوں بھی غیر معقول تھی اس لیے انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ اب ایسی تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی رسول اللہ کا یہ ارشاد کمال احتیاط اور شدت لطف کرم کی بنا

لیکن ظاہر ہے کہ یہ تاویل غلط ہے اس لیے کہ کتاب میں ہدایت کا ذکر ہے، ضلالت سے حفاظت کی ضمانت نہیں ہے اور آج کی تحریر میں یہ ضمانت بھی تھی لہذا کتاب کے بعد بھی اس کی ضرورت تھی بلکہ اگر یہ تحریر سامنے آگئی ہوتی تو اصحاب کو ہدیان گو کہنے تک کی نوبت نہ آتی یعنی امت اس ضلالت سے بھی محفوظ ہو جاتی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کلام سے یہ استفادہ نہیں کیا تھا کہ اس میں ہر ہر فرد کی ہدایت کی ضمانت ہے۔

سوال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ اس قدر کمزور دماغ کے آدمی تو نہ تھے کہ ان سمجھ میں وہ بات بھی نہ آسکے جو ایک بدو عرب بھی سمجھ سکتا تھا۔

پھر اگر سورفہم ہی کی بات ہوتی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بتا دیتے کہ وہ مفہوم نہیں ہے جو تم لوگوں نے خیال کیا ہے، ایسے آدمی کو نکال دینا تو کسی طرح مناسب نہ تھا۔ ابن عباس کا گریہ بے وجہ تو نہ تھا۔

انصاف یہی ہے کہ بقول شہا، یہ ایک واقعہ تھا جو ہو گیا یہ اور بات ہے کہ اسی ایک واقعہ نے اسلام کو تباہی کی منزلوں تک پہنچا دیا اور مسلمانوں میں ایک دائمی افتراق پیدا کر دیا یا بقول شیعہ، یہ صحابہ کرام کا ایک اجتہاد تھا جو نص رسول کے مقابلہ میں پیش کیا گیا اور اس میں ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔ ایک مسئلہ ہے، ایک طرف اللہ کی رائے ہے اور ایک طرف حضرت عمرؓ کی۔ امت کو اختیار ہے جس رائے کو چاہے پسند کرے اور جسے چاہے رد کر دے "اے

سے بھی غلطی کے امکانات پیدا ہو گئے تھے جن کی اصلاح کے لیے ان کے مشوروں کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔
کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتا کی زحمت سے بچالیا۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس میں حضورؐ کی کوئی زحمت تھی تو ارادہ ہی کیوں فرمایا تھا؟ پھر آپ کے ارادہ کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے ارادہ کی قیمت ہی کیا ہے؟ جب کہ قرآن نے عمومی ممانعت کر دی ہے کہ رسولؐ کے مقابلہ میں اپنی بات زندہ کرنے کی کوشش نہ کرو اور ان کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ پھر کیا ہدیان و لغو کے الفاظ سے بھی آپ کی زحماتوں میں تخفیف ہو سکتی تھی؟

کہا جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر میں قلم و دوات کا نہ دینا ہی ادلی تھا۔ اس لیے کہ ایک طرف یہ اندیشہ تھا کہ کوئی ناممکن حکم نہ تحریر کر دیں دوسری طرف منافقین کے اعتراض کا بھی خیال تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عمرؓ کی نسبت زیادہ صاحب الرائے تھے؟ کیا رسول اسلامؐ ناممکن امر کا حکم دے سکتے تھے؟ کیا امت پر آپ کی مہربانیاں زائل ہو گئی تھیں؟ کیا لن تضلوا میں منافقین کے فتنوں سے بچنے کی ضمانت نہ تھی؟ اور اگر منافقین ہی سے خطرہ تھا تو حضورؐ نے ایسا سوال ہی کیوں اٹھایا تھا جس پر غیر منافق حضرات کو بھی ہدیان کہنا پڑا؟

کہا جاتا ہے کہ حسینا کتاب اللہ کی ضرورت ان آیات کے پیش نظر پڑی جن میں کتاب کی جامعیت کا ذکر ہے۔

پھر ابوبکر نے وہ وصیت نامہ اپنے ایک غلام کو دے کر عمر کو اس کے ساتھ کیا تاکہ وہ اس کا اعلان مسلمانوں میں کرادیں۔

یہ اعلان اس انداز سے ہوا کہ عمر کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا اور وہ اسے ہلا ہلا کر کہتے جاتے تھے کہ مسلمانو! جو کچھ یہ غلام کہتا ہے اسے سنو، اس پر عمل کرو اور خلیفہ رسول کا حکم مانو۔

کسی نے پوچھا کہ اے ابو حفصہ! اس وصیت نامہ میں کیا لکھا ہے؟ جواب ملا کہ مجھے نہیں معلوم مگر میں اس حکم کا ماننے والا سب سے پہلا شخص ہوں۔ اس نے کہا کہ تمہیں معلوم ہو یا نہ ہو مگر خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ اس میں کیا لکھا ہے؟ عمر نے کہا کیا؟ اس نے کہا سنو! کل تم نے ابوبکر کو خلیفہ بنایا تھا، اسی احسان کے بدلے میں آج انھوں نے تمہیں خلیفہ بنا دیا ہے۔

اس اعلان کے بعد ابوبکر کے اس غیر جمہوری، خود ساختہ اور ناروا اقدام کی خبر جب عام ہوئی تو اہل اسلام تڑپ اٹھے اور مسلمانوں میں کرب و اضطراب اور غم و غصہ کی وہ لہر پیدا ہوئی جس کی مثال خلفا راشدین، خلفائے بنی امیہ یا خلفائے بنی عباس میں سے کسی خلیفہ کے بارے میں نہیں ملتی۔ لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج کیا، فریادیں کیں اور استغاثے بلند کیے۔

انصار و مہاجرین پر مشتمل ایک بڑی جماعت نے اپنی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے ابوبکر سے کہا کہ تم نے عمر کو ہم پر خلیفہ کی حیثیت سے

چوتھا باب

ڈنڈے کے زور پر اعلان خلافت

۳۱ھ میں مرض الموت نے جب ابوبکر کو اپنے شکنجہ میں جکڑا اور انھیں یقین ہو گیا کہ اب بچنا محال ہے تو آپ کسی خیال کے تحت رفع حاجت کے بہانے سے پاخانے میں جلوہ افروز ہوئے اور کھڑیوں پر کھڑے ہو کر روشن دان سے باہر جھانکا، نہ جانے آپ کو کیا کرشمہ دکھائی دیا کہ لڑکھڑاتے ہوئے فوراً پلٹ آئے اور عجلت میں عثمان کو طلب کیا۔ جب وہ آگئے تو تنہائی میں وصیت نامہ لکھوانے لگے۔ ابھی ”اما بعد“ کا فقرہ زبان سے نکلا ہی تھا کہ بیہوش ہو گئے۔ عثمان سمجھے کہ شاید روح جسم سے پرواز کر گئی۔ انھوں نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی مرضی سے وصیت نامہ میں یہ تحریر کر دیا کہ ”میں نے تمام مسلمانوں پر عمر کو خلیفہ مقرر کیا“

ابوبکر کو ہوش آیا تو انھوں نے پوچھا کیا لکھا ہے؟ عثمان نے پڑھ کر سنایا تو آپ اپنی دلی آرزو کی اس تکمیل پر خوش ہو گئے اور فرمایا کہ شاید تمہیں یہ خوف پیدا ہوا کہ میں ختم ہو گیا۔ عثمان نے کہا یہی خوف اس وصیت نامہ کی تکمیل کا باعث بنا۔ (طبری ج ۴ ص ۵۲)

دعویٰ آج تک شرمندہ دلیل نہ ہو سکا۔ پہلی خلافت صرف عمر کی بیعت سے مسلم ہوئی اور اس کے معاوضہ میں دوسری خلافت ابو بکر کی ذاتی خواہش کی بنا پر مسلمانوں پر مسلط ہو گئی۔

ابو بکر پر عمری غلبہ

حضرت ابو بکر منصب خلافت پر فائز ہونے کے باوجود، عمر کی مرضی کے بغیر اپنی مرضی سے امور خلافت کی آزادانہ و غیر جانبدارانہ انجام دہی میں مجبور، بے بس اور قاصر تھے۔ آپ کسی معاملے میں نہ تو عمر کی مخالفت کر سکتے تھے اور نہ ہی ان کے حکم کی نافرمانی۔ مثال کے طور پر چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اقرع اور زہرقان نامی دو اشخاص ابو بکر کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے کہ ان کے لیے بحرین کا خراج معین کر دیا جائے۔ انھوں نے یہ ذمہ داری بھی قبول کی کہ ان کی قوم کا کوئی بھی شخص اس سے منحرف نہ ہوگا۔ چنانچہ ابو بکر نے ان کی خواہش پر خراج کا فرمان جاری کر دیا۔ حضرت عمر چونکہ فرمان کے اجرا سے متفق نہیں تھے اس لیے انھوں نے اس کے خلاف کڑے کڑے پیروں سے مسل دیا۔ عمر کی یہ حرکت طلحہ کو ناگوار گزری اور وہ غصہ کی حالت میں ابو بکر کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ ابو بکر نے جواب دیا کہ صرف اطاعت میری ہے ورنہ خلیفہ تو عمر ہی ہیں۔

مسلط کر کے اچھا نہیں کیا جب کہ تمہیں معلوم تھا کہ وہ ایک تند خواور درشت مزاج انسان ہیں اور تم ان کی مکاریوں، عیاریوں اور فتنہ پردازیوں سے بھی واقف تھے اور تمہیں یہ بھی معلوم تھا کہ جب وہ تمہارے دور خلافت میں قابو سے باہر تھے تو تمہارے بعد خدا جانے کیا کر گزریں جس سے اسلام کا وجود خطرے میں پڑ جائے۔ تم دنیا کے جاز ہے ہو روز قیامت آخر خدا اور رسول کو کیا جواب دو گے۔

طلحہ کا شمار عشرہ مبشرہ میں کیا جاتا ہے، انھوں نے کہا کہ تم نے (اپنی مرضی سے) عمر کو لوگوں کا حاکم اور خلیفہ بنا دیا ہے، یہ جانتے ہوئے کہ وہ سخت مزاج، اکھڑا اور غلیظ طبیعت کے آدمی ہیں، جب تمہارے عہد میں وہ مسلمانوں پر سختی اور مظالم سے باز نہ آئے تو تمہارے بعد نہ جانے کیا کریں۔ آخر یہ مظلوم کس کی گردن پر جائے گا اور پھر جب خدا اس بارے میں تم سے سوال کرے گا تو کیا جواب دو گے؟

اور جب زبیر نے بھی طلحہ کی طرح احتجاجی گفتگو کی تو ابو بکر بستر علالت سے اٹھ کر تکیہ کے سہارے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم مجھے خدا سے ڈراتے ہو، جاؤ یہ میں اس سے کہہ دوں گا کہ میں نے عمر کو خلیفہ اور حاکم بنایا تھا۔ ابو بکر کے اس غیر اسلامی اقدام اور مسلمانوں کے احتجاج سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ان کی نظر میں حصول اقتدار کے سامنے شرعی و اسلامی قوانین، احادیث نبوی اور نص قرآنی کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور یہی سبب ہے کہ خلافت اولیٰ یا خلافت ثانیہ سے متعلق اجماع کا

باگ ڈور جب حضرت عمر کے ہاتھوں میں آئی تو سب سے پہلا کام انھوں نے یہ کام کیا کہ خالد بن ولید کو فوج کی افسری کے عہدہ سے معزول کر کے ان کی جگہ ابو عبیدہ کو سردار مقرر کیا۔ اور اسی سال ابو عبیدہ نے خالد بن ولید اور عمرو عاص کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کر کے اسے فتح کیا۔ اسی سال عراق فتح ہوا اور اسی سال عمر نے اپنے کو لوگوں سے امیر المؤمنین کہلایا۔ ۱۵ھ میں بصرہ کی آباد کاری کا حکم ہوا اور اس کی حد بندی عمل میں آئی۔ اسی سال ابو بکر کے والد قحافہ ۹۷ برس کی عمر میں اپنے شرک کے ہمراہ دنیا سے رخصت ہوئے۔

۱۵ھ میں حمص فتح ہوا اور رومیوں سے اہل دمشق کی شرائط صلح کے مطابق مصالحت ہوئی۔ اسی سال حماة فتح ہوا اور وہاں کے رومیوں سے اس شرط پر صلح ہوئی کہ ہر زمین کا خراج اور ہر شخص کا جزیہ لازمی ہوگا۔ اسی سال حماة کے بڑے گرجا کو مسجد میں تبدیل کر دیا گیا جو بڑے بازار کی جامع مسجد کہلاتی۔ یہ کارنامہ انجام دینے کے بعد ابو عبیدہ شہر از گئے وہاں کے باشندوں نے بھی صلح کر لی۔ پھر معرہ گئے، معرہ والوں نے

لے قاضی بقال الدین بن واصل نے اپنی تاریخ میں تحریر کیا ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے عہد میں حماة ایک عظیم شہر تھا جو یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور جس کی حیثیت زمانہ فتوحات میں محض ایک قصبہ کی رہ گئی تھی۔

۱۵ھ معرہ کا پہلا نام معرہ الحمص تھا، پھر معرہ نعمان بن بشر انصاری کہا جانے لگا کیوں کہ معاویہ کے زمانہ میں یہ حمص کے ساتھ اس شخص کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

(۲) شہزادی کو نین جناب فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا اور حضرت علی علیہ السلام کے استدلال سے لاجواب ہو کر ابو بکر نے فدک کی واگزاری کا پروانہ تحریر کر دیا تھا جسے عمر نے معصومہ کے ہاتھ سے چھین کر پاش پاش کر دیا اور ابو بکر دیکھتے رہے یہ

(۳) ابو بکر نے شام کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا قصد کیا اور اس کے ہمراہ حصہ کا سردار خالد بن سعید کو بنایا لیکن چونکہ عمر کی مرضی نہیں تھی اس لیے ابو بکر کی ایک زحلی اور خالد کو اسی وقت معزول کرنا پڑا۔ ۱۵ھ (۴) عروہ سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ معاویہ سے ملنے گیا تو اس نے پوچھا کہ مسلول نامی آراضی کس کے پاس ہے؟ میں نے کہا آپ کا مقصد کیا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ اس زمین کو ابو بکر اپنے داماد زبیر کو دینے کے لیے ایک دن مجھ سے دستاویز لکھوا رہے تھے کہ اتنے میں عمر آدھمکے۔ عمر کو دیکھتے ہی ابو بکر نے اس تحریر کو میرے ہاتھ سے لے کر اپنے فرش کے نیچے دبایا اور جب عمر چلے گئے تو وہ تحریر نکالی اور میں نے اسے تمام کیا۔

مذکورہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت اولیٰ ابو بکر و عمر کے درمیان مشترکہ تھی اور حضرت عمر ابو بکر پر چڑھے رہتے تھے۔

عہد عمری کے اہم واقعات

ابو بکر کے انتقال کے بعد ۲۳ جمادی الاخریٰ ۱۵ھ کو حکومت کی

تحریر کر چکے ہیں۔ اسی سال اہواز فتح ہوا جس پر ”ہرمزان“ قابض تھے۔
 ۱۱ھ میں حجاز اور مدینہ قحط کا شکار ہوئے۔ عمر نے قحط زدہ افراد
 کے لیے مختلف شہروں کے حاکموں سے مدد کی اپیل کی۔ ابو عبیدہ شام سے
 چار ہزار اونٹوں پر غلہ لائے۔ قحط سے نجات حاصل کرنے کے لیے پیغمبر
 اسلام کے چچا جناب عباس نے نماز استسقاء پڑھ کر دعا کی اور بارش ہوئی۔
 اسی سال شام میں طاعون کی وبا پھیلی جس کی شدت نے پچیس ہزار مسلمانوں
 کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ابو عبیدہ اور معاذ بن جبل بھی دنیا سے چل
 بسے اور عمر و عاص عمر کی طرف سے شام کا گورنر مقرر ہوا۔

۱۲ھ میں عمر و بن عاص اور زبیر بن عوام نے مصر اور اسکندریہ
 کو فتح کیا، مصر کی حد بندی کی گئی۔ اسی سال آنحضرتؐ کے مودن بلال نے
 انتقال کیا۔

۱۳ھ میں نہاوند کی مشہور جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو شکست
 ہوئی۔ اسی سال ہمدان و اصفہان فتح ہوئے اور اسی سال خالد بن ولید
 نے دنیا سے کوچ کیا۔

۱۴ھ میں آذربائیجان، رے اور جرجان وغیرہ فتح ہوئے۔ اسی
 سال عمر و عاص نے طرابلس اور احفہ بن قیس نے خراسان کو فتح کیا۔
 ۱۵ھ میں مغیرہ بن شعبہ کے غلام ابولولو کا خنجر عمر کے ناف کے
 نیچے اتر گیا اور آپ دس سال چھ ماہ آٹھ دن مسلمانوں پر مسلط رہ کر حکم
 محرم ۱۶ھ کو اپنے سیاہ اعمال کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

لے مذکورہ واقعات تاریخ ابوالفداء سے ماخوذ ہیں

۱۷ھ دیگر شہروں کے لوگوں کی شرائط پر صلح کی۔ اسی سال ظلم و تشدد اور قتل و
 غارت گری کے بعد لاز قبیہ فتح ہوا۔ اسی سال خالد بن ولید اور ابو عبیدہ نے
 قنسرین جو حلب کا پایہ تخت تھا، کو فتح کیا۔ وہاں رومیوں سے سخت جنگ
 ہوئی اور مسلمانوں نے اس شہر کو تباہ و برباد اور تاراج و مسمار کر دیا۔ اس
 کے بعد انطاکیہ، سرمین اور تترین وغیرہ فتح کر لیے گئے اور اسی جانب سے
 شام پر پورا تسلط ہو گیا۔ یہاں سے خالد مرعش کی طرف بڑھے اور اسے
 فتح کر کے وہاں کے باشندوں کو جلا وطن کر دیا اور اس شہر کا نام و نشان
 مٹا دیا۔ پھر مختلف شہروں کی فتحیابی کے بعد بیت المقدس فتح ہوا اور فترتوں
 کی داغ بیل پڑی۔ مسلمانوں کے سیاسی وظائف مقرر ہوئے۔ اسی سال
 سعد بن ابی وقاص کی سربراہی میں جنگ قادسیہ ہوئی اور رستم جو عجمیوں کا
 سپہ سالار تھا مارا گیا۔

۱۸ھ میں سعد اپنی فوج کے ساتھ دجلہ کو عبور کر کے مدائن میں داخل
 ہوا، تلواروں سے خون کی بارش ہوئی اور لاکھوں بے گناہ انسان موت کے
 گھاٹ اتار دیے گئے۔ قصر کسری تاراج ہو گیا اور وہاں سے بے شمار
 دولت اور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسی سال موصل فتح ہوا اور
 اسی سال جبلہ بن ابیہم کا واقعہ پیش آیا جو اپنے پانچ سو ساتھیوں کے ساتھ
 مسلمان ہو کر عمری تشدد کے باعث مرتد ہو گیا تھا۔

۱۹ھ میں کوفہ آباد ہوا اور مسجد الحرام کی توسیع عمل میں آئی مسجد
 کے آس پاس مسلمانوں کے جو مکانات تھے، مسمار کر دیے گئے۔ اسی سال
 معاویہ کے معتمد خاص اور رسولؐ کے ایک بدکردار صحابی مغیرہ بن شعبہ
 کی زنا کاری کا واقعہ پیش آیا، جسے ہم اپنی کتاب ”تفسیر کر بلا“ میں بصرہ

واقعہ نگاران فتوحات پر غور کرے گا تو یہ سوال اس کے ذہن میں ضرور ابھرے گا کہ ابو بکر کے بعد پہلی صدی کے ابتدائی دور میں حضرت عمر اپنے وقت کے ہلاکو، نادر شاہ اور محمود غزنوی تھے یا خلیفہ رسول؟ اگر موصوف اول الذکر حیثیت کے حامل تھے تو سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس وہ کون سا جادو تھا جس نے چند صحرا نشینوں کو ابھار کر طوفان کی طرح فارس و روم کا دفتر الٹنے پر مجبور کر دیا؟ آخر اس کے علل و اسباب کیا تھے جب کہ دور رسالت کے تمام اسلامی غزوات سے آپ کی کنارہ کشی اور فرار ثابت ہے۔

اور اگر آپ کو خلیفہ رسول مان لیا جائے تو بھی سوال یہ ہے کہ آپ کی یہ فتوحات کن اصولوں کے تحت جائز قرار پائیں گی؟ کیا فتنہ و فساد، قتل و غارت گری اور تباہی و بربادی کے المناک واقعات کسی دینی رہبر، روحانی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایان شان ہو سکتے ہیں؟ کیا رسول کریم نے ان ظالمانہ اقدامات کی حمایت و ہمنوائی کی ہے؟ یا کسی ملک پر فوج کشی کر کے اسے تباہ و برباد کیا اور وہاں کے عوام کو بے سبب قتل کیا؟ کیا رسول اکرم کے علاوہ کسی اور پیغمبر، نبی اور ہادی نے تبلیغ و ہدایت کی منزلوں میں ملک گیری کے نام پر بے گناہوں کے خون سے اپنے دامن کو داغدار بنایا ہے؟ کیا اللہ کی طرف سے انبیاء و مرسلین اس لیے بھیجے گئے تھے کہ وہ زمین پر فتنہ و فساد برپا کریں اور خون کی ندیاں بہائیں؟ کیا انبیاء و مرسلین کا طرز عمل اور طریقہ کار یہ تھا کہ جس ملک کے لوگ خدا کو نہ مانیں اس کی وحدانیت کا اقرار نہ کریں اور اس کے دین کو قبول نہ کریں تو وہ اس پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیں اور وہاں کے عوام کو موت

فتوحات عمری پر ایک تنقیدی نظر

اس میں شک نہیں کہ عمر کے عہد خلافت میں اسلامی فتوحات کے نام پر ملک گیری اور مال غنیمت کی ہوس نے مسلمانوں کو خالد بن ولید، ابو عبیدہ، سعد ابن ابی وقاص، عمرو عاص، زبیر بن عوام اور احنف بن قیس ایسے فوجی جرنیلوں، کمانڈروں اور حاکموں کی قیادت میں بڑی بڑی کامیابیوں سے ہمکنار کیا اور انھوں نے جبر و استبداد، ظلم و تشدد، لوٹ مار، آتش زنی، خونریزی اور قتل و غارت گری کو اپنا شعار بنا کر غیر ممالک پر حملہ کیا، وہاں کے باشندوں کو قتل کیا، ان کے گھروں کو تباہ و برباد کیا، انھیں اپنا غلام بنایا اور ان کی جائیدادوں پر قابض ہو کر عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔

عظیم فاتحین عالم کی فہرست میں حضرت عمر کا نام بڑے کرفر سے لیا جاتا ہے اور فخریہ انداز میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے دور میں مفتوحہ و مقبوضہ ممالک کے حدود اربعہ کا رقبہ تقریباً دو لاکھ پچیس ہزار ایک سو تین مربع میل پر محیط تھا اور آپ کی بساط حکومت مکہ معظمہ سے شمال کی طرف ۱۰۳۶ میل، جنوب کی طرف ۸۳۴ میل، مشرق کی طرف ۱۰۸۷ میل اور مغرب کی طرف شام، مصر، عراق، آرمینیا، آذربائیجان، فارس، روم، خراسان، کرمان اور بلوچستان کے کچھ حصوں تک پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود اس مفتوحہ و وسعت پر نہ تو کوئی عقلی دلیل قائم ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسے اسلامی و شرعی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ جب کوئی حق پسند اور نکتہ سنچ

ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سب کچھ کرتے تو حضرت علیؑ بھی یقیناً اس کی پیروی کرتے۔ مگر چونکہ ان ہادیوں اور رہبروں نے ایسا نہیں کیا اس لیے حضرت علیؑ نے بھی خاموشی اختیار کی کیونکہ آپ کا شمار بھی انہیں ہادیوں کی صف میں ہے جیسا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

”جو شخص آدم کو ان کے علم میں، نوح کو ان کے فہم میں، ابراہیمؑ کو ان کے حلم میں، کحی کو ان کے زہد میں اور موسیٰؑ کو ان کی ہیبت میں دیکھنا چاہے اسے لازم ہے کہ علیؑ کو دیکھے۔“
اس حدیث مذکورہ کے ذیل میں علامہ فخر الدین رازی کا کہنا ہے کہ:
”یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم، فہم، زہد اور ہیبت) میں حضرت علیؑ علیہ السلام مذکورہ انبیاء کے برابر تھے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام انبیاء صحابہ سے افضل تھے اور یہ کلیہ ہے کہ جو شخص فضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہوگا۔“
آنحضرتؐ نے بھی حضرت علیؑ علیہ السلام کو اپنی ذات کے مثل قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

”ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ہوتی ہے اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔“

واضح ہو گیا کہ حضرت علیؑ علیہ السلام کا درجہ و مرتبہ چونکہ انبیاء و مرسلین

لے ریاض النظرہ جلد دوم ص ۲۱۸ لے ارجح المطالب ص ۲۵۵

لے ارجح المطالب ص ۲۵۴

کے گھاٹ اتار دیں۔ ان کی عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیں۔ اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ عمری عہد کی فتوحات غیر اسلامی اور غیر شرعی تھیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پھر حضرت عمرؓ کی ان فتوحات کو موصوف کا ذاتی کارنامہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ آپؓ فرمانروا ضرور تھے لیکن آپؓ کی بزدلی و نامردی کا یہ عالم تھا کہ کسی معرکہ میں نہ شریک ہوئے نہ تلوار اٹھائی۔ آپؓ نے امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام سے اکثر و بیشتر جنگی مشورے ضرور کیے مگر چونکہ حضرت علیؑ آپؓ کی شجاعت سے واقف تھے اس لیے آپؓ نے ہمیشہ جنگ کے میدان میں انہیں جانے سے روکا تاکہ رسولؐ کے بعد اسلام کے ماتھے پر شکست کا ٹیکہ نہ لگنے پائے۔

عمری عہد کے جنگی کارنامے دور رسالت کے ان نبرد آزما اور آزمودہ کار جرنیلوں کے تھے جنہیں تقدیر کے چکر نے عمر کے دور حکومت سے متصل کر دیا تھا اور جنہوں نے ان فتوحات کا سہرا حضرت عمرؓ کے سر باندھ کر حکومت کی منک خواری کا حق ادا کر دیا۔

تاریخ کے ایوان میں متعصب مورخین کی یہ آواز بھی سنائی دیتی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے بڑے بڑے ممالک فتح کر کے اسلام کو وسعت دی، اسے بام ترقی تک پہنچایا مگر حضرت علیؑ نے نہ تو کوئی ملک فتح کیا، نہ اسلامی ممالک میں کسی اہم جزو کا اضافہ کیا اور نہ ہی مسلمانوں کے عیش و عشرت کا کوئی سامان مہیا کیا۔

اس کا مختصر سا جواب یہ ہے کہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت

پرحملہ کے دوران رستم اور مغیرہ کے مابین ہونے والی وہ گفتگو ہے جسے تاریخ نے ضبط کر لیا ہے۔ چنانچہ رستم نے مغیرہ سے جب پوچھا کہ تم لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہو؟ تو مغیرہ نے جواب دیا کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہمیں بڑی بڑی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اور ان نعمتوں میں سے ایک نعمت تمہارے ملک میں پیدا ہونے والا وہ غلہ بھی ہے جس کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔ رستم نے کہا کہ اس خواہش میں تم قتل ہو جاؤ گے۔ اس پر مغیرہ بولا کہ ہمیں کوئی فکر نہیں ہے کیونکہ ہم قتل ہو کر بہشت میں جائیں گے اور وہاں کی لذتوں سے لطف اندوز اور اگر بچ گئے تو تم ہمیں جزیہ دو گے یہ

مغیرہ کی گفتگو سے صاف ظاہر ہے کہ ان فتوحات کی غرض صرف یہ تھی کہ عمدہ غذائیں حاصل کی جائیں، اچھے لباس پہنے جائیں اور دنیا کی تمام لذتوں کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی بسر کی جائے۔ مغیرہ کے ان خیالات میں اتنی چنگلی تھی کہ اس نے ایرانی بادشاہ یزدجر کو بھی وہی جواب دیا جو اس کے سپہ سالار رستم کو دیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے خدا کے بارے میں یہ بھی کہا کہ:

”ہمارے خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ ہم لوگوں کو حکم

دیا ہے کہ جو لوگ مذہب اسلام قبول نہ کریں ان سے جزیہ لو

اور اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو ان سے قتال کر دو“

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کے مفہوم و مقصد سے بے نیاز و بیگانہ

کے مساوی تھا اس لیے آپ کے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ احکام الہیہ کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے۔ اس کے برعکس ابوبکر و عمر نے ملک گیری کی ہوس میں جو اقدام کیے یا ان کے عہد میں مسلمانوں سے جو اقدام ہوئے وہ انھیں سکندر، بخت نصر، چنگیز خاں، پولین، محمود غزنوی، بابر اور اکبر وغیرہ کی صف میں شامل کرنے کے لیے کافی ہے۔

عمری دور میں چند صحرائیوں نے فارس و روم کا دفتر کیونکر اٹھ دیا؟ اور یہ فتوحات انھیں کیونکر نصیب ہوئیں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ اس وقت کے بدو اور جاہل عربوں کو جہاد کا غلط مفہوم بتایا گیا اور یہ بات ذہن نشین نہ کی گئی کہ خلیفہ وقت جس مذہب کو فنا کر دینے کا حکم صادر کرے اور جس قوم کو تباہ و برباد کر دینے کا اشارہ کرے وہی دراصل جہاد ہے جس کو خدا اور رسولؐ نے ہر مسلمان پر واجب کیا ہے، اور جو شخص اس پر عمل کرے گا وہ بہشت کا حقدار ہوگا ورنہ جہنم کا مستحق قرار پائے گا۔ انھیں یہ بھی باور کرایا گیا کہ اگر کوئی کافر شخص اسلام قبول کرنے سے انحراف کرے تو تلوار کے زور سے اس پر قابو حاصل کرو اور اس پر بھی کامیابی نہ ہو تو اسے قتل کر دو اس کا مال و اسباب لوٹ لو۔

جاہل اور سادہ لوح عربوں کو مال غنیمت کے دام میں بھی گرفتار کیا گیا اور ان کے ذہنوں پر یہ عقیدہ مسلط کر دیا گیا کہ جنگ و جدال اور فتح و کامرانی کے بعد لوٹ مار بھی ضروری ہے۔ یہ ایسا دام فریب تھا جس نے تمام مفلوک الحال اور عسرت زدہ عربوں کو جکڑ لیا اور وہ عیش و عشرت کی زندگی کا خواب دیکھنے لگے۔ اس کی دلیل ایران

اور کوئی دوسرا فرمانروا ایسا نہیں تھا جو اس دم توڑتی ہوئی حکومت کے پیکر میں توانائیاں بھر سکے۔ دربار کے عمائدین و اراکین سازشوں میں منہمک تھے اور ان سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں متواتر تبدیلیاں ہو رہی تھیں۔ چنانچہ تین ہی چار سال کے اندر چھ یا سات فرمانرواؤں کے ہاتھوں میں زمام حکومت آئی اور نکل گئی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ نوشیرواں سے کچھ پہلے مزوکیہ فرقہ کافی طاقتور تھا جو کفر الحاد کی طرف مائل تھا حالانکہ نوشیرواں نے تلوار کے زور سے انھیں پسپا بھی کیا لیکن ان کی قوت میں کمی نہیں آئی۔ مسلمانوں نے جب فارس کی زمین پر قدم رکھا تو یہ فرقہ بھی انھیں اپنا پشت پناہ سمجھ کر ان کے ساتھ ہو لیا۔ عیسائیوں میں نسطورین فرقہ جسے کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی وہ بھی مسلمانوں کے سائے میں آکر مخالفین کے مظالم سے محفوظ ہو گیا۔ اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقوں کی کمک اور ہمدردی مفت میں حاصل ہو گئی۔ روم کی حکومت کے ساتھ عیسائیوں کے باہمی اختلافات دشمنی کی حد تک پہنچ گئے تھے اس لیے مسلمان اپنے مقصد میں کامیاب رہے اور فتوحات کے دروازے ان پر کھل گئے۔

فتوحات سے رسول اکرمؐ کی پریشانی

سیرت، احادیث اور تفاسیر کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعد مسلمانوں کی اس عیش طلبی دنیا پرستی اور ملک گیری کے تصور سے خوفزدہ اور پریشان تھے۔ چونکہ

مغیرہ کی یہ گفتگو خدا پر افترا و بہتان کے مترادف نہیں تو پھر کیا ہے؟ اس جنگی ہم کے دوران عرب کے مشہور خطیبوں نے میدان کارزار میں جو خطبے دیے ان سے بھی صاف ظاہر ہے کہ وہ مسلمانوں کو یہ لالچ دیتے تھے کہ اگر تم فتحیاب و کامیاب ہوئے تو تمہارے لیے مال غنیمت کی انتہا نہیں ہے اور اگر قتل ہو گئے تو جنت کی لذتیں تمہاری منتظر ہیں۔ جیسا کہ قیس نے اپنی تقریر کے دوران یہ کہا کہ:

”لوگو! گھسان کی جنگ کرو کیونکہ تمہارے سامنے مال

غنیمت ہے اور پشت پر جنت“

یا پھر ربیع بن بلاد نے کہا:

”اے عرب والو! اپنے مذہب اور مال دنیا کے لیے جی کھول کر

شعرا بھی اپنی نظموں میں انھیں خیالات کو پرو کر مسلمانوں کے جذبات کو براہ گنجتہ کرتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے قسمیں کھالیں اور مرنے مارنے پر تیل گئے۔

یہی وہ کامیابی تھی جو فتوحات میں ڈھلتی گئی اور فتوحات کا سیلاب تمام اسلامی اصولوں کو کچلتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔

فارس و روم کی شکست اور تباہی و بربادی کے علل و اسباب یہ تھے کہ عمری عہد میں ان ملکوں کا ستارہ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام حکومت درہم برہم ہو چکا تھا

طرح ہلاک (گمراہ) کر دے گی جس طرح تمہارے قبل کے لوگوں کو ہلاک کر چکی ہے۔“

کبھی زبان رسالت سے یہ جملے بھی ادا ہوئے :

”یقیناً تم لوگ وہ طریقہ اختیار کر گے جو تم سے قبل والوں کا تھا اور تمہارا قدم انھیں کے نقش قدم پر ہوگا، یہاں تک کہ اگر وہ سوسمار کے سوراخوں میں (پوشیدہ) ہوں گے تو تم بھی وہاں داخل ہو جاؤ گے، یعنی گمراہ ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ یہود و نصاریٰ کی پیروی کریں گے؟ آپ نے فرمایا، ہاں!۔“

مولوی وحید الزماں خاں صاحب اس حدیث کی صراحت میں فرماتے ہیں کہ :

”جمع البیہار میں ہے کہ یہودیوں نے اپنے پیغمبروں کو قتل کیا تھا، اس کی پیروی مسلمانوں نے اس طرح کی کہ رسول اللہ کے نواسی حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو قتل کر دیا۔ اسی طرح عبداللہ بن حسن نفس ذکیہ اور زید بن علی اور یحییٰ و ابراہیم فرزند زید اور امام موسیٰ کاظمؑ اور امام علی رضاؑ کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غرض ان مسلمانوں نے ہر لحاظ سے یہودیوں کی پیروی کی اور منجبر صادقؑ نے جو فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔“

کبھی آنحضرتؐ نے اپنے کسی معتبر صحابی سے فرمایا کہ :

”اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے مفتوحہ خزانے

آپ ان فتوحات کے انجام اور پیچ و خم سے بخوبی واقف اور باخبر تھے اس لیے آپ نے بار بار اپنے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ میرے بعد میری تعلیمات کو فراموش نہ کر دینا، اسلام کے مقصد کو پامال نہ کرنا اور ملک گیری کی ہوس میں شریعت کی روح کو مجروح نہ کرنا۔

کبھی آپ نے فرمایا کہ :

”مجھے اس بات کا خون نہیں کہ میرے بعد تم مشرک ہو جاؤ گے، بلکہ مجھے خون اس بات کا ہے کہ تم لوگ دنیا پرستی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔“

کبھی منبر سے یہ آگاہی دی کہ :

”تمہارے مستقبل کے بارے میں مجھے یہ خوف ہے کہ دنیا کی چمک دمک تم پر اپنے دروازے کھول دے گی۔“

کبھی مطلع کیا کہ :

”مجھے یہ ڈر ہے کہ میرے بعد تم لوگوں پر زمین کی برکتیں اور آرائش و زیبائش کی راہیں کشادہ ہو جائیں گی۔“

کبھی ارشاد ہوا کہ :

”مجھے اس کا ڈر نہیں کہ تم فقر میں مبتلا ہو گے بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا اس طرح کشادہ ہو جائے گی جیسے کہ تمہارے قبل والوں پر تھی اور تم لوگ اس دنیا کی پرستش اس طرح کرو گے جیسے تمہارے قبل والے کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا تمہیں بھی اسی

مسلمانوں کے تصرف میں ہوں گے اور ان کے پاس اتنی دولت ہوگی کہ لوگ اپنی مٹھیوں میں سونا اور چاندی لے کر نکلیں گے اور وہ چاہیں کہ کوئی ان سے اس سونا اور چاندی کو لے لے مگر مسلمان اس کی طرف توجہ نہیں کریں گے، پھر وہ اپنے پروردگار سے اس طرح ملیں گے کہ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اور جب ان سے دولت اور مال دنیا کے بارے میں سوال ہوگا تو وہ گھبرا کر اپنی داہنی طرف دیکھیں گے تو صرف انھیں جہنم دکھائی دے گا اسی طرح جب بائیں طرف نظر کریں گے تو ادھر بھی دوزخ کی آگ کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔
ظاہر ہے کہ کسری کے خزانے مسلمانوں کے عظیم ہیر و عمر بن خطاب کے عہد میں فتح ہوئے اور اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خزانوں کے فاتح کا انجام کیا ہوگا۔

علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ کسری کے خزانوں میں سونا، چاندی اور ہیرے جواہرات کے علاوہ کیانی سلسلہ سے نوشیرواں کے عہد تک کے بے شمار نوادرات تھے۔ خاقان چین، راجہ داہر، قیصر روم، نعمان بن منذر، سیاوش اور بہرام چوبین کی زمینیں اور تلواریں تھیں۔ کسری ہرمز اور قباد کے خنجر تھے، نوشیرواں کا تاج زرنگار اور ملبوسات شاہی تھے۔
سرور کائنات نے اپنے صحابہ کو اس اندیشہ سے بھی متنبہ کیا کہ ”دیکھو! میرے بعد تم لوگ کافر نہ ہو جانا کہ لوگوں کی گردنیں اڑانے لگوں۔“
اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ بے وجہ دوسروں کی گردنیں اڑانے

لے بخاری ص ۳۴۰ الفاروق ج ۱ ص ۱۲۰ لے بخاری ص ۸۷

والا شخص پیغمبر کی نظر میں کافر کا درجہ رکھتا تھا۔
یہ تمام حدیثیں اس بات کی بین دلیل ہیں کہ پیغمبر اسلام بے جا مفتوحانہ حملہ آوری، ملک گیری، دنیا پرستی اور سرمایہ داری کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور مسلمانوں کو ان سے دور رہنے کی ہدایت بھی فرماتے رہتے تھے لیکن افسوس کہ آپ کے انتقال کے بعد خلافت اولیٰ اور خلافت ثانیہ میں وہی ہوا جو نہ ہونا چاہیے تھا۔

اسلامی اور غیر اسلامی فتوحات

اسلامی تاریخ کا یہ پہلو انتہائی اجاگر ہے کہ پیغمبر اسلام کو جب اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور مسلمانوں کی اعانت و کفالت کے لیے سرمایے کی ضرورت درپیش ہوئی تو آپ نے نہ تو کافروں کے یہاں ڈاکہ ڈالا نہ ان کا مال و اسباب لوٹا، نہ ان پر مظالم کیے، نہ انھیں شہر بدر کیا، نہ ان کی جائیدادیں ہڑپ کیں نہ ان کے گھروں کو تباہ و برباد کیا نہ ان کے ملکوں پر حملہ آور ہو کر انھیں تلوار یا طاقت کے بل پر اپنی غلامی کے لیے مجبور کیا بلکہ اس کے برعکس ان کے ذہنوں میں وحدانیت کا تصور راسخ کرنے اللہ کے دین (اسلام) کو ان تک پہنچانے اور امن و اتحاد نیز انسانیت کا درس دینے میں حسن اخلاق کے ساتھ ہمہ تن مصروف رہے۔
آپ کا بنیادی نظریہ اور مشن صرف یہ تھا کہ رنگ و نسل کی تفریق کو ختم کیا جائے، انسان کو انسانی حقوق سے آگاہ کیا جائے، لوگ زیور اخلاق آراستہ اور صفات حسنہ سے متصف ہوں، توحید پر ایمان لائیں، خدا کی وحدانیت کا کلمہ پڑھیں، اس کی بزرگی اور برتری کو تسلیم کریں اور اس کی

اور بدلے ہوئے تیور۔ آپ کی دور رس نگاہوں نے اس نزاکت کو اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ کافروں کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے یہ معاملہ کسی وقت بھی کوئی خطرناک صورت اختیار کر سکتا ہے۔ اگر یہ لوگ آمادہ پیکار ہوئے تو ان سے تنہا مقابلہ آسان نہ ہوگا۔

انھیں خیالات و احساسات کے رد عمل میں جناب ابوطالب کے چہرے پر تردد کے آثار نمایاں ہوئے۔ پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ شفیق مہربان چچا کے پائے ثبات میں لغزش کے امکانات ہیں تو آپ ابدیدہ ہو گئے اور فرمایا:

”خدا کی قسم اگر یہ لوگ (کفار مکہ) میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر مہتاب لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے فرض منصبی سے منہ نہیں موڑ سکتا۔“

اس پیغمبری آواز اور صداقت آمیز لہجہ نے جناب ابوطالب کے دل میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا چنانچہ آپ نے فرمایا:

”اگر تمہارا موقف اور فیصلہ اٹل ہے تو تم اپنا کام انجام دیتے رہو، میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میرے تن میں جان باقی ہے، کفار مکہ تمہارا ایک بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔“

اگر رسول اکرم صلعم یا آپ کے چچا حضرت ابوطالب کے دل میں حصولِ زراہاں بانی، حکمرانی یا ملکی فتوحات کا کوئی جذبہ کارفرما ہوتا تو وہ اس موقع پر کفار مکہ کو آسانی سے اپنا ہمنوا بنا سکتے تھے۔ ان سے

لے سیرۃ النبی ابن ہشام ج ۱ ص ۸۹

بارگاہ میں سہ نیاز خم کر کے اس کی معرفت حاصل کریں۔ چنانچہ اسی نظر اور مشن کے تحت آپ نے تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں کفار مکہ کو اسلام کی دعوت بھی دی اور انھیں خدا کی وحدانیت، عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ بھی کیا۔

یہ تاریخی حقیقت دنیا کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے جب بت پرستی کرنے کی اعلانیہ مخالفت اور مذمت شروع کی تو آپ کا یہ طریقہ عمل کفار مکہ کی کافرانہ فطرت پر سخت ناگوار گزرا، چنانچہ قریش کی چند سربرآوردہ شخصیتیں محسن اسلام حضرت ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور ان سے ترمش لہجہ میں اس امر کی شکایت کی کہ تمہارا بھتیجا (محمدؐ) ہمارے خداؤں کی توہین کرتا ہے، اسے سمجھا لو ورنہ ہم اسے برداشت نہ کریں گے۔ اس موقع پر جناب ابوطالب نے انھیں نرمی سے سمجھا بجا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے مختصمت برقرار تھی اور آنحضرتؐ اپنے فرض منصبی سے دست کش نہ ہونے پر مجبور تھے اس لیے اہل مکہ کو دوبارہ پھر حضرت ابوطالب کے پاس آنا پڑا۔ اس وفد میں قریش کے تمام رؤساء مثلاً عتبہ بن ربیعہ، شیبہ اور ابوسفیان وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے پھر کہا کہ تمہارا بھتیجا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا اور تم اس کے خلاف کوئی قدم اٹھا نہیں سکتے لہذا تم درمیان سے ہٹ جاؤ اور اگر یہ بھی ممکن نہیں تو میدان میں اتر آؤ تاکہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ تلوار کے ذریعہ ہو جائے۔

حضرت ابوطالب کے لیے یہ مرحلہ یقیناً سخت تھا۔ ایک طرف نبوت کے تحفظ کا احاطہ اور دوسری طرف کفار مکہ کی دھمکیاں

تاراج اور تباہ و برباد کیا گیا۔

ان خلفاء کی فتوحات کا اصول یہ نظر آتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دنیا کی دولت حاصل کی جائے، ملکوں کو فتح کیا جائے اور وہاں کے عوام کو بربریت، تشدد اور مظالم کے ذریعہ اس امر پر مجبور کیا جائے کہ وہ اہل اسلام کی غلامی کا کلمہ پڑھیں۔ مسلمان ہوں یا جزیہ دیں اور اگر یہ دونوں صورتیں ممکن نہ ہوں تو تلوار کے پانی سے سیراب ہوں۔

کیا ان فتوحات کو اصولی اور اسلامی کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں! خلفاء کے ان غیر اصولی اور غیر اسلامی جنگی کارناموں سے اگر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے جہاد کا تقابل کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کا جہاد حضرت رسولؐ خدا کے جہاد سے صد فیصد مشابہت اور مماثلت رکھتا ہے۔ جس طرح آنحضرتؐ نے صرف اسلام کے مفاد میں دفاعی لڑائیاں لڑیں اسی طرح بعد پیغمبرؐ حضرت علیؑ علیہ السلام نے بھی اپنے عہد میں صرف دفاع کو ملحوظ خاطر رکھا۔ جس طرح رسول اکرمؐ نے اپنے مخالفین کا اس وقت مقابلہ کیا جب وہ لوگ حملہ آور ہوئے۔ بالکل اسی طرح حضرت علیؑ علیہ السلام نے بھی جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں معرکہ آرائی کی جب آپ کے مخالفین کسی طرح حق کی طرف نہیں پلے۔ جس طرح رسول اکرمؐ صلعم نے مخالفین کے شر سے مسلمانوں اور اپنے اصحاب کو محفوظ رکھا اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی اپنے ماننے والوں اور کلمہ گو یوں کی حفاظت کی۔ جس طرح پیغمبرؐ جنگ کے دوران اہل اسلام کو تاکید فرماتے تھے کہ خبردار انسانی اخلاق و آداب سے کنارہ کش

کہتے کہ میری مخالفت پر کیوں کمر بستہ ہو، اسلام قبول کر لو تاکہ دنیا کی دولت پر قابض ہو سکو، مسلمان ہو جاؤ تاکہ دوسرے ملکوں کے خزانے لوٹ کر اپنا گھر بھر سکو، میرے قوت بازو بن جاؤ تاکہ عراق، ایران، شام اور مصر وغیرہ پر حملہ کر کے انھیں تاراج کیا جاسکے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور ان کے اس احتجاج کو سختی سے ٹھکرا دیا۔

حضرت ابوطالبؓ کے اس وعدے اور یقین دہانی سے یہ ظاہر ہے کہ آپ کے دل میں حق کے لیے قربانی کا جذبہ تھا اور رسالت کے ساتھ ساتھ اسلام بھی آپ کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتا رہا۔ غرض کہ حالات جب سازگار ہوئے اور اسلام کی قوت عہد طفولیت سے گزر کر جوانی کی سرحد کی طرف بڑھنے لگی تو کفار مکہ کے دلوں میں عدو نفرت، بعض اور حسد کے شعلے پوری شدت سے بھڑک اٹھے، جس کے نتیجہ میں رسول اکرمؐ صلعم کو متعدد جنگوں اور غزوات کا سامنا کرنا پڑا۔ پیغمبر اسلامؐ کے دور میں جو غزوات رونما ہوئے یا جو جنگیں لڑی گئیں وہ صرف دفاعی اور اسلام کے مفاد میں تھیں۔ رسولؐ کی طرف سے کسی جنگ میں ابتدا نہیں کی گئی نہ کسی قسم کا جارحانہ اقدام عمل میں لایا گیا نہ بربریت اور تشدد کا مظاہرہ کیا گیا۔

اس کے برخلاف حضرت عمرؓ ان سے پہلے ابوبکرؓ اور ان کے بعد عثمانؓ کے دور میں عراق، ایران، شام اور مصر کے ساتھ دیگر دور دراز کے ممالک پر ملک گیری کے لیے حملے کیے گئے، انھیں دل کھول کر لوٹا گیا، وہاں کے عوام کو بربریت اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا، ان پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے، انھیں شہر بدر کیا گیا اور ان کے گھروں کو ویران

میدان کار زار گرم ہوا، گھمسان کی جنگ، ہوئی اور جب حضرت علیؑ کو فتح ہوئی تو آپؑ نے دشمنوں کے لشکر کی ہر چیز ان لوگوں کو واپس کر دی۔ یہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی جو خطبہ دیا اس کی بھی دو باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) سچا مسلمان وہی ہے جس کی زبان یا ہاتھ سے دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔

(۲) خدا کے شہروں اور خدا کے بندوں سے ڈرو، یقیناً تم سے زمین کے ٹکڑوں اور موبیشیوں کا بھی حساب لیا جائے گا۔

مذکورہ دونوں باتوں سے واضح ہے کہ خلیفہ رسول کے فرائض کیا ہیں؟ آپؑ نے تمام مسلمانوں سے اس امر کی تاکید فرمادی کہ غیر ملکوں، شہروں اور نصیبوں کے باشندوں (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) کا بھی خیال رکھو اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

مطلب صاف ہے کہ کسی مسلم یا غیر مسلم کو بے جرم سزا نہ دو، کسی کو پریشان نہ کرو، کسی ملک پر فوج کشی یا حملہ نہ کرو، کسی شہر پر اپنا تسلط نہ جماؤ کیوں کہ تم زمین کے ٹکڑوں اور اس پر چرنے والے موبیشیوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا اور اس کا حساب لیا جائے گا۔

یہ تھی حضرت علیؑ کی شان خلافت اور فتوحات و غزوات سے متعلق آپؑ کا نظریہ۔ اب قارئین کرام کا ذہن آسانی سے اس فیصلے پر پہنچ سکتا ہے کہ حضرت عمر وغیرہ کی فتوحات اسلامی اور اصولی تھیں یا غیر اسلامی اور غیر اصولی۔

نہ ہونا اسی طرح حضرت علیؑ بھی اپنی فوج کو حکم دیتے تھے کہ جنگ کے میدان سے بھاگنے والوں، شکست کھانے والوں، زخمیوں اور کمزوروں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ اپنی طرف سے ابتدا نہ کرنا، پہلے دشمنوں کو سمجھانے بھگانے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرنا۔ جب اتمام حجت کے بعد بھی وہ نہ مائیں اور تمھارے قتل پر تیار ہی ہوں تو تم بھی اپنے دفاع اور بچاؤ کے لیے مناسب اقدام کرنا۔

مالک ابن جون سے روایت ہے کہ جنگ جمل میں جب دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں تو حضرت علیؑ نے اپنی فوج میں یہ اعلان کرا دیا تھا کہ ہماری طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کی جائے، کوئی دشمن پر تیر نہ چلائے نہ کسی شخص پر نیزے یا تلوار کا وار کرے۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ نے اس وقت تک حضرت عائشہ کے لشکر سے جنگ نہیں کی جب تک آپؑ نے ہر طرح کی حجت تمام نہیں کر لی۔ جب تین دن گزر گئے اور حضرت عائشہ کی طرف سے متواتر حملے ہوتے رہے تو حضرت امام حسنؑ، امام حسینؑ اور عبداللہ بن جعفر نے عرض کی کہ ہمارے لشکر کی کثرت سے زخمی ہو رہے ہیں، ہم کب تک تحمل سے کام لیں؟ تو اس موقع پر بھی آپؑ نے فرمایا کہ اگر تم دشمنوں پر غالب آنا تو کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا، جو شخص زخمی ہو کر گر جائے اس پر وار نہ کرنا، جو اشیاء ہنگام جنگ مقتولین کے جسم پر ہوں وہی لوٹی جائیں ان کے علاوہ قتل ہونے والوں کا تمام اثاثہ ان کے وارثوں تک پہنچا دی جائے۔

بہر حال تیسرے دن فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئیں

ظاہر ہے کہ نماز جنازہ ایک دینی خدمت ہے اور مرنے والا کا فریضہ نہیں تھا کہ اس کے جنازے پر نماز حرام ہوتی بلکہ بظاہر مسلمان تھا لہذا آنحضرتؐ کا یہ اقدام آئین شریعت کے عین مطابق تھا اور اس اقدام سے ایسی فتح حاصل ہوئی کہ قبیلہ خزرج کے ایک ہزار افراد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ لیکن افسوس ہے کہ حضرت عمرؓ کی جنگجو طبیعت پر رسول کریمؐ کی یہ بات ناگوار گزری۔ جب کہ حضرت عمرؓ یہ جانتے تھے کہ آنحضرتؐ کا یہ طریقہ عمل منصب نبوت کے تحت ہے۔ اس اصلاحی کوشش اور گستاخی کے بعد عمرؓ کو یہ احساس بھی ہوا کہ اس موقع پر میری سرکشی غلط تھی چنانچہ آپ خود ہی فرمایا بھی کرتے تھے کہ مجھے تعجب ہے کہ میں رسولؐ کی شان میں ایسی گستاخی اور جسارت کر بیٹھا۔

(۲) مندرجہ بالا واقعہ کے ذیل میں حضرت عمرؓ کی یہ حرکت تاریخ سے واقفیت رکھنے والوں کے لیے نئی نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد میں بھی وہ ایسی حرکتیں کرتے رہے۔ ابن حجر عسقلانی نے اصحاب میں ابو عتبہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص کا انتقال ہو گیا تو کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ سے اس کی نماز جنازہ کے لیے درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ اس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ عمرؓ کے اس کہنے پر آنحضرتؐ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا تم میں سے کسی نے اس شخص کو کوئی کار خیر کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص نے جواب دیا کہ وہ فلاں شب ہمارے ساتھ سرحدی محافظین میں تھا۔ یہ سن کر آپؐ نے اس کی نماز میت پڑھی، قبر تک تشریف لے گئے

لے بخاری و مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ طبع مکہ

عمری نکتہ چینیوں اور منصب نبوت

کسی کے کام میں بے سبب نکتہ چینیوں یا کسی کے کلام میں بے وجہ تاویلیں جن کو وہ شخص پسند نہیں کرتا نہ تو شرعی اعتبار سے جائز ہیں اور نہ ہی اصولی لحاظ سے درست ہیں۔ مگر حضرت عمرؓ کی ذات سے یہ تمام وابستہ ہیں۔ آپ پیغمبر اسلام کے ہر اس فعل، ہر اس کام، ہر اس حکم کے بارے میں نکتہ چینیوں اور تبدیلیاں فرما دیا کرتے تھے جو آپ کی سمجھ عقل اور فہم و ادراک سے باہر ہوتا۔ آپ کی گناہ آلود زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے حضرت رسول خدا صلعم کے جس حکم یا فعل کو خواہ وہ مذہبی ہو یا غیر مذہبی شرعی ہو یا امور دنیا سے متعلق ہو، نامناسب سمجھا اس میں ترمیم کر دینا ضروری خیال کیا اور آنحضرتؐ کے اقوال و افعال کو منصب نبوت کے تحت تسلیم کرتے ہوئے اگر خلاف مصلحت سمجھا تو اپنی ذاتی رائے کو ان پر مسلط کرنے میں کسی طرح کا کوئی تامل نہیں کیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت رسول خدا صلعم جب عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو حضرت عمرؓ مزاحمت پر کمر بستہ ہو گئے اور اچھل کر آپؐ کا دامن پکڑ کر کھینچ لیا اور فرمایا کہ آپ منافق کی نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں اور خدا کا حکم ہے منافقین کے لیے استغفار مفید نہیں ہے خواہ وہ ستر مرتبہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کی اس بے ادبی اور جسارت پر تحمل سے کام لیا اور نماز جنازہ ادا کی اور عبداللہ کی قبر تک تشریف لے گئے۔

لے بخاری و مسلم ج ۲ ص ۳۵۷ طبع مکہ

آنحضرتؐ نے ابو بکر کو اس کام پر مامور کرنا چاہا، انھوں نے جواب دیا استغفر اللہ
پھر حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم جاؤ انھوں نے بھی کہا استغفر اللہ ورسولہ میں
اللہ اور اس کے رسولؐ سے استغفار کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں یہ
حضرت ابو بکر اور عمرؓ کا استغفر اللہ ورسولہ کہنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ
نے آنحضرتؐ کے اس حکم کو منصب نبوت ہی کے تحت سمجھا۔ اگر بشریت کے
اقتضایا دنیاوی اعتبار سے سمجھتے تو استغفار کی کیا ضرورت تھی؟

(۵) صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عمرؓ کا یہ قابل مذمت طرز عمل تاریخ
کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا شک مجھے آج ہوا
اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔

اگر حضرت عمرؓ رسول اکرمؐ کے اقوال و افعال کو دو حصوں پر تقسیم کرتے
ایک وہ جس میں منصب نبوت کا رفرما ہوتا اور دوسرا وہ کہ جو دنیاوی حیثیت
یا بشری اعتبار سے ہوتا تو اس موقع پر یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ رسولؐ کی یہ بات
منصب نبوت کے تحت نہیں ہے اس لیے میں نہیں مانوں گا لیکن آپ کا
یہ کہنا کہ ”رسولؐ کی نبوت میں آج سے پہلے ایسا شک نہیں ہوا“ یہ ثابت کرتا
ہے کہ آپ آنحضرتؐ کے ہر قول و فعل کو منصب نبوت ہی کے تحت سمجھتے
تھے اور اسی اعتبار سے اس میں شک یا اعتراض کرنے اور اصلاحی مشورہ
دینے کی گستاخی و جسارت کرتے تھے۔

(۶) غزوہ خیبر میں اصحاب ثلاثہ کی نامزدی و ناکامی کے بعد حضرت
رسول خدا صلعمؐ نے یہ فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو کرا و غیر فرار

اور مٹی دینے کے بعد فرمایا کہ لوگ تجھے جہنمی خیال کرتے ہیں اور میں تیرے جنتی
ہونے کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر آپؐ نے عمرؓ کو آڑے ہاتھوں لیا اور ڈانٹا یہ
اس واقعہ کو مصنف نے ابو منذر کے حالات میں بھی نقل کیا ہے اور طبرانی
نے بھی ہشام بن سعد سے تقریباً یہی روایت نقل کی ہے۔ اور پھر آخر میں
آنحضرتؐ کا یہ قول بھی تحریر کیا ہے کہ جو شخص راہ خدا میں جہاد کرے اس پر
جنت واجب ہے۔

آنحضرتؐ کا یہ اقدام بھی بشری حیثیت سے نہیں بلکہ منصب نبوت کے
تحت تھا لیکن حضرت عمرؓ عمر اپنی نکتہ چینیوں سے بھلا کس طرح باز رہ سکتے تھے؟
(۳) پیغمبر اسلامؐ، بدر میں مقتولین کفار کو آواز دے کر کچھ فرمانے لگے تو
حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا اور آپؐ نے رسول اکرمؐ سے استفسار کیا کہ آپؐ مردوں
سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟ اس پر رسولؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! تم لوگ تو
میری باتیں اتنی بھی نہیں سنتے جتنی یہ کفار کے مردے سنتے ہیں یہ

حضرت رسول خدا صلعمؐ نے اس وقت بدر کے کافر مقتولوں سے جو
کچھ فرمایا وہ منصب نبوت کی حیثیت سے اور عمرؓ بھی اس حقیقت سے خوب
واقف تھے لیکن آپؐ نے رسول اللہؐ پر اعتراض کیا کہ مردوں سے باتیں
کرنا خلاف عقل ہے۔

(۴) غزوہ خندق کے موقع پر ایک شب حضرت رسول خدا صلعمؐ نے
اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا وفادار ہے جو اس وقت جا کر
دشمنوں کی خبر لائے۔ جب سب خاموش رہے اور پہلو تہی کرنے لگے تو

فرمایا کہ یہ سب منافق ہیں اور میری جان لینا چاہتے ہیں۔
اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ کے ٹھوکوں سے مجبور ہو کر اکثر و بیشتر
حذیفہؓ سے یہ پوچھا کرتے تھے کہ: "اے حذیفہ! کیا عقبہ ذی فتنہ کے منافقین
میں میرا نام بھی ہے؟"

حضرت عمرؓ کے اس استفسار پر حذیفہؓ خاموش ہو جاتے۔ آخر کار
عمرؓ نے خود ہی یہ راز اگل دیا کہ اے حذیفہ! خدا کی قسم میں بھی ان منافقین میں
سے ہوں۔

یہ وہ مشہور واقعہ ہے جو تاریخی حوالوں کا محتاج نہیں ہے۔ حضرت
عمرؓ کا اپنے بارے میں حذیفہؓ سے بار بار پوچھنا آپ کی پریشانی اور آپ کا
تردد یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا یہ اقدام رسولؐ کے خلاف غلط تھا، جس کی
سزا صرف جہنم ہے۔

(۸) سورہ برأت کی تبلیغ سے جب حضرت ابو بکر و عمرؓ کو رسول اکرمؐ
نے معزول کیا تو ان دونوں کو سخت صدمہ ہوا اور ابو بکر کے بارے میں
تاریخ تو یہ کہتی ہے کہ وہ رسولؐ کی خدمت میں جب واپس آئے تو بے اختیار
بھوٹ بھوٹ کر رونے لگے۔

اگر رسولؐ کا یہ عمل بشری تصور کیا جاتا تو رونے دھونے اور گریہ زاری
کی کیا ضرورت تھی؟ کہتے ہیں کہ اس معزولی کا تعلق منصب نبوت سے نہیں
ہے یہ تو محض رسولؐ کا ذاتی فعل ہے۔ لیکن اس معزولی کو اپنے لیے ایک
عظیم مصیبت تصور کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ لوگ ہر فعل رسالت کو

ہوگا، خدا اور رسولؐ اسے دوست رکھتے ہوں گے اور وہ خدا و رسولؐ کو دوست
رکھتا ہوگا۔

رسولؐ کے اس فرمان کے بعد اکابرین صحابہؓ نے تمام رات اس بقیاری
میں گزاری کہ دیکھیے یہ تاج کس کے سر پر رکھا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ بھی اس
آرزو میں بے چین رہے اور رسالت مآبؐ کے اس قول میں کسی شک و شبہ
کا اظہار نہیں کیا۔ اگر ان کے دل میں یہ وہم ہوتا کہ رسولؐ یہ اعلان بشری حیثیت
سے کر رہے ہیں تو شاید توجہ بھی نہ دیتے بلکہ (معاذ اللہ) رسولؐ پر ہدیان کی
تہمت قبل از وقت عائد کر دیتے اور کہتے کہ جب ہم لوگ اتنے دنوں کی کوشش
کے باوجود قلعہ خیبر کو فتح نہ کر سکے تو کل کسی شخص میں اتنی قوت اور ایسی شجاعت
کہاں سے آجائے گی کہ وہ فتح کر کے ہی لوٹے گا۔ مگر چونکہ آپ کو اس ارشاد
رسالت پر یقین و اعتماد تھا کہ وہ ہرگز غلط نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ قول منصب
نبوت کے تحت ہے اس لیے دیگر صحابہؓ کی طرح آپ نے بھی وہ رات کرب
بے چینی، تنہا اور آرزو میں گزاری۔

(۷) غزوہ تبوک کی واپسی پر یہ منادی کرادی گئی تھی کہ جس وقت
تیک رسول اکرمؐ کی سواری کا ناقہ "عقبہ ذی فتنہ" سے گزر نہ جائے کوئی
شخص ادھر جانے کی کوشش نہ کرے۔ لیکن وہ منافقین جو رسولؐ کی
زندگی کا چراغ گل کرنے کا منصوبہ تیار کر چکے تھے اس حتمی اعلان کے
باوجود اس گھاٹی میں داخل ہو گئے جدھر سے رسول اکرمؐ کو گزرنا تھا۔
رات کی تاریکی میں آپ کی سواری محتاط انداز میں آہستہ آہستہ گزر رہی تھی
کہ اچانک بجلی چمکی جس کی روشنی میں پیغمبرؐ نے کچھ شناسا چہروں کو دیکھا اور
ان کے نام حذیفہؓ سے جن کے ہاتھوں میں ناقہ کی ہار تھی بتا دیے اور یہ

منصب نبوت پر فائز سمجھتے ہوئے حضرت عمرؓ سے سرزد ہوتی رہیں۔ کیا حضرت عمرؓ کا یہ طرز عمل حقیقی مسلمانوں کے لیے قابل برداشت ہو سکتا ہے؟

دینی و مذہبی صلاحیں

متعہ الحج و متعہ النساء

اسلام کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم ٹھوس، فعال اور تخلیقی قوت رکھنے والا عقیدہ ہے، جو انسان کی عملی و داخلی زندگی پر پوری طرح چھا جاتا ہے اور اس کی تمام عملی و جذباتی قوتوں کو اپنا لیتا ہے۔ اسلام میں نمایاں چیز اس کی ہمہ گیر عملی حقیقت پسندی ہے جو غور و فکر اور میلانات پر حاوی رہتی ہے۔

اسلام کے احکام فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جس میں انسان کے فطری تقاضوں کو ملحوظ خاطر نہ رکھا گیا ہو۔ فروع دین میں اسلام کے استثنائی احکام اور مراعات خود اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اس کے احکام ناقابل عمل نہیں ہیں۔ خاص صورتوں، مثلاً دکھ، درد اور بیماری وغیرہ کی حالت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے یا روزہ رکھنے کے عام احکام میں تبدیلی بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے بیٹھ کر یا لیٹ کر اشاروں سے نماز پڑھنا اور رمضان کے روزے دوسرے دنوں میں قضا رکھنا وغیرہ۔ اسی طرح کوئی شخص خاص وجوہات کی بنا پر ایک مدت تک اپنی زوجہ سے الگ رہے اور اس کی قوت برداشت، شہوانی خواہشات و جذبات کی فراوانی کے

خدا کی مرضی اور وحی کے مطابق سمجھتے تھے۔

(۹) ۱۸ رزی الحجۃ کو غدیر خم میں پیغمبر اسلامؐ نے جب حضرت علیؓ کی خلافت کا آخری اعلان فرما کر آپؐ کی مولائیت پر اپنی ہر شے کر دی تو حضرت عمرؓ نے بھی مبارک باد دی اور کہا کہ اے علیؓ آج سے آپ جملہ مومنین و مومنات کے مولا ہو گئے۔

اگر رسولؐ کے اس اعلان کو حضرت عمرؓ منصب نبوت کے تحت نہ سمجھتے تو مبارکباد کیوں دیتے؟ کہہ سکتے تھے کہ رسولؐ کا یہ اعلان بشری حثیت سے ہے لہذا ہم اس کے پابند نہیں ہیں۔

(۱۰) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طاہرہ کے آخری لمحات میں بغرض نوشتہ قلم و برق طاس کی جو خواہش کی اور اس خواہش پر عمر کی طرف سے جو جواب ملا وہ تمام عالم اسلام پر آشکارا ہے۔

اگر آپؐ آنحضرتؐ کی اس خواہش کو منصب نبوت کے تحت نہ تصور کرتے تو اس سخت کلامی سے نہ پیش آتے کہ رسولؐ نے قَوْمًا عَنِّي کہہ کر انھیں گھر سے باہر نکال دیا۔ آپؐ (عمرؓ) صحابہ سے نرمی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ رسول اللہؐ کی یہ خواہش منصب نبوت کے تحت نہیں ہے اس لیے ناقابل توجہ ہے لیکن آپؐ نے یہ خاص تدبیر اختیار کی کہ قول پیغمبرؐ کو ہدیان سے تعبیر کر دیا۔ یعنی آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ رسولؐ بہر حال رسولؐ ہیں اور یہ خواہش بھی منصب نبوت کے تحت ہے مگر اس وقت چوں کہ مرض کا غلبہ ہے اس لیے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں جو قابل اعتنا نہیں ہیں۔

یہی وہ نکتہ چینیاں دخل اندازیاں اور گستاخیاں ہیں جو رسولؐ کو

ایک مقام پر ارشاد ہوا،

”لوگو! جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو۔“

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

”جو شخص، خدا کی کتاب کے مطابق حکم نہ دے وہ کافر ہے۔“

اور سورہ کہف میں ارشاد ہوا:

”خدا اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔“

معلوم ہوا کہ متعہ کا حکم صرف خدا کی طرف تھا اور اس حکم میں ترمیم و تنسیخ کا حق خدا کے علاوہ رسول اکرم کو بھی نہیں تھا۔ آپ کا فرض منصبی یہ تھا کہ آپ اس حکم الہی کو مسلمانوں پر نافذ کریں۔ چنانچہ اسی حکم سے متعلق عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ ”ہم حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں جایا کرتے تھے اور ہمارے پاس کوئی سامان مقتضائے فطرت کے پورا کرنے کا نہیں ہوتا تھا تو ہم نے (رسول اللہ سے) کہا کہ ہم کیوں نہ اپنے اعضائے شہوانی کو قطع کر دیں، آنحضرت نے اس کی ممانعت فرمائی اور ہمیں اس امر کی اجازت دی کہ ہم عورتوں سے مناسب مہر پر عقد متعہ کر لیا کریں۔“

صحیح مسلم میں یہ روایت یوں منقول ہے:

”عبداللہ بن مسعود نے کہا کہ ہم لوگ جو ان تھے، ہم نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم اپنے اعضائے شہوانی کو قطع کیوں نہ کر دیں۔“

لہ الاعراف ۲۵ المائدہ ۴۴ ۵۴ الکہف ۲۶ ۵۵ بخاری ج ۲ ص ۷۵۹،

مطبوعہ کرزن پریس دہلی ۵۵ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۰ مطبوعہ مجتہبائی دہلی

آگے دم توڑتی نظر آنے لگے، تو کیا وہ اپنی اس جنسی ہوس کی تکمیل کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرے جو اسلامی احکام کے منافی ہو، یا پھر اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اسلام نے چند قیود، پابندیوں اور شرائط کے ساتھ جو مراعاتی احکام دیے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر زنا کے ارتکاب سے محفوظ رہے؟

انہیں خاص مراعاتی احکام میں ایک حکم کا نام ”متعہ“ ہے، جس کی تقسیم دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک متعہ الحج اور دوسرے متعہ النساء۔ ”متعہ الحج“ کو ”متعہ الحج“ بھی کہتے ہیں۔ متعہ کے معنی لطف اندوزی کے ہیں۔ اس میں عمرہ اور حج کے درمیان انسان اپنی عورتوں سے لطف اندوز ہو سکتا ہے اور یہ فریضہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو حدود مکہ سے تقریباً انشائیہ کلومیٹر یا اس سے زیادہ فاصلہ پر آباد ہوں۔

متعہ النساء کی تعریف یہ ہے کہ کسی عورت سے کسی مقررہ مدت کے لیے کسی معینہ مہر کے عوض عقد کیا جائے اور جب وہ مدت تمام ہو جائے تو وہ عورت بغیر طلاق کے علیحدہ ہو جائے اور اتنی مدت تک عدہ کی حالت میں رہے کہ حمل کا شبہ جاتا رہے۔

”متعہ“ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے کہ:

”جن عورتوں سے تم نے متعہ کیا ہو تو انہیں جو مہر معین کیا ہے

دے دو اور مہر کے مقرر ہونے کے بعد اگر آپس میں (کم و بیش پر) راضی ہو

جاؤ تو اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بے شک خدا ہر چیز سے واقف

اور مصلحتوں کا پہچاننے والا ہے۔“

لہ النساء ۲۴

”ہم لوگ رسالت مآب کے پورے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کے پورے دور خلافت میں نیز حضرت عمر کے نصف زمانہ خلافت تک برابر متعہ کرتے تھے مگر حضرت عمر نے اپنے نصف زمانہ خلافت کے بعد یہ کہتے متعہ کی ممانعت کر دی کہ دو متعہ رسالت مآب کے زمانہ میں حلال تھے، متعہ الحج اور متعہ النساء۔ میں ان دونوں کو حرام قرار دیتا ہوں اور ان کے کرنے والوں کو سزا بھی دوں گا“

عمر ابن حصین سے روایت ہے کہ:

”ہم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اور ان کے زمانے میں متعہ کیا کرتے تھے اور آنحضرت نے کبھی منع نہیں کیا اور نہ اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے کوئی آیت اس کی ناسخ اتاری“

ابی نصرہ سے روایت ہے:

”میں نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے کہا کہ ابن زبیر لوگوں کو متعہ سے روکتا ہے اور ابن عباس اس کی اجازت دیتے ہیں۔ پس جابر بن عبد اللہ نے مجھ سے کہا کہ زمانہ رسول اور زمانہ ابوبکر میں ہم متعہ کیا کرتے تھے، پس جب عمر حاکم ہوئے تو انھوں نے یہ خطبہ دیا کہ قرآن ہے تو ہوا کہ رسول ہے تو ہوا کہ ”متعہ الحج اور متعہ النساء دونوں زمانہ رسول میں جاری تھے لیکن میں تم کو ان دونوں سے منع کرتا ہوں“

۱۔ تفسیر درمثور ج ۲ ص ۱۲۰، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۰، تفسیر کشاف ج ۱ ص ۳۵۰، معالم التنزیل و متدرک طبری و صحیح مسلم وغیرہ ۲۔ منہاج احمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۳۹ تا ۲۵۱ ۳۔ منہاج احمد بن حنبل جز اول ص ۵۲

صحیح مسلم میں غزوات کا تذکرہ نہیں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ امن میں بھی اگر زوجہ نہ رہے تو نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے اسلام عقد متعہ کی اجازت دیتا ہے۔ اور ابتدائے اسلام میں متعہ کے جواز کو علماء و مفسرین اہل سنت نے تسلیم کیا ہے۔ علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں رقم طراز ہیں کہ:

”یہ امر متفق علیہ ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں جائز تھا اس

پر تمام امت کا اجماع ہے کسی کو اختلاف نہیں ہے“

علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم المعروف بہ خازن بغدادی کا کہنا ہے کہ ”یہ طریقہ نکاح (متعہ) ابتدائے اسلام میں موجود تھا“ علامہ حسن بن محمد نیشاپوری کا کہنا ہے کہ ”اس امر پر تمام کا اتفاق ہے کہ متعہ ابتدائے اسلام میں مباح و جائز تھا“ ان کے علاوہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی، نواب صدیق حسن قنوجی اور سر سید احمد خاں نے بھی یہی کچھ تحریر کیا ہے۔ مگر افسوس کہ حضرت عمر نے اپنی جہالت و سرکشی کی بنا پر اپنے ذاتی اجتہاد کے ذریعہ خدا اور رسول کے اس حکم کو پامال کر دیا اور سورہ مائدہ کی ۴۴ ویں آیت کے تحت کافر قرار پا گئے۔ جیسا کہ صحابی رسول حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ:

۱۔ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵ و ۱۹۶ مطبوعہ مصر ۲۔ معانی التنزیل ج ۱ ص ۲۲۳ مطبوعہ مصر ۳۔ تفسیر غرائب القرآن ج ۱ ص ۱۲۱ مطبوعہ ایران، تفسیر طبری ج ۵ ص ۱۴ مطبوعہ مصر ۴۔ دیکھئے شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۰، تفسیر آیات الاحکام ص ۷۵ مطبوعہ لکھنؤ اور تفسیر قرآن ج ۲ ص ۳۱۶ مطبوعہ علی بیٹھ۔

تراویح کی بدعت

تراویح درحقیقت حضرت عمر کی ذہنی اختراع کا نام ہے۔ عہدِ رسالت یا اس کے بعد حضرت ابو بکر کے دورِ خلافت میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ بات تاریخی اعتبار سے مستحکم، مسلم اور یقینی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز استسقاء (وہ نماز جو بارش نہ ہونے کی صورت میں مخصوص ترکیب کے ساتھ پڑھی جاتی ہے) کے علاوہ تمام سنتی نمازوں میں جماعت کو ناجائز قرار دے دیا تھا۔ اسی پر حضرت ابو بکر کے زمانہ میں بھی عمل ہوتا رہا لیکن ماہ رمضان ۱۷ھ میں حضرت عمر نے مسلمانوں پر یہ حکم نافذ کیا کہ ہر مسلمان ہر رات تراویح میں گزارے اور مسجد میں کھڑا رہے۔ اس اذیت رسا حکم میں کیا عمری مصلحت کارفرما تھی؟ اسے حضرت عمر یا ان کا اللہ جانے! لیکن یہ فرمان دوسرے شہروں کے لیے بھی روانہ کر دیا گیا اور اس پر عمل کی سخت تاکید کر دی گئی۔ مدینہ میں عورتوں اور مردوں کے لیے دو قاری مقرر کر دیے تاکہ وہ تمام رات تراویح پڑھائیں۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمر نے ایک رات مساجد کا معائنہ کیا اور نمازیوں کو مختلف انداز میں مصروف عبادت پا کر اسی شب تراویح کا فرمان جاری کیا۔

بخاری نے اپنی کتاب تراویح میں عبد قاری سے یہ روایت نقل کی ہے کہ: ”میں عمر کے ساتھ تھا، جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو انھوں نے

لے تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶ ۱۶۷ مؤطا ج ۱ ص ۱۵۴ ۱۵۵ حیوۃ الجنان ج ۱ ص ۲۴۶

صحیح مسلم میں تو یہاں تک ہے کہ۔ عمر نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے جو چاہا مباح کر دیا۔ اب اگر کوئی شخص عورتوں سے تعلق پیدا کرے گا تو میں اسے سنگسار کر دوں گا۔

یہ بات انتہائی حیرت انگیز و تعجب خیز ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری لمحات میں ”قلم و قرطاس“ کی خواہش پر ”حسبنا کتاب اللہ“ کا نعرہ بلند کرنے والا شخص صحیح مسلم کی مذکورہ روایت میں قرآن سے منحرف نظر آتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ”قرآن ہے تو ہوا کرے“ اس انحراف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر متضاد کردار کے مالک بھی تھے اور مصلحت پروری و فتنہ سازی آپ کی فطرت میں داخل تھی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت عمر کی نظر میں نہ قرآن کی کوئی اہمیت تھی نہ حکم الہی کا کوئی پاس و لحاظ تھا اور اللہ کے رسول کا کوئی مرتبہ تھا۔ اسی صورت میں کیا ایسے شخص کو مسلمان کہا جاسکتا ہے؟

اس موقع پر قارئین کے لیے حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی دل چسپی خالی نہیں جس میں آپ فرماتی ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے یا کوئی ایسا عمل کرے جس کے متعلق ہمارا حکم نہ ہو تو وہ شخص مردود ہے۔“

۱۷۸ ص ۸ صحیح مسلم ج ۱

۱۷۹ ص ۸۱۸ و ۸۱۹ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۴ء

حکمت عملی سے ایک ایسی چیز ایجاد کی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود غافل تھے۔ یہ محض ایک خوش فہمی ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ عمر خود احکام رسالت کی حکمت سے بے بہرہ تھے۔ پیغمبر اسلام نے نماز مستحبات کو اس لیے غیر مشروع قرار دیا تھا کہ نماز مستحب کو انسان اپنے معبود سے مناجات کے لیے اختیاری طور پر ادا کرتا ہے۔ اسے ایسی تنہائی چاہیے جہاں وہ باقاعدہ گریہ وزاری، رغبہ و خوف اور انابتہ و توبہ کے ساتھ مناجات کر سکے اور اس کے ساتھ ہی اجتماعی فائدہ یہ ہو کہ گھر کے بچے بھی نماز کے عادی بنیں۔ غالباً یہی سبب تھا کہ جب عبد اللہ بن مسعود نے آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ نماز گھر میں افضل ہے یا مسجد میں؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا گھر مسجد سے ملحق ہے، لیکن میں غیر واجب نمازیں گھر میں زیادہ پسند کرتا ہوں۔

ابن ماجہ وابن خزمیہ وغیرہ نے زید بن ثابت کے فیہ آنحضرتؐ سے روایت کی ہے کہ بعض نمازوں کے توسل سے اپنے گھروں کو بزرگ بناؤ اور بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے نماز والے گھر کو زندہ اور اس گھر کو جو نماز سے محروم ہے مردہ قرار دیا ہے۔ جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کچھ نمازیں گھر میں پڑھ لیا کرو اس لیے کہ اس میں خیر و برکت ہے۔

افسوس ہے کہ ان تمام احکام کے باوجود اپنی بدعت سے مسلمانوں کو ان تمام اجتماعی، مذہبی اور تربیتی فوائد سے محروم کر دیا جن کے لیے سرکارِ رسالتؐ نے نماز مستحب کو فرادی قرار دیا تھا۔

لہ منہ احمد بن حنبل ج ۱ ص ۱۴۱ بخاری ج ۱ ص ۹ و مسلم ج ۱ ص ۳۱۳ موطا،

شرح سیوطی ج ۱ ص ۱۴۰

نمازوں کو متفرق حالت میں دیکھ کر کہا کہ میں انہیں مجتمع دیکھنا چاہتا ہوں اور پھر آپؐ نے تراویح کا حکم جاری کر کے ابی بن کعب کو امام مقرر کر دیا۔ جب دوسری رات آئی تو وہ پھر گئے تو اجتماعی منظر دیکھا اور فرمایا کہ کیا اچھی بدعت ہے؟

علامہ قسطلانی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو بدعت ہے اس لیے تعبیر کیا کہ رسول اللہ ابو بکر کے زمانہ میں اس قسم کا کوئی اجتماع نہ تھا۔ علامہ سیوطی رقمطراز ہیں کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کی ایجاد کی، اُمّ ولد کی بیع سے منع کیا اور نماز میت میں چار تکبیریں کر دیں۔ اس کے علاوہ پہلے پہل امیر المومنین کا لقب اختیار کیا اور متعہ کو حرام قرار دیا۔

علامہ عبد ربہ نے استیعاب میں ابن سعد نے طبقات ج ۳ میں اور ابن شحہ نے روضۃ المناظر ج ۳ کے واقعات میں حضرت عمرؓ کی ان خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

مولوی وحید الزماں خاں حیدر آبادی اس عمری بدعت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ بدعت لغوی کی دو قسمیں ہیں، حسنہ اور سیئہ۔ لیکن بدعت شرعی ہمیشہ سیئہ ہوتی ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ بدعت شرعی کی تعریف علمائے یہ کی ہے کہ کوئی نئی بات ایسی نکالی جائے جس کی دلیل کتاب و سنت نہ ہو۔

تراویح سے متعلق اس عمری بدعت پر علمائے اہل سنت شاید اس لیے مطمئن اور عمل پیرا ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی تدبیر اور

لہ شرح بخاری ج ۳ ص ۲۲ لہ تاریخ الخلفاء ص ۵۳ لہ انوار اللغات ج ۱ ص ۱۹

شخص احکام سے مستثنیٰ ہے۔ عمر نے کہا ہاں یہ درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس عورت کا جنون ایک مشہور بات ہے اس لیے ممکن ہے کہ وہ وقت عمل بھی رہا ہو پھر یہ حد کس طرح جاری ہو سکتی ہے؟ عمر سخت شرمندہ ہوئے اور اپنی غلطی و جہالت کا اعتراف کیا۔ اس واقعہ کو امام احمد نے اپنی مسند میں درج کیا ہے۔

نمبر (۲) حضرت عمر کے پاس ایک زنا کار عورت لائی گئی اور بلا تحقیق آپ نے سنگسار کیے جانے کا حکم جاری کر دیا۔ اس فیصلہ پر حضرت علی علیہ السلام نے عمر کو ٹوکا کہ تجھے تحقیق کرنا چاہیے تھا، شاید اس کے پاس کوئی عذر ہو۔ حضرت علیؑ کے اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے عمر نے اس کا بیان لیا تو اس نے بتایا کہ مجھ پر پیاس کا غلبہ تھا، میں نے ایک شخص سے پانی طلب کیا، اس نے بدینتی کا مظاہرہ کیا، میں نے حتی الامکان صبر کیا، لیکن جب بالکل مجبور ہو گئی اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹے لگا تو اس برے فعل پر تیار ہو گئی۔ یہ بیان سن کر عمر نے فرمایا کہ اللہ اکبر تو تو یہ نص قرآن حد سے مستثنیٰ ہے۔

اس واقعہ کو بھیقی نے سنن میں اور ابن قیمؒ نے ”الطریق حکمت فی السیاسة الشرعیہ“ میں نقل کیا ہے۔

نمبر (۳) ایک زنا کار عورت، حضرت عمر کے پاس لائی گئی اور وہ حاملہ تھی لیکن حضرت عمر نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تو معاذ نے توجہ دلائی کہ اگر عورت خطا کار ہے تو اس کے شکم میں جو بچہ ہے اس نے کیا خطا کی ہے؟ آپ نے فوراً اپنے حکم کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ عورتیں معاذ کا مثل پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس واقعہ کو محمد بن مخلد عطار نے فوائد میں نقل کیا ہے۔

چار تکبیریں

پیغمبر اسلام پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے لیکن حضرت نے اس نماز کو چار تکبیروں میں منحصر کر کے چار یاری بنادیا۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء اور ابن شحنے نے روضۃ المناظر میں تحریر کیا ہے۔ امام احمد نے عبد اللہ بن علی سے روایت کی ہے کہ ”زید بن ارقم نے ایک جنازے پر پانچ تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی تو ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ حضرت عمر کے حکم کے خلاف ہے، انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسولؐ کے ساتھ یوں ہی پڑھی ہے لہذا میں اسے قیامت تک ترک نہیں کر سکتا۔ امام احمد نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ نبیؐ نے حدیضہ کے غلام عیسیٰ کے ساتھ نماز پڑھی اور انھوں نے پانچ تکبیریں کہہ کر یہ یہ اعلان کیا کہ میں نے سنت رسولؐ پر عمل کیا ہے۔ یہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنت رسولؐ میں تبدیلی حضرت عمر کا بنیادی مقصد تھا۔

عمری جہالت اور علوی فراست

نمبر (۱) حضرت عمر نے ایک مجنون اور زانیہ عورت کو سنگساری کا حکم دیا لیکن امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اس عورت کو لوگوں سے چھڑا کر اس کی جان بچالی۔ حضرت کے اس فعل کی شکایت پر عمر نے آپ کو طلب کیا۔ آپ غصہ میں تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا تجھے نہیں معلوم کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجنون، نابالغ اور سوتا ہوا

یہ قرآن کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ ایمان اور عمل صالح والوں کے لیے کھانے پینے پر کوئی بندش نہیں، میں مومن، متقی اور مجاہد ہوں۔ یہ سن کر حضرت عمر خاموش ہو گئے اور لوگوں سے مشورہ کرنے لگے۔ ابن عباس نے حرمت شراب کی آیت سے استدلال کیا اور کہا کہ کیا حرام کام کا انجام دینے والا شخص بھی متقی و پرہیزگار ہو سکتا ہے؟ اس پر حضرت عمر نے استفسار کیا اور انہی کوڑوں کی سزا دی۔ اس واقعہ کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔

نمبر (۸) ایک عورت کو انصار کے ایک نوجوان سے عشق ہو گیا۔ اس نے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے اس نوجوان کو اپنی گرفت میں لینا چاہا لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوا تو وہ عورت انتقام پر اتر آئی اور اس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ انڈے کی سفیدی نکال کر اپنی شرمگاہ اور اس سے ملحق لباس پر مل لی اور اسی حالت میں عمر کے پاس جا کر یہ فریاد کی کہ فلاں شخص نے میری آبرو بریزی کی ہے۔ حضرت عمر نے اس نوجوان کو فوراً طلب کیا اور اس پر حد جاری کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ آپ مجھے سزا دینے سے پہلے تفتیش کیوں نہیں کرتے کہ اس عورت کے بیان میں کہاں تک صداقت ہے۔ اس معاملے کے بیچ و خم کو سمجھنا حضرت عمر کے فہم و ادراک سے باہر تھا اس لیے یہ مسئلہ حضرت علیؑ کے سامنے رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس عورت کے لباس کو گرم پانی میں ڈال دیا جائے، چنانچہ اس کا لباس گرم پانی میں ڈالا گیا اور انڈے کی سفیدی اس کے لباس پر منجمد ہو گئی اور اس کی بدبو سے یہ آشکار ہو گیا کہ یہ انڈا ہے۔ تنبیہ پر اس عورت نے خود بھی اپنی اس حرکت کا اعتراف کر لیا اور وہ نوجوان عمری تازیانوں سے بچ گیا۔ اس واقعہ کو بھی ابن قیم نے الطریق الحکیمہ کے صفحہ ۴۸ پر مرقوم کیا ہے۔

نمبر (۴) ایک عورت۔ حضرت عمر سے زنا کا اقرار کیا، اس موقع پر حضرت علیؑ علیہ السلام موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ اس کے انداز بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عورت حرمت زنا سے ناواقف تھی لہذا اس پر حد جاری نہیں ہو سکتی، چنانچہ حضرت علیؑ کے اس کہنے پر حد منسوخ کر دی گئی۔ اس واقعہ کو ابن قیم نے لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ”یہ حضرت علیؑ کی کمال فراست و دانش مندی کی دلیل ہے۔“

نمبر (۵) حضرت عمر کی عدالت میں ایک شخص کے قتل کا معاملہ پیش ہوا جس میں ایک مرد اور ایک عورت کا ہاتھ تھا۔ عمر نے تشویش کا اظہار کیا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر ایک سرقہ میں دو نریک ہوں تو کیا دونوں کے ہاتھ قطع نہ ہوں گے؟ عمر بولے ضرور ہوں گے۔ آپ نے فرمایا بس یہی حکم یہاں بھی جاری ہوگا۔ عمر نے تسلیم کیا۔ اس واقعہ کو احمد امین نے فخر الاسلام کے صفحہ ۲۳۷ پر رقم کیا ہے۔

نمبر (۶) حضرت عمر نے ایک عورت کو کچھ پوچھنے کے لیے طلب فرمایا تو خوف و دہشت سے اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ حضرت عمر گھبرائے اور علماء و فقہاء سے مسئلہ دریافت کیا۔ سب نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر یہ حکم رعایتاً صادر ہوا ہے تو دھوکا اور اجتہاد ہے تو غلط ہے لہذا آپ پر شرعی فرض ہے کہ آپ ایک غلام آزاد کریں چنانچہ آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔ اس واقعہ کو ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے۔ عمری خوف و دہشت کی ایسی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

نمبر (۷) قدامہ بن مظعون نے شراب پی تو انھیں پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لایا گیا، انھوں نے اس پر حد جاری کرنے کا قصد کیا۔ قدامہ نے کہا کہ

(پانچواں باب)

شوری، وفات، ازواج اور اولادیں

مجلس شوری کی تشکیل اور اس کا لائحہ عمل

مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام حضرت فیروز (ابولولو) کے ابدار اور تیز رو تند خنجر نے جب حضرت عمر کے شکمی نہاں خانے کی تلاشی لی اور اس نتیجہ میں رونما ہونے والے کاری زمخوں کی گہرائی نے آپ کو یقین دلایا کہ اب زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے تو آپ نے اپنے بعد کے خلیفہ کے لیے ایک مجلس شوری تشکیل دی اور اس میں حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عثمان بن عفان، عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ کو نامزد کر کے ان پر یہ پابندی عائد کر دی کہ میرے مرنے کے بعد یہ لوگ تین دن کے اندر اپنے میں سے ایک کو خلیفہ چن لیں اور ان تین دنوں میں امام جماعت کا منصب صہیب کے سپرد رہے گا۔

اس کے بعد ارکان شوری کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کیے۔ فرمایا کہ طلحہ زن مرید اور غرور کا پتلا ہے، اگر وہ خلیفہ ہوا تو خلافت کی انگوٹھی اپنی بیوی کو پہنا دے گا۔ سعد ایک درشت خوار تند مزاج انسان ہے۔ زبیر غصہ کی حالت میں ہو تو کافر ہے۔ عبدالرحمن امت کافر عون ہے۔ عثمان قبیلہ پرست اور کنبہ پرور ہیں انھیں اپنے قبیلے والوں کے علاوہ دوسرا

نمبر (۹) ابن قیم نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ دو آدمیوں نے سودینار ایک عورت کے پاس بطور امانت اس شرط کے ساتھ رکھے کہ وہ کسی ایک شخص کو تنہا واپس نہ کرے جب تک دوسرا شخص بھی موجود نہ ہو۔ ایک سال کے بعد ان میں سے ایک شخص آیا اور دوسرے شخص کی موت کا بہانہ کر کے وہ رقم اس عورت سے طلب کی۔ عورت نے شرط کی بنا پر انکار کیا لیکن اس شخص نے مختلف وسائل و ذرائع استعمال کر کے وہ رقم حاصل کر لی۔ دوسرے سال اس کا دوسرا ساتھی آیا اور اس نے بھی اپنی رقم کا مطالبہ کیا، عورت نے اس سے گزشتہ سال کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اس شخص نے حضرت عمر کے روبرو فیصلہ کے لیے اس معاملہ کو رکھا، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ عورت نے کہا کہ مجھے حضرت علیؑ کے پاس جانے دو اس کا فیصلہ وہی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ وہاں پہنچا، حضرت نے فرمایا کہ تیری یہی تو شرط تھی کہ مال تنہا واپس نہیں لے گا۔ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اپنے ساتھی کو لے آ اور اپنا مال واپس لے لے۔ وہ شخص اپنا سامان لے کر رہ گیا۔

تاریخ کے دامن میں اس قسم کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے عمری جہالت اور علوی فراست کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عمر کی حکمت عملی نے انتخاب کا جو طریقہ تجویز کیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر فریقین میں رائے دہندگان کی تعداد نصف نصف ہو یعنی تین ایک طرف اور تین دوسری طرف ہوں تو ایسی صورت میں عبداللہ بن عمر کو ثالث بنایا جائے اور جس فریق کے متعلق وہ حکم دیں وہی فریق اپنے میں خلیفہ کا انتخاب کرے اور اگر لوگ اس پر رضا مند نہ ہوں تو عبداللہ بن عمر اس فریق کا ساتھ دیں جس کی طرف عبدالرحمن ہوں۔ اور اگر دوسرے لوگ اس کی مخالفت کریں تو انھیں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی کے جرم میں قتل کر دیا جائے۔

آپ (عمر) نے ایک طرف تو یہ کیا اور دوسری طرف یہ کیا کہ عبداللہ کو اس امر کی تاکید کر دی کہ اختلاف کی صورت میں تم عبدالرحمن کا ساتھ دینا ہے اس کے بعد آپ نے ابو طلحہ انصاری کو حکم دیا کہ وہ پچاس شمشیر زن سپاہیوں کو لے کر ان چھ افراد کے سروں پر مسلط ہو جائیں اور انھیں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہونے دیں۔ صہیب کو حکم دیا کہ خود نماز جماعت پڑھائیں اور جماعت کو ایک گھر میں بند کر دیں اور تلواریں ان کے سروں پر لٹکا دیں۔ اور اگر تین دن میں فیصلہ نہ ہو سکے تو سب کی گردنیں اڑا دی جائیں اور معاملہ عام مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے تاکہ وہ جسے مناسب سمجھیں اپنا خلیفہ بنا لیں۔

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی دور رس نگاہوں نے حضرت

۱۔ طبری ج ۳ ص ۲۹۴ ۲۔ طبری ج ۳ ص ۲۹۵ ۳۔ طبری ج ۳ ص ۲۹۲

کامل ج ۳ ص ۳۴، شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۶۱

کوئی نظر ہی نہیں آتا۔ اب باقی رہے علیؑ، وہ اگر خلیفہ ہوئے تو خلافت کو صحیح راستے پر لے جائیں گے جو ہمیں منظور نہیں۔

اس اعتراض کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آپ مجلس شوریٰ کی تشکیل کے بجائے اپنے اختیارات خصوصی سے کسی ایک شخص کو اپنی مرضی کے مطابق خلیفہ نامزد کر دیتے جیسا کہ حضرت ابو بکر نے آپ کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن اعتراض کے باوجود آپ نے شوریٰ کی تشکیل اس لیے ضروری سمجھی کہ اس تشکیل میں بھی آپ کے مقصد کی تکمیل مضمحل نہ ہو اور اس کے ارکان طریقہ انتخاب طریقہ کار اور لائحہ عمل میں وہ تمام اسباب پنہاں تھے جن کے ذریعہ خلافت کا رخ اسی طرف مڑ رہا تھا جہاں آپ موڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایک معمولی سوچ بوجھ رکھنے والا انسان بھی آسانی سے اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اس مجلس شوریٰ کی تشکیل اور حکمت عملی میں حضرت عثمان کی کامیابی کے تمام اسباب فراہم تھے کیونکہ عبدالرحمن بن عوف عثمان کا بہنوئی تھا اور سعد بن ابی وقاص عبدالرحمن کا عزیز و ہم قبیلہ تھا لہذا ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی عثمان کے خلاف تصور نہیں کیا جاسکتا۔ تیسرے طلحہ تھے جو عبدالرحمن اور عثمان کی طرف اس لیے مائل تھے کہ وہ حضرت علیؑ سے منحرف تھے کیونکہ یہ بھی تھے اور ابو بکر کے خلیفہ ہو جانے کی وجہ سے بنی تیم اور بنی ہاشم میں نزاع کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ باقی رہے زبیرؓ، وہ بفرض محال حضرت علیؑ کا ساتھ بھی دیتے تو ان کی تنہا رائے کی اہمیت ہی کیا تھی؟

۱۔ حضرت عثمان کی والدہ اردی بنت کریم پہلے عقبہ بن ابی معیط کی زوجیت میں تھیں جن سے ایک لڑکی ام کلثوم ہوئی اور وہ عبدالرحمن کو باہمی گئی۔

ہو جاتے یا پھر عبدالرحمن کو اپنی من مانی کرنے دیتے۔ پہلی صورت آپ کے لیے ممکن ہی نہ تھی کہ حق سے دست بردار ہو کر آپ خود عثمان یا عبدالرحمن کو منتخب کرتے اس لیے آپ جے رہے اور عبدالرحمن نے اپنے کو اس سے علیحدہ کر کے یہ اختیار سنبھال لیا اور حضرت علیؑ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں اسی شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب خدا، سنت رسولؐ اور سیرتِ شریف پر عمل پیرا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں سیرتِ شریف (ابوبکر اور عمر کی سیرت) پر عمل نہیں کروں گا بلکہ کتاب خدا اور سنت رسولؐ کے ساتھ اپنے مسلک پر چلوں گا۔ تین مرتبہ دریافت کرنے کے بعد جب امیر المؤمنین حضرت علیؑ کی طرف سے یہی جواب ملا تو حضرت عثمان کے سامنے بھی یہی شرطیں رکھی گئیں، ان کے لیے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ انھوں نے عبدالرحمن کی شرطوں کو مان لیا اور ان کی بیعت ہو گئی۔

اس طرح حضرت عمر کی سیاسی حکمتِ عملی اور غلط طریقہ کار نے خلافت کی باگ ڈور بنی امیہ کی ایک ایسی فرد کے ہاتھوں میں سوئپ دی جس کی کنبہ پروری نے اسلام کا بیڑا ہی غرق کر دیا۔

حضرت عمر کی وفات

مغیرہ بن شعبہ کے پارسی غلام فیروز (ابولول) نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس کا پیشہ بخاری، نقاشی اور آہن گری تھا۔ ایک دن وہ

لے مغیرہ بن شعبہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر اور ایک بدکردار صحابی تھا اور اسی نے معاویہ کو یزید کی ولی عہدی کا مشورہ دیا تھا۔

عمر کی اس حکمتِ عملی اور طریقہ انتخاب کو قبل از وقت بھانپ لیا تھا کہ خلافت عثمان کی ہو گئی جیسا کہ آپ نے ابن عباس سے فرمایا:

”خلافت کا رخ ہم سے موڑ دیا گیا ہے۔ ابن عباس نے کہا یہ کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا، میرے ساتھ عثمان کو بھی لگا دیا گیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اکثریت کا ساتھ دو اور اگر دو ایک پر اور دو ایک پر رضا ہوں تو تم ان لوگوں کا ساتھ دو جن میں عبدالرحمن بن عوف ہیں چنانچہ سعد اپنے چچیرے بھائی عبدالرحمن کا ساتھ دے گا اور عبدالرحمن تو عثمان کا بہنوئی ہوتا ہی ہے!“

بہر کیف حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت عائشہ کے حجرہ میں یہ اجتماع ہوا اور دروازہ پر ابوطالب انصاری پچاس شمشیر بکف آدمیوں کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا۔ کارروائی کی ابتدا طلحہ نے کی اور اس نے کہا کہ گواہ رہنا، میں اپنا حق رائے دہندگی عثمان کے حوالے کرتا ہوں، اس پر زبیر نے اپنا حق رائے دہندگی حضرت علیؑ کو سوئپ دیا۔ پھر سعد نے اپنی رائے عبدالرحمن کے حوالے کر دی، اب ارکانِ شوریٰ میں صرف حضرت علیؑ، عثمان اور عبدالرحمن رہ گئے۔ عبدالرحمن نے کہا کہ میں اس شرط پر اپنے حق سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں کہ آپ دونوں (حضرت علیؑ اور عثمان) اپنے میں سے ایک کے انتخاب کا حق مجھے سوئپ دیں یا آپ دونوں میں سے کوئی ایک دست بردار ہو کر یہ حق مجھ سے لے لے۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس میں حضرت علیؑ بن ابی طالب کو ہر طرف سے جکڑ لیا گیا تھا۔ آپ یا تو دستبردار

ازواج

۱۲۔ اہل میں آپ نے اپنی چچری بہن عاتکہ بنت زید سے عقد کیا۔ حضرت عمر کی ایک بیوی ام حکیم تھیں جو حارث بن ہشام کی بیٹی تھیں اور ایک زوجہ کا نام فکیہہ مینیہ تھا جن کے والدین اور نسب کے بارے میں پتہ نہیں چلتا۔
(ماخوذ از انسٹیکلو پیڈیا آف اسلام)

اولادیں

آپ کی لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے لیکن ان میں حصہ زیادہ مشہور و ممتاز ہیں جو اپنے سابق شوہر خنسی کے انتقال کے بعد رسولؐ کے عقد میں آئیں لیکن کچھ خاص وجوہات کی بنا پر حضرت رسولؐ خدا نے انہیں طلاق

دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت مسجد میں ابو لؤلؤ نے اپنے تیز و تند
دودھاری خنجر سے حضرت عمرؓ پر چھ وار کیے جن میں سے ایک کاری وار زیرہ
ناف لگا جس نے گردوں اور آنتوں کا پوسٹ مارٹم کر کے رکھ دیا۔ فوراً
طیب کو بلایا گیا اس نے آپ کو نمید پلائی جو زخم کے راستے سے باہر نکل
پڑی اور لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب جانبر نہیں ہو سکتے۔ یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ
۳۳ھ ہجری مطابق ۶۳۴ء کا ہے۔ تین دن بعد حکیم محمد ۲۷ھ کو حضرت عمرؓ
دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کی مدت خلافت دس برس چھ ماہ اور چار دن بتائی جاتی

لے تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۳۷، ۱۳۸ لے نبید وہ شراب ہے جو خرما اور جوسے تیار کی جاتی ہے۔ (لغات کشوری ص ۷۹)

چھٹا باب حضرت عثمان بن عفان

نام و نسب

آپ کا نام عثمان اور کنیت ابو عبد اللہ و ابو عمر تھی، القاب میں غنی اور ذو النورین بنی امیہ کا عطیہ ہیں۔ نعل کا خطاب ام المومنین عائشہ نے مرحمت فرمایا۔

آپ کے والد کا نام عفان بن ابو العاص بن امیہ اور والدہ کا نام اردی بنت کریم بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس تھا۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کا نسبی سلسلہ پانچویں پشت میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسلک ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات اس لیے قرین قیاس نہیں ہے کہ آپ کا خاندانی تعلق براہ راست بنی امیہ سے ہے اور اموی خاندان کا بانی امیہ عبد شمس کا بیٹا نہیں بلکہ ایک رومی غلام تھا اور اس کا اصل نام ذکوان تھا۔ ولدیت نامعلوم ہونے اور نسبت حقیر و کمتر ہونے کی وجہ سے لوگ اسے امیہ کہہ کر پکارتے تھے چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا اور اسی نام کی نسبت سے اس کی اولاد بنی امیہ کہلائی۔ جیسا کہ

لہ امیہ کے معنی چھوٹی لونڈی کے ہیں۔

دے کر اپنے سے علیحدہ کر دیا تھا۔ حفصہ اور عبد اللہ دونوں حقیقی بھائی بہن اور زینب بنت مطلقون کے بطن سے تھے باقی مختلف بیویوں سے چھ اولادیں اور بھی تھیں جن کے نام بالترتیب عبید اللہ، عاصم، ابو شحمہ، عبد الرحمن، زید اور مجیر کتابوں میں مرقوم ملتے ہیں۔

عبد اللہ فقہ اور حدیث کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ عبید اللہ اپنے باپ کی طرح پہلوانی کی طرف رجوع تھے، ابو شحمہ کو شراب پینے کی لت تھی جس کی پاداش میں حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں اپنے ہاتھ سے انہی کوڑے بھی لگائے تھے، باقی اولادوں کا مشغلہ کیا تھا؟ اللہ جانے!

علامہ ابن حجر عسقلانی نے تحریر فرمایا ہے :

”جب ثعلب معاویہ کے دربار میں پہنچے تو انھوں نے گفتگو کے دوران کہا کہ تم لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے ہو کہ امیہ عبد الشمس کا بیٹا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ذکوان نامی عبد الشمس کا غلام تھا جسے پست اور حقیر سمجھ کر لوگ امیہ کہتے تھے۔“

ثعلب کے اس قول کی تصدیق شریک بن عوز اور معاویہ کے مابین ہونے والے مناظرہ سے بھی ہوتی ہے۔ اور یہی حضرت دغفل (صحابی رسول) اور معاویہ کے مکالمہ میں بھی ہے جسے یہاں نقل کر دینا مناسب ہے۔ دغفل: ہاں! وہ بہت لحیم شحم اور بہادر تھے اور انھیں ان کے فرزندان ستاروں کے مانند گھیرے رہتے تھے۔

معاویہ: کیا آپ نے امیہ کو بھی دیکھا ہے؟ دغفل: ہاں! وہ پست قد، کرجا، چندھا اور انتہائی بد شکل ہونے کے ساتھ ساتھ عبد الشمس کا غلام بھی تھا۔

معاویہ: نہیں، وہ عبد الشمس کا بیٹا تھا۔ دغفل: تم لوگ یہی کہتے ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ عبد الشمس کا غلام تھا، اس کا اصل نام ذکوان تھا اور اسی کو امیہ کہتے ہیں۔ حسان بن ثابت نے بھی امیہ کو عبد الشمس کی اولاد تسلیم نہیں کیا۔ اور بنی امیہ

لہ اصابع ج ۱ ص ۶۱۵ لہ ثمرۃ الاوراق ص ۴۵ لہ روضۃ الانف سہیلی ص ۴۵ لہ دیوان حسان ص ۹۱

کے بارے میں روضۃ المناظر میں ہے کہ شجرۃ ملعونہ فی القرآن سے مراد بنی امیہ ہیں۔ فتح الباری میں ہے کہ بنی امیہ کی زنا کار عورتیں اپنے گھروں پر ”رایت زنا“ لہراتی تھیں۔

بہر حال ان تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ امیہ عبد الشمس کا بیٹا نہیں تھا بلکہ وہ ایک مجہول النسب غلام تھا۔ ایسی صورت میں حضرت عثمان رسول اکرم کے سلسلہ نسب میں کیونکر شمار کیے جاسکتے ہیں البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک پست، حقیر اور ذلیل خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔

عثمانی خانوادہ

حضرت عثمان کے باپ عفان بن العاص سے اپنا دل بہلانے کے لیے لوگ محنت کا کام لیا کرتے تھے یہ سوتیلا باپ عقبہ ابن معیط شراب خانہ چلاتا تھا۔ آپ کی بہن آمنہ مشاطہ گری کرتی تھیں، بہنوئی حکم بن کنان قبیلہ بنی مخزوم کا حجام تھا، چچا حکم بن العاص جاوڑوں کو بدھیا (خصمی) کیا کرتا تھا اور نانا عامر بن کربز قصائی تھا۔

لہ روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل ج ۱ ص ۸۵ لہ فتح الباری ج ۵ ص ۶۵ لہ خلفائے ثلاثہ حصہ سوم ص ۱۰ بجوالہ مثالب بنی امیہ لہ امیہ نے اپنی بیوی اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے عمر کو بیاہ دی تھی جس سے ابو معیط پیدا ہوا۔ لہ اصابع فی معرفت الصحابہ ج ۱ ص ۱۱۴، حیوۃ الحیوان دمیری از کمال الدین حصہ اول ص ۱۹۶ مطبوعہ مصر ۱۳۵۳ھ

مادری دونوں سلسلوں سے مجہول النسب ہیں۔ دوسرے ان کے نام عثمان سے بھی نسب کی خرابی کا پتہ چلتا ہے۔ اس لیے کہ "عثمان" کا مادہ "عظم" ہے اور تاج العروس شرح قاموس ص ۸۶ ص ۳۱۸ کے مطابق ٹوٹی ہوئی ہڈی کا جوڑ صحیح نہ بیٹھ کر ٹیڑھے رہنے کو عظم کہتے ہیں اور "الف و نون" اس میں نسبت کا ہے۔ چونکہ باپ فخت (نامرد) تھا اور ماں فاحشہ، اس لیے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ حضرت عثمان اردی بنت کریم کی گود میں کیونکر پہنچے اور ابن عفان کیونکر بن گئے؟ شاید اسی لیے والدین نے نام بھی ایسا چھانت کر رکھا کہ نام عثمان سنتے ہی انسان ان کا بے جوڑ نسب سمجھ لے۔ اور اگر لفظ "عظم" سے قطع نظر کی جائے تو لفظ عثمان کے چند معانی اور بھی ہیں (۱) سانپ کا بچہ (۲) اڑدہ کا بچہ (۳) سرخاب کا بچہ۔ ان تینوں معانی سے بھی آدمیت نہیں پائی جاتی۔ اور چونکہ قاتلانِ مؤمنین اور موزیانِ بانیِ اسلام کی سفارشیں کر کے ان کی جانیں بچانا ان کا شعارِ خاص تھا اس لیے معانی اول و دوم پورے منطبق ہو گئے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ان کے سلسلہ نسب مشہورہ کے دو، چار پشت کے نام ذلت و رسوائی کا پتہ دیتے ہیں۔ مثلاً باپ کا نام عفان یعنی عفونت سے بھرا ہوا، دادا کا نام عاص یعنی گنہگار، پردادا کا نام امیہ یعنی ذلیل و کمینہ کنیز اور سکر دادا کا نام عبد الشمس یعنی سورج کا بندہ یا سورج کا غلام۔

غرض کہ جیسے کہ حضرت ابو بکر و عمر شریف تھے کہ پہلے صاحبِ جڑ و مار زادے اور دوسرے صاحبِ چرواہے زادے یا لکڑہارے زادے ویسے ہی آپ کے والد ماجد دفانی اور مخنث پیشہ شریف تھے اور جملہ مجہول و معیوب الانساب میں آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ باپ کے مجہول ہونے کے

اردی بنت کریم

اردی بنت کریم آپ کی والدہ ہونے کے ساتھ ساتھ ولید بن عقبہ کی والدہ بھی تھیں اور یہ ولید وہی ہے جسے فاسق و فاجر قرار دیا گیا تھا۔ لیکن آپ نے اسے کو ذی گورنری کا عہدہ عطا کیا۔ اسی ولید کی بستی کے بارے میں مسعودی کا بیان ہے کہ ولید دوسروں پر الزام تراشی کیا کرتا تھا چنانچہ ایک بار اس سے جناب عقیل ابن ابوطالب نے فرمایا کہ تو دوسروں پر الزام تراشی کے بجائے اپنے کو کیوں نہیں دیکھتا کہ تو خود کیا ہے؟ تو اہل صفو کا لہو دگدھا ہے۔ اسی طرح حضرت امام حسن علیہ السلام نے ایک موقع پر فرمایا، تو ایک صفوریہ والے کا نطفہ ہے۔

معلوم ہوا کہ ولید صفوریہ کے کسی یہودی کا نطفہ تھا اور چونکہ عثمان کی ماں اردی اس زمانے میں عقبہ بن ابی معیط کی بیوی تھیں اس لیے ولید عقبہ کی طرف منسوب ہو گیا۔ یہ بات قرین قیاس اس لیے ہے کہ دورِ جاہلیت میں زنا کاری کا مشغلہ عام تھا اور خصوصی طور پر بنی امیہ کا یہ طرہ امتیاز تھا لہذا حضرت عثمان کی والدہ کا عقبہ کی زوجیت میں رہ کر زنا کاری کے ذریعہ حرامی اولاد پیدا کرنا تعجب خیز نہیں ہے۔

حضرت عثمان کا خاندانی پس منظر یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ پدری اور

عہ صفوریہ ایک گاؤں کا نام ہے جو طبریہ میں اردن کا علاقہ ہے جہاں ولید کے یہودی آباء و اجداد آباد تھے۔

لے مروج الذہب حصہ دوم اردو ص ۲۷۲ ۷۷ مقتل حسین خوارزمی ج ۱ ص ۱۱۹

زردی لیے ہوئے گورازنگ، نعل کی طرح گھنی اور لمبی داڑھی، دوش پر لہراتی ہوئی دراز زلفیں، سونے کے تاروں سے بندھے ہوئے بے ترتیب دانت، نرم و نازک جلد پر بالوں کی کثرت اور کمر کا پخلا حصہ بھاری لہ۔ یہ ہے عثمانی حلیہ جو مورخین کے قلم کا مہیون منت ہے۔

ابتدائی حالات

تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ابتدائی حالات قلمبند کرتی ہے جنہوں نے ابتدا ہی میں اپنے صفات و کمالات کی بنیاد پر وقت اور تاریخ کے دھار کو اپنی طرف موڑ لیا ہو یا کوئی شخص ملک و قوم کے لیے ایسی قربانیاں پیش کرے جو تاریخ کا جز بن جائیں، یا پھر کوئی شخص کسی اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ کر خود اپنے ابتدائی حالات کا تذکرہ کرے اور وہ اتنی ہمہ گیری و اہمیت کا حامل ہو کہ تاریخ خود بڑھ کر اس تذکرے کو اپنے دامن میں سمیٹنے کے لیے مجبور ہو جائے مگر یہ صورت اسی وقت ممکن ہے جب تذکرہ کرنے والا شخص خود اپنے ابتدائی حالات سے شرمندہ نہ ہو۔ اور شاید یہی وجہ ہے تاریخ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی طرح حضرت عثمان کے ابتدائی حالات کو مثبت انداز میں بیان کرنے سے قاصر ہے جیسا کہ ڈاکٹر طہ حسین نے تحریر کیا ہے کہ ”حضرت عثمان کے ابتدائی حالات بعض دوسرے

عہ نعل۔ قاموس میں نعل کے معنی نر بچو اور بوڑھے احمق کے ہیں اور مدینہ میں ایک یہودی کا نام بھی نعل تھا جس کی داڑھی بہت گھنی اور لمبی تھی۔

لہ البدایہ والنہایہ ج ۷، طبری ج ۳ اور طبقات ابن سعد ج ۳

علاوہ آپ کی ماں بھی مجہول الاسم تھیں۔

پیدائش

حضرت ابو بکر اور عمر کی طرح حضرت عثمان کی تاریخ پیدائش پر بھی پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ آپ کس تاریخ کو اس دنیا میں وارد ہوئے۔ مورخین کا صرف یہ کہنا ہے کہ آپ واقعہ فیل کے چھ برس بعد اور ہجرت نبوی سے ستائیس برس قبل پیدا ہوئے۔ یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ کہاں پیدا ہوئے؟ بعض کا خیال ہے کہ آپ کی جائے پیدائش طائف ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ ۵۵ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش اور سن پر تبصرہ کرتے ہوئے مصری مورخ ڈاکٹر طہ حسین نے کیا ہی اچھی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

”کوئی صاحب آپ کو ۶۳ برس ہی کا بتاتے ہیں محض اس خیال سے کہ حضرت عثمان کا شمار بھی ۶۳ برس کی عمر میں مرنے والوں میں ہو جائے اور ان کو رسول کا ہم عمر بنا دیا جائے“

حلیہ

خوب صورت چہرہ پر چمچک کے بد نما داغ، بل کھائے ہوئے خمدار ابرو، ضرورت سے زیادہ اونچی اور ناموزوں ناک، عقابی آنکھیں، میانہ قد

لہ ”عثمان“ ترجمہ الفتنة الکبریٰ ص ۶۸ مطبوعہ ممبئی

لہذا ایسے خاندان میں عمومی طور پر بچوں کی جو تربیت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے یا پھر ”عثمانی خاندانہ“ کے عنوان سے آپ کے خاندانی افراد کے مشاغل کی جو تفصیل ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں، اس سے ہر ذی فہم انسان اس بات کا اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے کہ آپ کی تربیت کیسی ہوگی؟

پیشہ کے بارے میں صرف اتنا ہی کافی ہو گا کہ آپ کی ذہنیت ابتدا ہی سے تاجرانہ تھی اور جب سن شعور کی منزل میں قدم رکھا تو تجارت کی طرف مائل ہوئے اور اپنی منافع خوری کی بدولت خوب دولت حاصل کی طبقات ابن سعد حصہ سوم میں ہے کہ آپ اپنا تجارتی مال نفع کی شرکت (مضاربت) پر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ مسند احمد بن حنبل ج اول میں ہے کہ جب آپ مدینہ میں آئے تو وہاں کھجوریں بیچا کرتے تھے۔

پوشاک و خوراک

آپ کو شاید ”زردی“ زیادہ پسند تھی اس لیے آپ ہمیشہ گہرے زرد رنگ کی پوشاک اپنے لیے منتخب کیا کرتے تھے۔ تہ بند، کرتا، پگڑی اور موزہ سب زرد۔ کبھی کبھی آپ کے جسم پر شوخ و سرخ لباس بھی نظر آتا تھا اور کبھی کبھی اپنی بیوی (نائلہ) کی یمنی چادر اوڑھ کر برآمد ہوتے تھے جس کی قیمت تقریباً دو سو درہم بتائی جاتی ہے۔ کھانے اور ”پینے“ کے بھی بے حد شوقین تھے۔ گھی، دودھ، انڈا، اور طیور و دنبوں کا گوشت آپ کی مرغوب غذا تھی۔

عثمانی اسلام | حضرت ابو بکر اور عمر کے مشرف بہ اسلام ہونے کی

صحابہ کی طرح تاریخ کی گرفت سے باہر اور عہد جاہلیت کی تاریکی میں ہیں۔ یا جیسا کہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمایا ہے کہ ”بچپن اور سن رشد کے حالات پردہ خفا میں ہیں“ تاریخ کامل ابن اثیر میں خود حضرت عثمان کا یہ قول ہے کہ میں ایسے خاندان سے ہوں جو قلیل المعاش اور فقر و فاقہ کا گہوارہ تھا۔

تعلیم و تربیت اور پیشہ

حضرت عثمان کی تعلیم کیا تھی اور آپ کا معلم کون تھا؟ اس کے جواب میں تاریخ خاموش ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر ظہر حسین نے بھی لکھا ہے کہ حضرت عثمان کی تعلیم پر عہد جاہلیت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود بعض عثمان پرست سنی علماء کے قلم نے محض قیاس و قرائن کی بنیاد پر آپ کو پڑھا لکھا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ معین الدین ندوی نے اپنی کتاب خلفائے راشدین میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں (عثمان) نے عام عربوں

کے خلاف اسی زمانہ میں کچھ پڑھنا لکھنا سیکھ لیا تھا“

آپ کی ابتدائی تربیت کن حالات میں ہوئی؟ اس سلسلہ میں بھی تاریخیں خاموش ہیں لیکن اس کا اندازہ اس لیے محال نہیں ہے کہ بقول عثمان ان کا خاندان ایک قلیل المعاش اور فاقہ کش خاندان تھا

لہ عثمان ص ۶، مطبوعہ مجبئی ۱۵ و ۱۶ خلفائے راشدین ص ۱۸۴ مطبوعہ دار المصنفین عظیم گڑھ

آئینہ دکھایا اور ابو بکر و عمر کے سفاکانہ مشوروں نے مجبور کیا تو آپ نے اسلامی قلابہ اپنی گردن میں ڈال لیا تاکہ ثلاثہ پلان کے تحت ایک دوسرے کے مفاد کی تکمیل ممکن ہو سکے۔

کفار مکہ کا ریلا اور آپ کی ہجرت

دائرہ اسلام میں قدم رکھتے ہی کفار مکہ نے آپ کو ایسا ریلا دیا کہ آپ کے حواس باختہ ہو گئے۔ اسلام لانے کی پاداش میں آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو ایک مکان میں قید کر دیا تھا لیکن آپ کسی طرح نکل بھاگے۔

کفار کی بڑھتی ہوئی یورش اور مسلمانوں کے درمیان سر اٹھاتی ہوئی سرمایہ گمی کو دیکھ کر پیغمبر اسلام نے کچھ لوگوں کے ساتھ آپ کو بھی حبشہ کی طرف مہاجر ت کا حکم دیا اور اسی حکم کے تحت آپ کفار مکہ سے بچ کر بعثت نبوی کے پانچویں سال ماہ رجب میں حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس وقت حبشہ پر عیسائیوں کا تصرف تھا اور اس کا بادشاہ نجاشی تھا جس کا اصل نام اصمہ بن یحییٰ تھا۔

آپ کا قافلہ المردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ مردوں میں آپ کے علاوہ زبیر بن عوام، عبداللہ بن مسعود، عبدالرحمن بن عوف، مصعب بن عمیر، ابوسلمہ بن عبدالاسد، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ، سہیل بن بیضا، حاطب بن عمرو اور ابو حذیفہ بن عتبہ شامل تھے۔ اور عورتوں میں آپ کی زوجہ رقیہ کے علاوہ ابوسلمہ کی بیوی ام سلمہ، عامر کی زوجہ لیلیٰ اور ابو حذیفہ

جو جوہات تھیں انھیں تفصیل کے ساتھ ہم الخلفاء حصہ اول میں تحریر کر چکے ہیں، تقریباً وہی صورت عثمانی اسلام کی بھی ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور اقتدار کی ہمہ گیری نے آپ کو اپنی طرف متوجہ کیا اور آپ کے اس اقدام میں ابو بکر کا مشورہ بھی شامل ہے جیسا کہ عبدالحی فاروقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کے تعلقات ایام جاہلیت میں حضرت ابو بکر سے دوستانہ تھے، ایک روز (آپ) حضرت ابو بکر سے ملنے آئے تو اسلام کی بابت گفتگو ہوئی اور آپ نے قبول اسلام کی آمادگی ظاہر کی۔ اور خلفائے راشدین میں یہ عبارت مرقوم ہے کہ:

”ایام جاہلیت میں ابو بکر و عمر سے آپ کا ارتباط تھا اور آپس میں

اکثر مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز جب آپ ابو بکر کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع ہوئی تو آپ اسلام قبول کرنے پر رضامند ہو گئے۔“

ڈاکٹر طرہ احسن کی کتاب الفتنۃ الکبریٰ کے اردو ترجمہ ”عثمان“ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کی خالہ سعدی نے نبی کریم صلعم سے متعلق آپ سے کچھ باتیں کیں اور آپ کو (اسلام کی) رغبت دلائی۔ یہ کاہنہ تھیں اور غیب کی باتیں بتاتی تھیں۔“

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان برضا و رغبت اپنی خوشی سے اسلام کی طرف مائل نہیں ہوئے بلکہ آپ کی کاہنہ خالہ سعدی کی پیشین گوئی نے آپ کی ہوس آمیز فطرت کو ابھارا۔ دولت و اقتدار کی خواہش نے مستقبل کا

کے ذریعہ حضرت ابو بکر خارجہ بن زید کے، حضرت عمر عثمان بن مالک کے بھائی قرار پائے۔ اور جب تمام مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم ہو چکا تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ میں تو یوں ہی رہ گیا، اس پر آنحضرتؐ نے یہ فرمایا کہ اے علیؑ! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی و صی اور جانشین ہو۔ واضح رہے کہ ہجرت سے قبل مکہ میں بھی ایک بار رسول اکرمؐ نے مواخات قائم کیا تھا اور اس مواخات میں ابو بکر و عمر، عثمان و عبد الرحمن بن عوف اور طلحہ و زبیر میں بھائی چارے کی داغ بیل پڑی تھی، اس وقت بھی آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ یا علیؑ! میرے بھائی تم ہو۔

غزوات میں عثمانی حصہ

قتال و جہاد کے ذیل میں یہ تجزیہ ضروری ہے کہ ”ثلاثہ کمیٹی“ کے آخری رکن حضرت عثمان نے دور رسالت کے اسلامی غزوات میں کیا حصہ لیا؟ جب کہ جہاد کے بارے میں قرآنی ارشادات حسب ذیل ہیں:

”مسلمانو! خدا کی راہ میں جہاد کرو اور یہ جان لو کہ خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔“ (بقرہ آیت ۲۴۴)

”کیوں قتال نہیں کرتے تم اس قوم سے جس نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کو نکالنے کا تہیہ کر لیا۔ اور پھر اسی قوم کے لوگوں نے تم سے (پہلے پہل) چھوڑ لی۔ کیا تم لوگ ان سے ڈرتے ہو؟ بس اگر تم مومن ہو تو خدا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔“

(توبہ آیت ۱۳ و ۱۴)

”جب تمہیں حکم دیا جائے تو فوراً چل پڑو اور اپنی جانوں اور

کی بیوی سہیلہ کے نام کتب تواریخ میں درج ہیں۔ طبری کے یہاں ان پندرہ ناموں کے علاوہ ابوسبرہ بن ابی رہم کے نام کا اضافہ ملتا ہے۔ حضرت عثمان نے شعبان اور رمضان کا مہینہ حبشہ میں گزارا اور جب ان تک یہ افواہ پہنچی کہ کفار قریش مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ماہ شوال میں حبشہ سے واپس آ گئے۔ مگر مکہ کے قریب آ کر جب ان پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کفار پہلے سے بھی زیادہ دشمنی پر آمادہ ہو گئے ہیں تو وہ دشمنوں سے بچنے کے لیے مخفی طور پر ایسی جگہ سکونت پذیر ہو گئے جہاں انھیں پناہ مل سکتی تھی۔

مواخاة

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور پانچ یا آٹھ ماہ کے بعد وہاں کے لوگ مسلمان ہوئے تو آپؐ نے انصار و مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت قائم کیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مہاجرین مکہ پر افسردگی طاری ہو گئی تھی وہ اس آب و ہوا کے عادی نہ تھے۔ بہت سے لوگ بیمار پڑ گئے اور بیماری، کمزوری اور ناتوانی میں انھیں اپنے آبائی وطن مکہ کی یاد ستانے لگی۔

چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کے آرام و تسلی کا خیال کرتے ہوئے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ (عقد مواخات) قائم کیا۔ اس مواخات

لے ابو الفداء ج ۱ ص ۱۸۸۔ ابن سعد جلد اول ص ۱۳۴، ثمرۃ الادراک ج ۱ ص ۱۰۸

لے (دیکھیے) روضۃ الاحباب، تاریخ طبری اور تاریخ الخلفاء

یہ جنگ سلسلہ میں مدینہ سے ۸۰ میل کی دوری پر واقع بدر نامی ایک گاؤں کے قریب لڑی گئی اور اس جنگ میں معرکہ آرائی کے لیے لشکر اسلام کل ۳۱۳ مجاہدین پر مشتمل تھا جن کے پاس صرف دو عدد گھوڑے تھے۔ اس کے برعکس کفار کا لشکر ایک ہزار جنگ جو اور خونخوار سپاہیوں پر مبنی تھا جس میں قریش کے آزمودہ کار جرنیل بھی شامل تھے اور ستوا گھوڑوں کا ایک رسالہ بھی۔ ظاہر ہے کہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی لہذا ایسی صورت میں اسلام کے جانناز سپاہی اگر جذبہ سرفروشی اور قوت ایمانی کا مظاہرہ نہ کرتے تو اس جنگ میں اسلام شکست سے بھی دوچار ہو سکتا تھا لیکن چونکہ تائید الہی شامل تھی اس لیے مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور اس فتح کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مدینہ اور اس کے اطراف کے یہودیوں نیز قرب وجوار کے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک جم گئی۔

یقیناً یہ غزوہ بڑی اہمیت کا حامل تھا اور اس میں جن صحابہ کرام نے حصہ لیا تھا انھیں آج ”بدری صحابہ“ کے نام سے یاد کیا جاتا اور عزت و احترام کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے لیکن حضرت عثمان اس شرف سے محروم ہیں۔ تاویلاً اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیوی رقیہ کی علالت اور بیماری کی وجہ سے رسول اللہ کے حکم کے مطابق رُک گئے تھے۔ مگر میرے خیال سے یہ غلط ہے اور محض حضرت عثمان کی حمایت میں یہ روایت وضع کی گئی ہے۔ ورنہ حقیقت سے قریب تر اور قرین قیاس بات یہ ہو سکتی ہے کہ اس جنگ میں خاندان بنی امیہ کی کچھ ایسی سربراہان اور سرکش شخصیتیں پیغمبر اسلام کے مقابلہ میں صف آرائی

اپنے مالوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرو اگر تم کچھ جانتے ہو تو سمجھ لو کہ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے“ (توبہ آیت ۴۱)

”ایمان والو! جب تم میدان میں کفار سے لڑو تو ان کی طرف ہرگز ہرگز پیٹھ نہ پھیرو۔۔۔۔۔ اور جو شخص بھی اس دن کفار کی طرف پیٹھ پھیرے گا تو وہ (سمجھ لے کہ) خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو (یقیناً) برا ٹھکانہ ہے“ (انفال آیت ۱۷)

ظاہر ہے کہ ان احکامات الہیہ کے خلاف عمل کرنے والا شخص اللہ رسول اور اسلام کی نظروں میں کافر قرار پائے گا لیکن اس کے باوجود تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ابو بکر، عمر اور عثمان نہ صرف بعض اسلامی غزوات سے کنارہ کش رہے بلکہ فرار بھی اختیار کرتے رہے۔ حضرت عثمان تو ایک اہم معرکہ میں اپنے پیش رو صحابہ (ابو بکر و عمر) سے بھاگنے میں چار قدم آگے نکل گئے اور آتش کارزار سرد ہونے کے بعد تیسرے دن واپس پلٹے۔ اس کا اجمالی تذکرہ آگے ہو گا، فی الحال ابتدا ہم پہلی اسلامی جنگ سے کریں گے تاکہ ساری حقیقت کھل کر سامنے آجائے۔

جنگ بدر

یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلی جنگ ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اگر ایک طرف سے پیغمبر اسلام کے ساتھ تمام صحابہ موجود تھے تو دوسری طرف کفار کے لشکر میں تمام سرداران قریش شامل تھے۔

لے شرح تجرید علامہ قسبحی ص ۳۸۷

مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موقع پا کر خالد بن ولید اسی سمت سے عبداللہ بن جبیر اور اس کے چند ساتھیوں کو قہ تیغ کرتا ہوا مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا اور ادھر سے مشرکین جن کے قدم کچھ دیر پہلے اکھڑ چکے تھے واپس آ گئے۔ نتیجتاً مسلمانوں کی فتح و کامرانی نامرادی و ناامیدی میں ڈھل گئی۔ بیکار یہ خبر بھی پھیلی کہ رسول اللہ شہید کر دیے گئے۔ پھر کیا تھا، میدان میں بھگدڑ پڑ گئی۔ بڑے بڑے نامی گرامی صحابہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمر کے ساتھ عثمان بھی بھاگے اور اتنی دور نکل گئے کہ تین دن بعد پلٹ کر آئے۔ طبری نے تحریر کیا ہے کہ

”عثمان بن عفان اور انصار کے دو آدمی عقبہ و سعد بن عثمان نے فرار کیا تو جلعب پہنچ گئے اور وہاں تین دن قیام کیا۔ جب واپس پلٹے تو ان کا بیان ہے کہ رسول خدا نے کہا کہ تم لوگ تو بڑے لمبے گئے۔“

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ کچھ لوگوں نے شہر (مدینہ) جا کر قرار لیا اور عثمان بن عفان انھیں لوگوں میں تھے جو جنگ کا مرحلہ ختم ہونے اور آتش کا رزار سرد ہونے کے بعد رسول کی خدمت میں واپس آئے۔

بہر حال تاریخوں سے یہ بات ثابت ہے کہ میدان جنگ سے

لہ جلعب مقام اعوص کے قریب مدینہ سے ملحق ایک پہاڑ ہے۔

لہ مدارج النبوة

جن سے حضرت عثمان کا خونی رشتہ بھی تھا اور نزدیکی قرابت داری بھی، لہذا عثمان کا ان شخصیتوں کے مقابلہ میں آمادہ پیکار ہونا غیر ممکن تھا۔ اس لیے بہانہ تراش کر کنارہ کش ہو گئے ہوں گے۔

بہر حال تاریخی اعتبار سے یہ بات مسلم ہے کہ آپ اس جنگ میں شریک نہیں تھے۔ اب قرآنی احکامات کی رو سے حضرت عثمان خدا، رسول اور اسلام کی نظر میں کیا ہیں؟ قارئین کرام خود فیصلہ کر لیں۔

جنگ احد

یہ جنگ ماہ شوال ۳ھ میں واقع ہوئی۔ اپنے مقتولین کے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے بدر کے شکست خوردہ قریش تین ہزار کی ایک جمعیت لے کر پوری توانائی، قوت اور غیظ و غضب کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ ان سے مقابلہ کے لیے ایک سوزرہ پوشوں کے ہمراہ سات سو مسلمانوں کا دفاعی لشکر صفت بستہ ہوا اور معرکہ کارزار احد کے دامن میں گرم ہونے لگا اور رفتہ رفتہ گھمسان کی جنگ میں تبدیل ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت علی صفوں کو چیرتے ہوئے دشمنوں کے درمیان گھس جاتے اور لاشوں کے ڈھیر لگا دیتے یہاں تک کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ پیغمبر اسلام نے احد کی پشت پر تیر اندازوں کا ایک دستہ اس تاکید کے ساتھ تعینات کیا تھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو یا شکست لیکن یہ دستہ اپنی جگہ نہ چھوٹے مگر اس دستہ نے جب اپنے ساتھیوں کو مال غنیمت لوٹتے دیکھا تو اس نے بھی حکم رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہ بھی

ثانی پیش آیا مگر ان غزوات یا معرکوں میں حضرت عثمان کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

شہدہ میں جنگ خندق واقع ہوئی، اسی سنہ میں غزوہ بنی مصطلق، واقعہ افک، غزوہ بنی قریظہ اور غزوہ بنی اعیان واقع ہوئے مگر ان غزوات میں حضرت عثمان غائب نظر آتے ہیں۔

شہدہ میں حدیبیہ کے موقع پر آپ نظر آتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ہجرت کے برسوں بعد آپ کو اپنے وطن (مکہ) جانے کا موقع فراہم ہوا تھا۔ دوسری وجہ شاید یہ رہی ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے نکلے تھے جس میں تمام لوگوں کی جانیں محفوظ تھیں لہذا آپ کی جان کو بھی کوئی خطرہ نہ تھا۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ کے دل میں مکہ جا کر اپنے اہل خاندان (بنی امیہ) سے ملاقات کی تمنا بھی دل میں چمکیا لے رہی ہوگی۔ اسی لیے پیغمبر نے جب حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا اور حالات سے آگاہی کے لیے حضرت عمر کو اپنا سفیر بنا کر مکہ بھیجنا چاہا اور انھوں نے جان کے خوف سے انکار کر دیا تو رسول اللہ کے کہنے پر آپ فوراً جانے کے لیے تیار ہو گئے اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت مکہ میں ابوسفیان کی سرداری تھی جو آپ کا عزیز خاص تھا۔

شہدہ میں خیبر کا معرکہ پیش آیا۔ اس معرکہ میں بھی آپ کا کوئی سراغ نہیں ملتا کہ زندہ بھی تھے یا نہیں جب کہ ابو بکر و عمر اس جنگ میں موجود تھے اور علم لے کر مرحب وغیرہ کے مقابلے میں جاتے تھے لیکن جب کھدڑے جاتے تھے تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ آتے تھے اس کے بعد فتح مکہ، محاصرہ طائف اور جنگ حنین کے معرکے گزر

اکابرین صحابہ کے ساتھ بھاگنے والوں میں حضرت عثمان بھی شامل تھے لیکن دو باتیں حضرت عثمان کو ابو بکر و عمر سے ممتاز بنا دیتی ہیں۔ اول یہ کہ آپ تیسرے دن واپس آئے اور دوسری بات جسے مورخین نے انتہائی شد و مد سے تحریر کیا ہے یہ ہے کہ رسول اکرم نے اپنے اس خطا کا صحابی کو معاف کر دیا ہے۔ معلوم نہیں تذکرہ نگاروں نے حضرت ابو بکر و عمر کے بارے میں معافی کا تذکرہ کیوں نہیں کیا جب کہ فرار کے سلسلے میں جرم سب کا برابر تھا بلکہ حضرت عثمان کا جرم ان دونوں خلفاء کے مقابلہ میں زیادہ سنگین تھا کہ وہ تیسرے دن واپس چلے گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جمع قرآن کے وقت جب حضرت عثمان کے سامنے وہ آیتیں آئیں جن میں احد سے فرار اختیار کرنے والوں کی سزا کی گئی ہے تو حضرت عثمان نے فخریہ طور پر اپنے مصاحبین سے یہ کہا ہوگا کہ ان آیتوں کے ذریعہ خداوند عالم میرے جرم فرار کو معاف فرما رہا ہے بس یہیں سے حضرت عثمان سے عقیدت رکھنے والے مفسرین کو موقع ملا ہوگا اور انھوں نے معافی کا تذکرہ عثمان کی خواہش کے مطابق کر دیا ہوگا ورنہ کوئی وجہ نہیں تھی کہ معافی کے ذیل میں ابو بکر و عمر کا تذکرہ نہ ہوتا۔

دیگر غزوات

شہدہ میں بنی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا جسے رد کرنے کے لیے پیغمبر اسلام نے ابوسلمہ کو بھیجا۔ انھوں نے دشمنوں کو مار بھگا یا پھر سفیان بن خالد نے حملہ کا ارادہ کیا اسے عبداللہ بن انیس نے پسپا کر دیا۔ اسی سنہ میں غزوہ بنی نضیر، غزوہ ذات الرقاع اور غزوہ بدر

کیسے مشیر خاص تھے کہ تمام اسلامی معرکے گزر گئے اور کچھ نازک تین منزلیں بھی آئیں مگر آپ کے مشوروں سے تاریخ کا دامن خالی ہے۔ پیغمبرؐ کی حیات طاہرہ کے آخری لمحات میں سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا جسے تحریری شکل دینے اور اپنے بعد امت کو گمراہی سے محفوظ رکھنے کے لیے کچھ صحابہ کی موجودگی میں آنحضرتؐ نے قلم، دوات اور کاغذ کی خواہش ظاہر کی لیکن عمرؓ نے آپ کی اس خواہش کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ اس شخص پر مرض کا غلبہ ہے اور یہ ہذیان بک رہا ہے، ہمیں کسی نوشتہ کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے لیے بس قرآن کافی ہے۔ صحابہ میں کچھ رسول اللہؐ کے اس حکم پر عملدرآمد کرنا چاہتے تھے اور کچھ عمرؓ کے ہمنوا تھے، آپس میں تکرار ہوئی اور جب شور زیادہ بڑھا تو آنحضرتؐ نے ”تَوَمُّوا عَنِّي“ کہہ کر سب کو نکال باہر کیا۔ اس نازک وقت میں مشیر خاص کہیں نظر نہیں آتے حالانکہ یہ مشورے کا خاص وقت تھا۔

اسی طرح وقت آنحضرتؐ کی تشکیل و ترتیب کا مقصد بھی یہی تھا کہ جب آپؐ دنیا سے رخصت ہوں تو مدینہ مخالفین علیؓ سے خالی ہے۔ چنانچہ رسولؐ نے یہ جہتی اور تاکیدی حکم دے دیا تھا کہ اس لشکر میں تمام صحابہ ابو بکر، عمر اور عثمان وغیرہ بھی شامل ہوں اور یہ لشکر فوری طور پر مدینہ سے کوچ کر جائے۔ مگر یہ لوگ اس میں شامل نہیں ہوئے اسی بنا پر لشکر کی روانگی میں تاخیر ہوئی تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور تحلف کرنے والوں پر تین بار لعنت فرمائی۔

افسوس ہے کہ ان بے غیرتوں پر لعنت ملامت کا کوئی اثر نہیں ہوا

گئے لیکن تاریخ کسی معرکے میں آپؐ کی موجودگی ثابت نہیں کرتی۔ البتہ خان بہادر خیرات احمد مرحوم نے اپنی کتاب ”نور ایمان“ کے صفحہ ۶۲ پر اس امر کا انکشاف کیا کہ جنگ حنین میں جس وقت کہ دشمن ایک جھاڑی سے نکل کر حملہ آور ہوئے تو آپؐ جان کے خون سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے پھر پلٹ کر نہیں آئے۔

نہیں معلوم کہ آپؐ کا اسلام کیسا تھا اور آپؐ کی پیغمبرؐ اسلام سے کیسی محبت و وابستگی تھی۔ کہاں رہتے تھے، کیا کرتے تھے؟ یہ معجزہ سے باہر ہے۔

غزوہ تبوکؓ میں بھی آپؐ کی شرکت واضح نہیں ہے البتہ آپؐ کی طرف سے مالی اعانت کا تذکرہ ضرور ملتا ہے لیکن یہ خاص بات اس لیے نہیں ہے کہ دیگر صحابہ نے بھی بڑے بڑے نذرانے پیش کیے تھے۔

حضرت عثمان عہد رسالت میں

دور رسالت کے غزوات میں حضرت عثمانؓ کا کوئی بھی جنگی یا غیر جنگی کارنامہ نہیں ملتا جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے اور نہ ہی آپؐ رسول اکرمؐ کو کسی قسم کا مفید یا غیر مفید مشورہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن اس کے باوجود متقدمین میں کچھ سیرت نگاروں نے نہ جانے کیوں آپؐ کو پیغمبرؐ اسلام کے مشیر خاص کے منصب پر فائز کر دیا اور یہ سلسلہ متاخرین تک چلا آیا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عثمانؓ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں عثمان کی زبان سے جو کہلوانا چاہتے تھے وہ کہلوا چکے اور مطمئن ہو گئے تو نامزدگی کے فرمان کی طرف متوجہ ہوئے اور اس فرمان کو عثمان ہی سے لکھوانا شروع کیا۔ ابھی عثمان لکھ رہے تھے اور عمر کا نام لکھنا رہ گیا تھا کہ ابو بکر بے ہوش ہو گئے اور جب مقوڑی دیر بے ہوشی طاری رہی تو عثمان نے سمجھا کہ شاید آپ مر گئے لہذا انھوں نے اپنی طرف سے یہ لکھ دیا کہ میں نے عمر بن خطاب کو مسلمانوں پر خلیفہ مقرر کر دیا ہے۔ جب آپ کو ہوش آیا اور عثمان نے فرمان پڑھ کر سنایا تو بہت خوش ہوئے۔ عثمان کے اس طرز عمل سے آپس کی قربت کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت عثمان کا نام عمر کے مشیروں میں بھی سر فہرست ہے۔ چنانچہ ابن سعد نے طبقات میں ایوب بن ابی امامہ سے روایت کی ہے کہ عمر اپنے زمانہ خلافت میں بیت المال سے کچھ نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ فاتحہ کشی کی نوبت آگئی تھی۔ انھوں نے اصحاب کو اکٹھا کر کے اس مسئلے کو ان کے سامنے رکھا اور کہا کہ میں نے اپنے آپ کو امور خلافت میں مشغول کر رکھا ہے مگر یہ میرے لیے کافی نہیں ہے میرے اخراجات کیسے چلیں گے؟ اس پر عثمان نے کہا کہ (خوب) کھائیے اور کھلائیے۔ عثمان کی تائید سعید بن زید نے بھی کی تو آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں، فرمایا۔ صبح و شام کا کھانا کھائیے اور اسی پر اکتفا کیجیے۔

لہ طبقات ابن سعد حصہ سوم اردو ص ۹۳

اور ہوتا بھی تو کیسے؟ جان تو خلافت میں اُلگی ہوئی تھی۔ یہ منظر تھے کہ کب رسولؐ کی آنکھیں بند ہوں اور کب تخت خلافت کی طرف جھپٹ پڑیں۔ اگر حضرت عثمان مشیر خاص تھے تو اسی موقع پر آنحضرتؐ کو اپنے مشوروں سے نوازتے۔ لیکن مشورہ تو درکنار آپ نے آنحضرتؐ کے جنازہ میں شرکت تک گوارا نہیں کی اور شاید آپ کی غیرت، شرم اور حیا کا تقاضا بھی یہی تھا۔

حضرت عثمان عہدِ شخنین میں

یہ کہنا قطعی غلط نہ ہو گا کہ حضرت عثمان کو شخنین (ابو بکر و عمر) کے دور میں مشیر خاص کی حیثیت حاصل تھی۔ جیسا کہ طبقات ابن سعد حصہ سوم کی اس روایت سے ظاہر ہے۔
”ابو بکر جب دنیا سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے مستقبل کے خلیفہ کے بارے میں رائے مشورہ کے لیے عثمان کو طلب کیا اور ان سے فرمایا:

”عمر کے بارے میں تمھاری رائے کیا ہے؟ عثمان نے کہا آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ فرمایا یہ تم درست کہتے ہو لیکن اس کے باوجود جو تمھاری رائے ہو اس کا اظہار کرو۔ عثمان نے کہا میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ان کا مثل ہم میں سے کوئی نہیں ہے۔

ابو بکر نے کہا خدا تم پر رحمت کرے اگر تمھاری رائے ان کے خلاف ہوتی تو میں تمھیں جانے نہ دیتا“

شوری پر تبصرہ

حضرت عمر اپنے دیرینہ منصوبہ کے تحت ہرگز یہ نہیں چاہتے تھے کہ خلافت کی باگ ڈور حضرت علی بن ابی طالب کے ہاتھوں میں جائے لہذا اس کا رخ عثمان کی طرف موڑنے کے لیے انھوں نے انتہائی حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے ایک پراسرار مجلس شوری تشکیل دی اور اس کی ہیئت ترکیبی میں کچھ ایسے رہنما اصول رکھے جس سے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت ملنا ناممکن ہو جائے۔ اس کی تفصیل حالات عمری کے پانچویں باب میں ہم مرقوم کر چکے ہیں۔

پاکستان کے مشہور مولف و مصنف جناب علی اکبر شاہ نے اپنی کتاب ”نعل کو قتل کر دو“ میں تاریخ طبری سے شوری کے تفصیلی واقعات نقل کر کے اس پر جو تبصرہ فرمایا ہے وہ انتہائی جامع پر مغز اور فکا آمیز ہے۔ میرے خیال سے مناسب ہو گا کہ محترم قارئین کی خدمت میں اسے پیش کر دیا جائے۔ آپ فرماتے ہیں:

یہ کوئی پہلا واقعہ نہ تھا کہ خلافت کو اس کے مرکز پر پہنچنے سے روکا گیا۔ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ مصلحتوں اور مجبوریوں سے اسلام لانے والے کہ جنھیں کثرت اور طاقت حاصل تھی، بنی ہاشم کو مزید کوئی اعزاز دے دیتے، ان کے لیے یہ کوئی کم قیامت نہ تھی کہ انھیں اپنے آباء و اجداد کے ورثہ کو چھوڑ کر حضرت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت کلمی اختیار کرنا پڑی۔ اب کس دل سے وہ علیؑ کی خلافت قبول کر لیتے اور پھر علی بن ابی طالب کے ہاتھ سے تو ان کے بڑے بڑے سورا

حضرت عثمان کے اس مشورے سے آپ کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ غرض کہ ابو بکر و عمر کے عہد حکومت میں عثمان کی زندگی کے تقریباً تیرہ برس ان دونوں کی حکومت مضبوط و مستحکم کرنے اور ان کے ہر اقدام کی تائید میں گزر گئے۔

عثمان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں

ابو ہریرہ سے یہ روایت ہے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بنی امیہ میں سے ایک جبار میرے تخت پر بیٹھے گا جس کی ناک سے خون روعات جاری ہو گا۔

اس پیشین گوئی کے متعلق صاحب روضۃ الاحباب تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو تین ماہ تک ان کی نکسیر پھوٹا کی اور خون جاری ہوتا رہا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تاریخ ائلفاء میں حضرت عثمان کی نکسیر پھوٹنے کا تذکرہ کیا ہے۔

صاحب خلفائے ثلاثہ حصہ سوم نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر علامہ ذہبی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ:

”آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جب دجال خروج کرے گا تو اس

کی پیروی وہی لوگ کریں گے جو عثمان کو دوست رکھتے ہوں گے۔“

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اہل بصیرت کے لیے مشعل ہدایت

نہیں ہے؟

لے تطہیر الجنان بر حاشیہ صواعق محرقة ص ۱۴۱ طبع مصر

صبر کرتے۔

حضرت علی علیہ السلام نے پہلی خلافت چھیننے والوں کے سامنے بھرپور احتجاج کیا اور اپنے حق کے لیے دلیلیں دین، اپنی فضیلتیں بیان کیں۔ ایسا نہ کرتے تو کہا جاتا کہ ہمیں کیا معلوم کہ حق کہاں ہے دوسری خلافت پہلی کا لازمی نتیجہ تھی، لہذا عمر بن خطاب کی نامزدگی پر علیؑ کو کوئی حیرانی نہیں ہوئی۔ علیؑ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ابوبکر کی خلافت کے لیے عمر کی کوشش اس لیے تھی کہ حیات ابوبکر میں بھی درپردہ انھیں کی حکومت ہوگی اور جب ابوبکر دنیا سے رخصت ہونے لگیں گے تو خلافت کے لیے وہی نامزد کیے جائیں گے۔ غرض کہ حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے دوسری مرتبہ بھی صبر کا گھونٹ پیا۔ تیسری خلافت کے موقع پر عمر بن خطاب نے عثمان کو براہ راست نامزد نہیں کیا کہ اب اس کا موقع نہ تھا، لہذا خلیفہ کے انتخاب کے لیے ایسی شوری تشکیل دی اور ایسے رہنما اصول دیے کہ نتیجہ سو فیصدی عثمان کے حق میں رہے۔ حضرت علیؑ بھی اس انجام سے واقف تھے، لیکن اس کے باوجود آپ نے شوری میں شرکت کی اور آپ نے اپنے اس اقدام کی یہ توجیہ کی:

”میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر دیا گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا فرد خیال کیا۔ اے اللہ! مجھے اس شوری سے کیا لگاؤ؟ ان میں کے سب سے پہلے کے مقابلہ میں میرے استحقاق اور فضیلت میں کب شک تھا جواب ان لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہوں۔ مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب وہ

قتل ہو چکے تھے، تو یہ صدیوں انتقام کی آگ میں جلنے والی قوم کس طرح علی علیہ السلام کو معاف کر سکتی تھی، ان کے لیے ابوبکر و عمر کو قبول کر لینا آسان تھا کہ ان کی حقیقتوں سے سب واقف تھے چنانچہ انھیں ٹھنڈے پیٹوں قبول کر لیا گیا اور پھر جب تیسری خلافت کی نوبت آئی تو خلافت کے اصل امیدوار علیؑ اور عثمان تھے۔ عثمان بن امیہ کے چشم و چراغ تھے یہ قبیلہ بنو ہاشم کا طاقت ور حریف تھا اور فتح مکہ تک یہی قبیلہ اسلام دشمنی پر کمر بستہ رہا اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی اسے صرف اپنے ذاتی مفادات سے دل چسپی تھی لہذا وہ اپنے ہی قبیلہ کے اس فرد کا حمایتی بنا کہ جو داد و دہش میں شہرت رکھتا تھا اور کفر و اسلام کی جنگوں میں اس کے ہاتھ سے کسی کافر کو خراش تک نہ آئی تھی اور دوسری طرف انھوں نے ایسے شخص کو چھوڑ دیا کہ جس کا تعلق ایک دشمن (بنو ہاشم) قبیلہ سے تھا اور جو کہ اسلام کا سب سے بڑا مخلص تھا اور جس نے کفر و اسلام کی جنگوں میں بنو امیہ کے بڑے بڑے سرداروں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ بنو امیہ کے علاوہ اور دوسرے مجبوری کے مسلمان بھی علیؑ کو چھوڑنے پر مجبور تھے۔ علیؑ کے چاہنے والوں کے پاس طاقت نہ تھی کہ وہ اہل بیت کے ساتھ ہونے والی اس مسلسل زیادتی کا ازالہ کر سکتے۔ چنانچہ مشہور صحابی جناب مقداد پکار اٹھے کہ ”کاش میں علیؑ کے مددگار پاتا۔“

حضرت علیؑ نے خلافت کے بارے میں وہ موقف اختیار کیا کہ جو آپ کے شایان شان تھا۔ آپ کا فرض صرف اتنا تھا کہ لوگوں پر حق واضح کر دیں اور یہی ان کے بھائی محمدؐ کا طرز عمل تھا کہ اپنی رسالت کا اعلان کرتے، خدا کا پیغام پہنچاتے کوئی مان لیتا تو خوش ہوتے، انکار کر دیتا تو

تھا لہذا اموی رجحان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ طلحہ کو حضرت علیؑ سے پرانی دشمنی تھی اور ان کی والدہ ابوسفیان کی بیوی بھی رہ چکی تھیں۔ خود طلحہ کا تعلق ابوبکر کے قبیلہ بنو تیم سے تھا۔ اب صرف زبیر رہ گئے جو ابوبکر کے داماد بھی تھے اور ان کی والدہ صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ اس لحاظ سے وہ دونوں طرف تھے۔

ان رشتہ داریوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ سعد بن ابی وقاص نے اپنا حق عبدالرحمن بن عوف کے حوالے کر دیا اور طلحہ نے اپنی رائے عثمان کے حق میں دے دی زبیر نے دیکھا تو جوش میں علیؑ کی طرف ہو گئے مگر جب عبدالرحمن بن عوف نے عثمان کے لیے کوشش کی تو یہ پھر ادھر ہو گئے۔ (ماخوذ از نقل کو قتل کرد)

شوری کا انجام

حضرت عمرؓ نے شوری کا طریقہ انتخاب پیش کر کے قریش کی اہم شخصیتوں اور ان کے قبائل و انصار میں ایسا سیاسی طمع پیدا کر دیا جس کا وہ خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کیونکہ عمرؓ نے شوری کو جن چھ شخصیتوں میں منحصر کیا تھا ان میں سے ہر ایک خلافت کے لیے امیدوار تھا۔ لوگ حضرت علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کی طرف مائل تھے کیونکہ بنی امیہ کی سلطنت سے خوفزدہ تھے۔ دوسری طرف مہاجرین حضرت علیؑ اور ان کے استقامت سے خائف تھے شاید ان میں سے اکثر کو بیت الملال اجتماعیت اور حکومت کے بارے میں حضرت علیؑ کے نظریات کا علم بھی تھا۔ انصار کی اکثریت علیؑ کے ساتھ اور اقلیت عثمان کے ساتھ

زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں میں بھی ایسا کرنے لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے لگیں تو میں اسی طرح پرواز کروں“ (ہنج البلاغہ)

”حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ اس شوری کا کیا انجام ہونے والا ہے، لیکن آپ نے تمام حجت کے طور پر اہل شوری کے سامنے اپنا استحقاق پیش کیا:

”اے عزیزو! تمہیں معلوم ہے کہ ہم اہل بیت نبوت ہیں اور ہر ایک بلا و مصیبت سے امت کے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ اگر تم ہمارا حق ہمیں پہنچاؤ گے تو حق اپنے مرکز پر پہنچ جائے گا اور اگر ہمارا حق ہمیں نہ دو گے تو ہم اونٹوں پر بیٹھ کر چلے جائیں گے اگرچہ کتنا ہی زمانہ گزرے ہمیں پروا نہیں جب ہمارا حق آپہنچے گا تو چلے آئیں گے خدائے جلیل کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے عہد نہ لیتے اور ہم کو اس امر کی اطلاع نہ کر چکے ہوتے تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا اور کسی کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔۔۔۔۔“

حضرت علیؑ کی اس تقریر کا اثر اہل شوری پر کچھ بھی نہیں ہوا کہ صورت حال کچھ اس طرح تھی۔

عبدالرحمن بن عوف کی بیوی ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط عثمان کی بہن تھی یعنی عثمان اور عبدالرحمن بن عوف میں سالے بہنوئی کا رشتہ تھا اور سعد بن ابی وقاص عبدالرحمن بن عوف کے قریبی رشتہ دار تھے اس کے علاوہ سعد بن ابی وقاص کی ماں اموی تھیں۔ میدان کربلا میں یزیدی فوج کا سپہ سالار عمر ابن سعد اسی سعد بن ابی وقاص کا بیٹا

یہ سب شوری کا نتیجہ تھا کہ مختلف شخصیتوں کو پسند کرنے والے یہ احزاب عالم وجود میں آ گئے۔ یہ شخصیتیں اپنے ذاتی مفاد کی خاطر اقتدار پر قبضہ جانے کے لیے عثمان کے خلاف کی جانے والی عوامی شکایتوں سے بھی فائدہ اٹھاتی تھیں۔ ابن عبد اللہ نے معاویہ کا ایک اعتراض نقل کیا ہے جس میں وہ کہتا ہے:

”عمر نے چھ آدمیوں میں شوری قائم کر کے مسلمانوں میں تفرقہ اور ان کے خیالات میں اختلاف پیدا کیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک خلافت کی طمع رکھنے لگا تھا اور اس کی قوم بھی اس کے ساتھ اس طمع میں شریک تھے۔“

یہی وہ حوادث تھے جن سے مسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اور انھیں حادثات میں سے ہر حادثہ نے دوسرے حادثے پر اثر ڈالا اور اس کے ساتھ ساتھ حکومت کو چلانے، تقسیم اموال اور اجتماعی امور میں عثمان کے غلط اسلوب کار نے بھی اثر کیا جس کی وجہ سے لوگ اسلامی اصولوں سے منحرف ہو گئے، یہاں تک کہ یہ حادثات اس انتہا پر پہنچے کہ عثمان کے خلاف عوامی غم و غصہ کا سیلاب اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے قتل کی شکل میں شوری کا انجام سامنے آ گیا۔ حضرت عمر کی حکمت عملی نے شوری کے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ ایک عثمان کو لقمہ اجل بنایا اور دوسرے بنی امیہ کو اقتدار و استحکام عطا کر کے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو شہید کر دیا

تھی ایسا اس لیے تھا کہ وہ قریش کی حکومت سے خوفزدہ تھے اور مسجد نبوی میں جو گفتگو ہوئی تھی اس میں بنی امیہ پر سقیفہ کا قبائلی تعصب چھایا ہوا تھا۔ یہ گفتگو حضرت عثمان کی بیعت سے پہلے ہوئی تھی۔

لہذا حضرت علی مسلمانوں کی اکثریت کی طرف سے اور عثمان قریشی ارسٹو کریسی کی جانب سے امیدوار تھے۔ شوری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی حکومت پر قابض ہو گئے اور حضرت عمر نے جن لوگوں کو شوری میں نامزد کیا تھا ان میں حضرت علی کے علاوہ سب کے سروں پر اقتدار کا بھوت سوار ہو گیا اور یہی بھوت شوری سے باہر قریش کی دوسری شخصیتوں پر بھی سوار تھا کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ حضرت عمر نے قریش میں سے جن لوگوں کو امیدوار بنایا ہے وہ ان سے کسی چیز میں افضل نہ تھے۔ شوری نے انصار کے ذہنوں پر بھی برا اثر چھوڑا کیونکہ سقیفہ میں ان کے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ حکومت میں شریک ہوں گے لیکن وہ محروم کر دیے گئے تھے اور اس پر یہ ستم تھا کہ ان کے قدیم حریف یعنی مکہ کے وہ مشرک جو ان کے ساتھ برسرِ پیکار رہے برسرِ اقتدار آ گئے تھے۔

خلافت کی طمع رکھنے والے پس پردہ انصار کو اپنے گرد جمع کرتے اور اپنی دولت اور قبیلہ کی طاقت سے بھی استفادہ کرتے تھے اور دوسرے قبائل سے رشتے بناتے تھے چنانچہ حضرت عثمان کی خلافت کے آخری دنوں میں یہ لوگ (قریش) اپنے مقصد کے لیے علی الاعلان سامنے آ گئے۔

خلافت عثمانیہ کی ابتدا

حضرت عائشہ و حفصہ کی وساطت نے جس طرح حضرت ابو بکر و عمر کو سرسبز کیا اسی طرح عبدالرحمن بن عوف سے ازاربندی رشتہ نے حضرت عثمان بن عفان کو تخت خلافت تک پہنچایا لیکن یہ نہیں معلوم کہ آپ نے کس تاریخ کو کاروبار حکومت سنبھالا؟ شاید اسی لیے "علو دار ثلاثہ" مولوی عبدالشکور پاٹانا لوی نے بھی اپنی کتاب خلفائے راشدین میں بھی تاریخ کا انکشاف نہیں کیا۔ بعض مورخین یکم محرم الحرام ۳۵ھ تحریر کیا ہے اور یہی تاریخ زیادہ قریب قیاس ہے۔ غرض کہ تاریخ کچھ سہی مگر یہ حقیقت کلیہ ہے کہ آپ نے حصول خلافت کے وقت کیے گئے کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کے وعدہ کو یکسر فراموش کر دیا تھا اور خلیفہ بننے ہی اس کی خلاف ورزیاں شروع کر دی تھیں صرف آپ کی توجہ اس بات پر مرکوز رہ گئی تھی کہ کس طرح سیرت شیعین پر عمل پیرا رہ کر ابو بکر و عمر کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو جاری رکھا جائے اور کس ترکیب سے ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ قیامت تک اسلام کو پھلنے پھولنے کا موقع نہ ملے۔ غالباً آپ کے اسی رجحان کو محسوس کرتے ہوئے عرب کے مانے ہوئے فتنہ پرداز ابو سفیان نے کہا تھا: "بنی تیم و بنی عدی کے بعد اب خلافت تمھارے ہاتھ آئی ہے، اسے گیند کی طرح گھماؤ پھراؤ اور پچاؤ اور بنی امیہ کو اس کی میخیں بنا کر اسے ہمیشہ کے لیے مستحکم کر لو۔ یہ صرف دنیاوی حکومت ہے، دین سے اس کا کیا تعلق؟ میرے نزدیک جنت و دوزخ اور سزا و جزا کچھ نہیں ہے۔"

لے استیعاب ج ۲ ص ۷۹ و ۸۰ مطبوعہ مصر

خاموش انتقام

سقیفہ بی ساعدہ میں صحابیت انصاریت اور قرابت کو تزدیری چالوں سے شکست ہوئی اور "دُم کٹے" ہجرات کے ذریعہ خلیفہ اول کا انتخاب ہو گیا۔ یہ اجماع حجت قرار پایا اور دنیا کے اسلام نے اس کو سنت شیعین تصور کیا۔ لیکن یہ سنت باقی نہ رہی کیوں کہ عمر نے سقیفائی کوششوں کا ثمر فرمان نامزدگی کی شکل میں ابو بکر سے پایا۔ اب خلیفہ اول کی اس روش اور اس طرز عمل کو سنت کہتے باسیرت! بہر حال یہ سلسلہ بھی ختم ہوا کیونکہ عمر نے ان دونوں راستوں سے ہٹ کر ایک تیسرا راستہ اختیار کیا جس پر گامزن ہو کر موصوف نے اجماع، وصیت، سنت اور نص کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ شور مچا دیا ہوا اور اس میں عمداً ان ہستیوں کو رکھا گیا کہ لامحالہ خلافت بنی ہاشم سے نکل کر بنی امیہ تک پہنچے اور جب بنی امیہ تک پہنچے گی تو بنی امیہ و بنی ہاشم کی خاندانی عداوت بنی ہاشم کو سرسبز نہ ہونے دے گی۔ کیوں کہ ریاست و حکومت بنی امیہ کے ہاتھوں میں ہوگی اور ہمیشہ کے لیے خاندان رسالت اس سے محروم رہے گا۔ یہ وہ خاموش انتقام تھا جو رسول سے ان کے قتل کا ارادہ کرنے والے اور ان کی بزم ادب آموز میں بیٹھنے والے نے لیا۔

عہ دم کٹا اجماع اس لیے تھا کہ انصار اور بنی ہاشم اس میں شریک نہیں تھے۔

دینی والہی نظام تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے جیسا کہ مصر کے مشہور مؤرخ ڈاکٹر طحطا حسین کا کہنا ہے:

”جو لوگ اس نظام (خلفائے ثلاثہ کے نظام حکومت) کو الہی نظام تصور کرتے ہیں وہ حقیقت میں ان الفاظ و کلمات سے دھوکا کھاتے ہیں جو خلفاء کے خطبات میں پڑھتے ہیں نیز ان روایات سے جو خلفاء کے بارے میں عام طور سے مشہور ہیں اور جن میں اللہ کا ذکر، اللہ کا حکم اور اس کی سلطانی اور اطاعت کا تذکرہ ہے۔ یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ الفاظ اور یہ روایات اس بات کا ثبوت ہیں کہ ان کا نظام حکومت آسمانی تھا حالانکہ ان میں صرف ایک بات کی طرف اشارہ ہے جو بالکل عام لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت اہم ہے اور وہ یہ کہ ”خلافت“ خلفاء اور عام مسلمانوں کے مابین ایک معاہدہ ہے۔“

اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر رقم طراز ہیں کہ:

”اکثر لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس عہد کا نظام ایک الہی نظام ہے جو آسمان سے اتر رہا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے اصل بات خلیفہ اور رعایا کے دلوں کا متاثر ہونا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کا رائج کردہ نظام نہ تو اسلامی تھا نہ الہی تھا اور نہ سنت رسول کے مطابق تھا بلکہ اس نظام کا مقصد یہ تھا کہ عام مسلمان ان کے نظام حکومت کو اللہ کا رائج کردہ نظام

۱۔ ”عثمان“ ترجمہ الفتنة الکبریٰ عبد الحمید نعمانی ص ۴۴

(ساتواں باب) عثمانی نظام حکومت

اقتدار پرست سقیفائی خلافت ابتدا ہی سے ملوکیت کی طرف مائل رہی اور اس کا اصل مقصد تعلیمات اسلامی، سنت پیغمبری احکام شریعت، حقوق بشریت اور انسانی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اقتدار کی تمنا، ملک گیری کی ہوس اور تخت و تاج کی خواہش کے تحت ایک ایسا شہنشاہی نظام قائم کرنا تھا جس میں خواہشات نفس کی تکمیل دینی فریضہ کی ادائیگی قرار پائے۔

اور چونکہ اصحاب ثلاثہ نے تزکیہ نفس یا اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور صرف جہاں بانی ان کا مطلع نظر تھا اس لیے وہ نظام الہی و نظام اسلامی کو خالص شہنشاہی نظام میں ضم کرنے کی جدوجہد میں مصروف رہے۔ وہ ایک ایسے نظام کی کوششوں میں سرگرداں رہے جس میں حصول منفعت کی ہر امکانی کوشش مستحسن سمجھی جائے خواہ وہ منفعت دوسروں پر جبر و تشدد اور مظالم کے ذریعہ ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

یہ سلسلہ خلافت اولیٰ سے دور عثمانی تک برابر جاری و ساری رہا اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حق گو مورخین نے عہد ثلاثہ کے نظام حکومت کو

فرو کرنے، حکومت کے استحکام اور افواج کی تنظیم کاری پر خرچ ہوا، جو بیچ گیا وہ مسلمانوں میں تقسیم کے بعد خلیفہ کے گھریلو بیت المال میں جمع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ فتوحات کا یہ سلسلہ دوسرے دور میں داخل ہو کر منزل کمال پر پہنچ گیا اور دنیا کی دولت سمٹ کر ڈھیر ہو گئی لیکن حضرت عمر کی جمع خوری نے اسے وقت آخر حضرت عثمان کے حوالے کر دیا اور عثمان عمری مفتوحہ ممالک اور ان کے خزانوں کے مالک و مختار بن گئے۔ عہد عثمانی میں افراط زر کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ درہم میں ایک گھوڑا خریدا جاتا تھا، اور ایک بیگہ زمین پر لگے ہوئے باغ کی معمولی قیمت چار لاکھ درہم تھی۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے عثمانی عہد میں مفتوحہ ممالک سے مال غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والی دولت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے:

”سب سے پہلے خراسان کے اکثر شہر، نیشاپور، طوس، سرخس، مرو اور بہمن فتح ہوئے۔ ان وسیع شہروں کی فتوحات کے بعد دولت و مال غنیمت کے انبار لگ گئے، تو حضرت عثمان نے (باضابطہ) خزانہ بنوایا اور تمام لوگوں کو وظیفہ و یومیہ تقسیم کیا۔ دولت کی فراوانی کا یہ عالم ہوا کہ ہر شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے و ہمانیاں (یعنی سولہ ارب روپیہ) دیئے“

۱۵ تاریخ اسلام ذکر حسین حصہ دوم ص ۵۶ ۱۵ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۲۰۸

۱۵ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۰

سمجھ کر ان کے ہر جائز و ناجائز افعال کو قبول کرتے رہیں اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ خلفائے ثلاثہ کے ذہن میں نظام اسلامی، نظام الہی یا نظام آسمانی کا کوئی تصور نہیں تھا اور وہ صرف ایک دنیاوی حکمران کی حیثیت رکھتے تھے۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ وہ مسلمان یا صحابہ جو ہمہ وقت جمال و کمال رسالت کا مشاہدہ کیا کرتے تھے اور جنہوں نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا تھا یا جو سیرت رسولؐ سے متاثرہ تھے اور جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ روشن تھا اور جو اس اسرے بخوبی واقف تھے کہ رسولؐ دنیا پر حکومت کرنے نہیں آئے بلکہ دنیا کو امن، اخوت، سلامتی کا درس دینے آئے ہیں اور جو یہ بھی جانتے تھے کہ رسولؐ کے دل میں فتوحات اور مال غنیمت کی تمنا نہیں تھی بلکہ وہ خلق عظیمہ بن کر انسانی قدروں کو بلند کرنے، اخلاق بشری کو سنوارنے، توحید کا درس دینے اور مرحلہ آخر کو آسان بنانے کے لیے آئے ہیں۔ وہ لوگ عقل و بصیرت کیوں کھو بیٹھے کہ انھوں نے خلفائے ثلاثہ کے ان خطرناک ارادوں اور منصوبوں کو نہ سمجھا اور ان کے غیر اسلامی رنگ ڈھنگ اور رویے کو محسوس کرتے ہوئے بھی انھیں خلیفہ رسولؐ کی حیثیت دے دی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تلوار، طاقت، دولت اور خصوصاً ذہن کی نیم ننگی نے حقائق و عقائد پر گہرے پردے ڈال دیے تھے جس کی وجہ سے یہ لوگ خلفاء کی ہر بات کو حقیقت سمجھ کر مجاز میں گم ہو گئے۔

ملک گیری کی تمنا نے دور اول میں فتوحات کا بازار گرم کر کے مال غنیمت کی شکل میں جو سرمایہ حاصل کیا اس کا بیشتر حصہ بغاوت

”ذیر کی دولت بصرہ، کوفہ، مصر اور اسکندریہ میں پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے، ایک ہزار غلام اور جاگیر تک پہنچ گئی تھی۔ اور طلحہ بن عبید اللہ کو عراق کے غلہ سے ایک ہزار یومیہ کی آمدنی تھی۔ عبد الرحمن بن عوف کے پاس ایک سو گھوڑے، ایک ہزار گائیں اور دس ہزار بھیریں تھیں۔ اس کے علاوہ اس کے انتقال کے وقت اس کی دولت کے آٹھویں حصہ کا ایک چوتھائی اٹھاسی ہزار تک پہنچ چکا تھا۔ جب زید بن ثابت کا انتقال ہوا تو اس کا سونا اور چاندی کلہاڑوں سے توڑا گیا، اس کے علاوہ جو رقم نقد اس نے چھوڑی وہ ایک لاکھ دینار پر مشتمل تھی۔ یعلیٰ بن مینہ مرا تو اس نے تین لاکھ کی جاگیر کے علاوہ پانچ لاکھ دینار نقد چھوڑے۔ خود عثمان نے مرتے وقت ایک لاکھ پچاس ہزار دینار، دس لاکھ درہم (مدینہ میں) نقد اس کے علاوہ وادی القری، حنین اور دوسرے مقامات پر ایک لاکھ دینار کی بانداد، ہزاروں کی تعداد میں اونٹوں گھوڑوں اور متعدد محل چھوڑے۔“

اس دولت مند طبقہ کے برعکس غربت اور افلاس کا مارا ہوا ایک مفلس و نادار طبقہ بھی تھا جس کے پاس نہ زمینیں تھیں نہ مال و دولت اس طبقہ میں محاذ جنگ پر لڑنے والے جانا باز اور ان کے اہل و عیال شامل تھے جن کے لیے عثمان کا کہنا تھا کہ لڑنے والے مسلمانوں کو صرت معمولی اجرت کا حق ہے باقی مال غنیمت اللہ کے لیے ہے۔

دولت کی اس ریل پیل میں حضرت عثمان نے تقسیم اموال کا جو غیر مساوی طریقہ اختیار کیا وہ مسلمانوں کے لیے قطعاً نامانوس اور تکلیف دہ تھا۔ آپ شوری کے اراکین، قریش کے بڑے لوگوں اور اپنے رشتہ داروں کو خصوصی طور پر بہت زیادہ مال دیتے تھے۔

اگر یہ سارا مال ان کی اپنی ذاتی کمائی کا ہوتا تو کسی کے لیے اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی لیکن یہ مال بیت المال سے دیا جاتا تھا جس میں تمام مسلمان شریک تھے۔ مستزاد یہ کہ مختلف شہروں میں عثمان کے نمائندے بھی ان کی پیروی کرتے اور وہ بھی اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو ترجیحی مال دیا کرتے تھے۔

حضرت عثمان نے دولت مند طبقہ کی دولت کو مزید بڑھاوا دینے کے لیے یہ طریقہ بھی رائج کیا کہ وہ مال غنیمت میں حاصل کی ہوئی اپنی زمینوں کو وہاں منتقل کر سکتے ہیں جہاں وہ مقیم ہیں۔ یعنی کسی شخص کی زمین اگر شام میں ہے تو وہ اس کے عوض اس شخص سے اپنی زمین کا تبادلہ کر سکتا ہے جس کی آراضی حجاز یا دوسرے عرب ممالک میں ہے۔ اس طریقہ کار سے دولت مند طبقہ نے بھی فائدہ اٹھایا اور اپنی بے پناہ دولت سے مفتوحہ علاقہ میں آراضیات کی خریداری شروع کر دی اور اپنے غلاموں و مزدوروں کو ان کی کاشت پر لگایا۔ نتیجے میں یہ زمینیں سونا اگلنے لگیں جس سے ان کی دولت دن دوئی رات چوگنی کے تناسب سے بڑھنے لگی۔ جس کا خلاصہ مسعودی کے قلم کی زبان سے سنئے:

لہ مروج الذهب ج ۲ ص ۱۴ و انساب الاشراف ج ۵ ص ۲۵، ۵۲

لہ مروج الذهب ج ۲ ص ۳۴۱ تا ۳۴۳ لہ تاریخ اسلام حسن ابراہیم ج ۱ ص ۲۵۸

چند نمونوں سے واضح ہے:

۱۔ حکم بن العاص کو (جسے رسولؐ نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا) نہ صرف سنت رسولؐ بلکہ سیرت شیخین کی بھی خلافت ورزی کرتے ہوئے اسے پھر مدینہ میں واپس بلا لیا اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے یہ

۲۔ ولید بن عقبہ کو (جسے قرآن نے فاسق قرار دیا ہے) ایک لاکھ درہم دے دیے یہ

۳۔ مروان بن حکم سے اپنی بیٹی ابان کی شادی کی تو اسے ایک لاکھ درہم بیت المال سے دیے یہ

۴۔ حارث بن حکم سے اپنی بیٹی عائشہ کا عقد کیا تو اسے بھی بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے یہ

۵۔ ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم سے نوازا یہ

۶۔ عبداللہ بن خالد کو چار لاکھ درہم عنایت کیے یہ

۷۔ مروان کو افریقہ کا خمس (پانچ لاکھ درہم) نذر کر دیا یہ

۸۔ مدینہ میں بہزدر ایک جگہ تھی جسے رسول اکرمؐ نے مسلمانوں کے لیے وقف عام قرار دیا تھا حارث بن حکم کے حوالے کر دی یہ

۹۔ فدک مروان کو عطائے خسروانہ کے طور پر دے دیا یہ

لے معارف ابن قتیبہ ص ۵۴ ۵۵ عقد الفرید ج ۳ ص ۳۹۲ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹۲ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹۲

۵۵ معارف ص ۸۲ ۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰ ۹۱ ۹۲ ۹۳ ۹۴ ۹۵ ۹۶ ۹۷ ۹۸ ۹۹ ۱۰۰

جب مال غنیمت اللہ کے لیے تھا تو کیا حضرت عثمان خدا تھے؟ یا خدا کے بیٹے اور وارث و جانشین تھے؟ جو اس کی ملکیت کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ کر اس کے مال پر اپنا دست تصرف دراز کیے ہوئے تھے۔ بہر حال حضرت عثمان نے اپنی اس غلط حکمت عملی سے ان دونوں طبقوں کے درمیان عدم مسادات کی ایک خلیج پیدا کر دی، چنانچہ ایک طرف دولت مند طبقہ کی دولت میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا اور دوسری طرف غریب و مفلس طبقہ کی غربت اور بے روزگاری۔ آخر کار اس غیر منصفانہ نظام نے مسلمانوں کو بہت جلد یہ احساس دلادیا کہ انھوں نے اقتدارِ اسلامیہ کو غلط اور سفاک ہاتھوں کے حوالے کر دیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عثمان نے اپنے عہد میں جو بدعنوانیاں کیں ان پر کسی درد مند انسان کا دل دکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تو گناہیوں کے گوشوں میں پڑے ہوں، افلاس ان کا مقدر بن چکا ہو، غربت انھیں گھیرے ہوئے ہو اور بیت المال پر تسلط ہو تو بنی امیہ کا تمام چراگا ہوں میں چوپائے چرے تو ان کے، محلات تعمیر ہوں تو ان کے، حکومت کے مرکزی عہدوں پر فائز ہوں تو انھیں کے نوخیز و ناتجربہ کار افراد۔ اور اگر کوئی درد مند ان تمام بدعنوانیوں و بے اعتدالیوں کے خلاف زبان کھولنے کی کوشش کرے تو اس کی پسلیاں توڑ دی جائیں اور کوئی اس سرہایہ داری کے خلاف، آواز احتجاج بلند کرے تو اسے شہر بدر کر دیا جائے۔

زکوٰۃ و صدقات جو فقراء و مساکین کا حق تھا اور بیت المال جو تمام مسلمانوں کا سرمایہ تھا، اس کا مصرف کیا قرار دیا گیا تھا؟ ذیل کے

کر دیا۔ اس کا بیٹا مروان بھی اس کے ساتھ جلاوطن ہوا۔ پھر آنحضرتؐ نے عمر بھران دونوں کو مدینہ واپس نہ آنے دیا۔ حضرت ابو بکر و عمرؓ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن حضرت عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی ان دونوں کو واپس بلوایا اور مروان کو وہ عروج بخشا کہ خلافت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھوں میں تھا دی کہ وہ جو چاہے کرے اور پھر اس کے حق میں حالات کو یوں سازگا بنایا کہ وہ معاویہ ابن زید کے مرنے کے بعد خلیفۃ المسلمین بن بیٹھا لیکن ابھی نو مہینہ اٹھارہ دن ہی تخت حکومت پر گزرے تھے کہ تیسری رضا شہ میں اسے قضا نے اس طرح دبوچا کہ اس کی بیوی اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر بیٹھ گئی اور اس وقت تک الگ نہ ہوئی جب تک اس نے دم نہیں توڑ دیا۔

حکم بن عاص کو پیغمبر اسلامؐ سے جو عداوت تھی یا اس نے آنحضرتؐ کو جو اذیتیں پہنچائیں اس کا حال تاریخ کی زبان سے سنئے، بلاذری کا کہنا ہے:

”حکم آنحضرتؐ کا سخت و شدید دشمن تھا۔ شہ میں فتح مکہ کے بعد اسلام لایا مگر یہ مسلمان ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کا منہ کا اڑایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آنحضرتؐ اپنی کسی زوجہ (غالباً عائشہ) کے حجرہ میں خلوت نشیں تھے تو یہ باہر سے (کسی سوراخ کے ذریعہ) جھانک رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے باہر نکل کر ڈانٹا اور فرمایا کہ کاش کوئی مجھے اس ملعون سے نجات دلا دے۔ پھر فرمایا جہاں میں ہوں وہاں یہ نہیں رہ سکتا چنانچہ آپ نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا اور عثمان کی سفارشوں اور کوششوں کے باوجود اسے مدینہ میں

۱۔ مدینہ اور اس کے نواح میں جتنی چراگاہیں تھیں ان میں بنی امیہ کے اونٹوں کے علاوہ دیگر افراد کے جانوروں کو چرنے کی اجازت نہیں تھی ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے خلافت حاصل کرتے وقت عبدالرحمن بن عوف سے کتاب خدا، سنت رسولؐ اور سیرت شیخین پر عمل کا جو وعدہ ارکان شوری کے سامنے کیا تھا اس سے مکر ہی نہیں گئے بلکہ خلافت ملنے کے بعد اسے ہوا میں اڑا دیا۔

مسٹر ذاکر حسین نے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عثمان کسی طرح بھی حکومت کے قابل نہ تھے۔ اور اسی ناقص عثمانی نظام حکومت نے بنی امیہ اور بنی ہاشم کے درمیان عداوت کی دبی ہوئی آگ کو ہوادے کر پھر مشتعل کر دیا جو تقریباً سو سال تک بھڑکتی رہی۔

مختصر تعارف

حکم بن العاص

حکم بن عاص، حضرت عثمان کے باپ عفان کا حقیقی بھتیجا اور عثمان کا سگ بھتیجا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گیا تھا مگر اس کے طور و طریقے ایسے تھے کہ پیغمبرؐ نے اس پر اور اس کی اولاد پر لعنت کی اور اسے مدینہ سے وادی دج (طائف میں ایک جگہ ہے) کی طرف جلاوطن

۱۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱ ص ۳۹ ۲۔ تاریخ اسلام ذاکر حسین باب چہارم ص ۱۲
۳۔ بیج البلاغ ص ۲۱۹ بحوالہ اسد الغابہ

یہی وہ حکم تھا جسے مدینہ بلوانے کے بعد حضرت عثمان نے بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے حکم کو بنی نضار سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا تھا اور جب وہ تین لاکھ درہم وصول کر کے لایا تو سب اسی کو بخش دیا۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں عجیب حیرت انگیز واقعہ تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ :

”بازار مدینہ کی آمدنی رسول کریم پر جو شخص معین تھا اس کے پاس ایک دن عثمان تشریف لے گئے اور فرمایا کہ آج کی بتنی آنی ہے وہ حکم کو دے دو۔ حضرت عثمان کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو کچھ دینا چاہتے تھے تو اپنے پاس سے نہیں دیتے تھے بلکہ بیت المال سے خزانچی کے ذریعہ دلوادیتے تھے۔ خزانچی نے کہا یہ رقم میں نہیں دوں گا۔ عثمان نے کہا تم میرے خزانچی ہو اس لیے تمہیں عذر نہیں ہونا چاہیے۔ خزانچی نے کہا تم جھوٹے ہو، میں تمہارا خزانچی نہیں ہوں بلکہ تمام مسلمانوں کا خزانچی ہوں اور بیت المال میں مسلمانوں کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ چنانچہ اس تکرار کے بعد وہ خزانچی جمعہ کے دن جب کہ عثمان نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے آیا اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے بولا کہ لوگو! عثمان کہتے ہیں کہ تم میرے خزانچی ہو حالانکہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں ایسی صورت میں میرا ان کا نباہ مشکل ہے لہذا بیت المال کی کنجیاں میں واپس کرتا ہوں۔ اس کے بعد عثمان نے اسے معزول کر کے زید بن ثابت کو خزانچی بنا دیا۔“

پھر داخل نہ ہونے دیا۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے دور میں بھی اس کی جلاوطنی برقرار رہی مگر عثمان نے خلیفہ ہوتے ہی اسے بلا لیا۔^۱

لطف تو یہ ہے کہ حضرت عثمان کے اس مذموم فعل کو علمائے اہل سنت میں بیشتر حضرات مستحسن نظروں سے دیکھتے ہیں اور اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ حضرت عثمان نے اس سلسلہ میں پوشیدہ طور پر رسول اکرم سے اجازت حاصل کر لی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکم بن عاص کی جلاوطنی کے بارے میں رسول اللہ اور عثمان کے درمیان گویا خفیہ معاہدہ تھا۔ اگر اسی طرح کی تاویلیں ہم کریں کہ اصحاب نبی نے قتل عثمان کے لیے آنحضرت سے پوشیدہ طور پر اجازت حاصل کر لی تھی تو اس کا کیا جواب ہے؟ بہر حال ابن ہشام کا کہنا ہے کہ :

”حکم مکہ میں آنحضرت کے پڑوس میں رہتا تھا اور یہ آنحضرت کا جانی دشمن تھا اور ہر وقت طرح طرح کی تکلیفیں اور سخت سے سخت ایذا میں پہنچایا کرتا تھا۔“

اصحابہ وغیرہ میں مالک بن دینار سے مروی ہے :

”ایک مرتبہ آنحضرت ایک راستہ سے گزر رہے تھے، حکم آپ کے پیچھے پیچھے کچھ مضحکہ خیز اشارے کرتا ہوا چل رہا تھا آنحضرت نے دیکھ لیا تو (اس کے حق میں) بددعا کی چنانچہ وہ ویسا ہی ہو گیا اور مرتے دم تک ویسا ہی رہا۔“

۱۔ خلاصہ کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۲۷ سیرت ابن ہشام ج ۶ ص ۶۵
۲۔ اصحابہ ج ۱ ص ۲۲۵، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۳۳۷، فائق زحشری ج ۲ ص ۲۰۵

ایک روایت اور :

”جبر بن مطعم سے روایت ہے کہ ہم لوگ پیغمبر کی خدمت میں حاضر تھے کہ ادھر سے حکم گزرا، اسے دیکھ کر آنحضرت نے فرمایا کہ اس کے صلب میں جو بچہ ہے اس سے میری امت عذاب و پریشانی میں مبتلا ہوگی یا“

عبدالرحمن بن عوف سے مروی ہے :

”مدینہ میں جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ آنحضرت کی خدمت میں لایا جاتا تھا چنانچہ پیدا ہونے کے بعد مروان بھی لایا گیا، اسے آنحضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ملعون ابن ملعون ہے“

جبر بن مطعم کی روایت کے مطابق پیغمبر اسلام نے مروان کی اسلام دشمنی سے متعلق اس وقت پیشین گوئی فرمادی تھی جب وہ اپنے باپ کی صلب میں تھا۔ کاش حضرت عثمان کو آنحضرت کی اس پیشین گوئی پر بھی اتنا ہی اعتماد ہوتا جتنا کاہنوں اور نجومیوں پر تھا تو شاید مروان کے ساتھ وہ یہ سلوک روا نہ رکھتے، مگر اعتماد کا سوال تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جب اسلام اور رسول اسلام پر ان کا عقیدہ مستحکم ہوتا اور وہ نیک نیتی سے مسلمان ہوئے ہوتے۔

حارث بن الحکم

حارث بن حکم بن عاص حضرت عثمان کا دوسرا داماد اور آپ کی

ایسی صورت میں اولاد امیہ یا دیگر مالی فائدہ حاصل کرنے والے لوگ اگر عثمان کو ”عثمان غنی“ کے لقب سے یاد کرتے ہیں تو کیا یہ تعجب خیز نہیں ہے ؟

مروان بن حکم

یہ حضرت عثمان کا بھتیجا اور داماد تھا، ہم تحریر کر چکے ہیں کہ یہ بھی اپنے باپ حکم کے ساتھ جلاوطن کر دیا گیا تھا مگر حضرت عثمان نے آنحضرت کے حکم کی خلاف ورزی کر کے اسے بھی حکم کے ساتھ واپس بلالیا اور اس پر عنایتوں کی وہ بارش کی کہ وزارت عظمیٰ کا قلمدان سپرد کرنے کے ساتھ ہی اپنی بیٹی بھی اسے سپرد کر دی اور کثیر مال و زر کے علاوہ فذک کا علاقہ جو رسول اللہ کی اکلوتی بیٹی جناب فاطمہ زہرا سے ابوبکر و عمر نے چھین لیا تھا، اس کو عطا کر دیا۔ غرض کہ مروان سے عثمان کے تعلقات کچھ ایسے پیچیدہ تھے کہ وہ برائے نام خلیفہ رہ گئے تھے اور خلافت و حکومت کا سارا کام مروان ہی انجام دیتا تھا۔

مروان نگاہ رسالت میں کیا تھا؟ حضرت عائشہ بنت ابوبکر کی زبان سے سینے :

”عائشہ کا بیان ہے کہ آنحضرت نے مروان کے باپ حکم پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان حکم کی صلب میں تھا، اس لیے وہ بھی لعنت رسول کا ایک ٹکڑا ہے“

۱۔ متدرک حاکم ج ۲ ص ۲۲۵، تفسیر زحشری ج ۲ ص ۹۹، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۳ اور تفسیر رازی ج ۳ ص ۲۳۲، اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۲۲، صواعق محرقة ص ۱۰۸، حیاۃ النبیون ج ۲ ص ۳۹۲، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۲۲۴ و متدرک حاکم ج ۲ ص ۴۵۵۔

صاحبزادی عائشہ کا شوہر تھا، اسے بھی آپ نے بیت المال سے مال مال کر دیا، محض اس لیے کہ یہ حضرت علیؑ اور آل رسولؐ کا بانی دشمن تھا اور آپ کی دامادی سے مشرف تھا۔

کتاب الانساب بلاذری میں ہے کہ آپ (عثمان) نے حارث کو بیت المال سے تین لاکھ دینار دیئے اور مدینہ کے بازار کی وہ آمدنی جو رسولؐ نے مسلمانوں کے لیے وقف کی تھی، بطور جاگیر اسے بخش دی۔ سیرت حلبیہ میں ہے کہ مدینہ کے بازار میں جو مال فروخت ہوتا تھا اس کا دسواں حصہ حضرت عثمان نے حارث کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ زکوٰۃ میں وصول ہونے والے کچھ اونٹ حضرت عثمان کے پاس لائے گئے وہ سب انھوں نے حارث کے حوالے کر دیئے۔ غرض کہ حضرت عثمان نے خیرات، زکوٰۃ سب اپنے دامادوں اور بیٹیوں کے لیے روار رکھا تھا۔

سعید بن العاص

سعید اس عاص کا بیٹا تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا اور چونکہ وہ امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا تھا اس لیے سعید کو حضرت علیؑ سے خاص طور پر دشمنی و عداوت تھی۔ یہ شخص حد سے زیادہ اوباش، آوارہ مزاج، بدکردار اور عیاش

۱۔ کتاب الانساب ج ۵ ص ۸۵ ۲۔ عقد الفرید ج ۶ ص ۲۶۱ و معارف ص ۸۸
۳۔ سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۲۷ ۴۔ کتاب الانساب ج ۵ ص ۸۵

قسم کا انسان تھا۔ چنانچہ اس کا مشہور قول ہے کہ:

”عراق کی سرزمین ہمارے چھو کر وں کے لیے باغات ہیں“

حضرت عثمان کی خصوصی نگاہ التفات سعید پر کیوں تھی؟ یہ وہ جانیں۔ تاریخ میں صرف اتنا ہے کہ عثمانی لطف و کرم پر جب بعض صحابہ نے احتجاج کیا تو حضرت عثمان نے انھیں یہ جواب دیا کہ:

”میں نے سعید کو مال مال کر کے حق قرابت ادا کیا ہے، تم سے مطلب؟“

ولید بن عقبہ بن ابی معیط

حضرت عثمان بن عفان کی طرح ولید بن عقبہ بھی اردی بنت کریم کے بطن سے تھا۔ ماں ایک اور باپ مختلف ہونے کی وجہ سے عثمان اور ولید آپس میں سوتیلے بھائی تھے۔

ولید ایک مانا ہوا فاسق تھا اور اس کے فسق کی گواہی قرآن نے دی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ نے اسے جہنمی قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عثمان نے اسے کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔

تاریخ احمدی مطبوعہ نامی پریس، لکھنؤ کے صفحہ ۱۴۳ پر مسعودی کی تاریخ مروج الذہب کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عثمان نے جو عمال مقرر کیے تھے ان میں آپ کا اخیانی بھائی ولید بن عقبہ بھی تھا جس کے جہنمی ہونے کی خبر رسول خداؐ نے دی تھی۔ ولید تمام رات

۱۔ کتاب الانساب بلاذری ج ۵ ص ۲۸

”ولید شاعر، طریف اور بے حد شریانی تھا۔ صبح سے لے کر شام تک برابر شراب پیتا رہتا تھا اور نشے میں چور رہتا تھا۔ اس نے اہل کوفہ کو صبح کی نماز دو رکعت کے بجائے چار رکعت پڑھائی اور رکوع و سجود میں کہتا تھا ”اشرب واستعنی“ نماز کے وقت ایک دن اس نے مصلیٰ پر محراب مسجد میں تے کر دیئے۔
علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ :

”جب ولید حاکم کوفہ ہو کر آیا تو اس وقت بیت المال کے نگراں عبداللہ بن مسعود تھے۔ ولید نے عبداللہ سے ایک کثیر رقم بطور قرض مانگی اور وعدہ کیا کہ وظیفہ ملنے پر ادا کر دوں گا۔ لیکن جب ولید نے وہ رقم ادا نہیں کی تو کچھ عرصہ بعد عبداللہ نے مطالبہ کیا۔ اس پر ولید نے عثمان سے عبداللہ کی شکایت کی۔ حضرت عثمان نے ابن مسعود کو لکھا کہ تم میرے خراجچی ہو، ولید نے جو قرض لیا ہے اس کا تقاضا نہ کرو۔ عبداللہ بن مسعود نے کنجیاں پھینک دیں اور کہا کہ مجھے ایسی ملازمت منظور نہیں ہے۔“

اس واقعہ کے بعد بلاذری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن مسعود عثمان کی غیر اسلامی روش اور غیر دینی سرگرمیوں پر برسر عام نکتہ چینی کرتے رہتے تھے۔

کردار عثمانی کا یہ تضاد فکر انگیز ہے کہ وہ شریعت محمدی اور دین الہی کو تباہ کرنے والوں پر انتہائی مہربان تھے اور اپنی ذات کے خلاف آواز

اپنے مصاحبین اور ارباب نشاط کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول رہتا تھا اور جب موزن نماز کے لیے اسے خبردار کرتا تو وہ اسی طرح مخمور (نشہ کی حالت میں) مسجد میں جا کر (نمازیوں کو) صبح کی نماز پڑھاتا تھا اور دو کے بجائے چار رکعت پڑھا کے کہتا تھا کہ اگر تم لوگ کہو تو رکعتوں کو اور زیادہ کر دوں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولید جب سجدے میں جاتا تو دیر تک پڑا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ ”پروردگار! تو بھی اور مجھے بھی پلا“ چنانچہ ایک بار جو لوگ اس کے پیچھے پہلی صف میں تھے ان میں سے کسی نے کہا کہ ہم تجھ پر تعجب نہیں کرتے بلکہ حیرت اور تعجب اس پر ہے کہ جس نے ہم پر تجھے امیر اور والی مقرر کیا ہے۔

جب ولید کے فسق اور شراب نوشی کی خبر مسلمانوں میں عام ہوئی تو مسلمانوں کے ایک گروہ نے جس میں ابوذر اور ابو زینب وغیرہ شامل تھے، مسجد سے آکر ولید پر ہجوم کیا، اس وقت وہ شراب کے نشے میں بے ہوش پڑا تھا، ان لوگوں نے اسے ہوشیار کرنا چاہا مگر جب وہ کسی طرح ہوش میں نہیں آیا تو اس کی انگشتی جس پر مہر کندہ تھی، اس کے ہاتھ سے اتار لی گئی اور لوگوں نے فوراً مدینہ آکر عثمان سے ولید کے شراب نوشی کا حال بیان کیا۔ حضرت عثمان نے پوچھا کہ تم نے کیونکر جانا کہ ولید نے شراب پی۔ ان لوگوں نے ولید کی شراب نوشی کے ثبوت میں اس کی انگشتی پیش کر کے کہا کہ وہ وہی شراب پیتا ہے جو ہم لوگ نہانہ جاہلیت میں پیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان نے شکایت کنندگان کے سینہ پر دھکتی رسید کرتے ہوئے انھیں دھکا دیا اور ڈانٹ پھٹکار کر بھگا دیا۔

ملا علی بن برہان الدین حلبی شافعی کا بیان ہے کہ :

اٹھانے والوں کے لیے سخت اور شقی القلب۔

عبداللہ بن سعد بن سرح

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان کا رضاعی بھائی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معتبوب تھا۔ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے دن اس کا خون مباح کر دیا تھا۔ یہ شخص پیغمبر اسلام کا مذاق اڑاتا اور آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتا تھا۔ یہ قرآن کا مضحکہ اڑاتا اور کہتا کہ قرآن میرے ہاتھ میں ہے جیسا چاہوں لکھ سکتا ہوں۔ اور خود قرآن نے اس کے کفر کو بیان کیا ہے۔ سرور کائنات یقیناً اس شخص کو بھی مکہ سے نکلوا دینے لگا حضرت عثمان اس کی سفارش کی تو خلق عظیم نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اسی عبداللہ کو حضرت عثمان نے اپنے دور میں پہلے افریقہ فتح کرنے کے لیے مسلمانوں کی فوج کا سپہ سالار بنایا۔ پھر عمر بن العاص کو معزول کر کے مصر کا گورنر بنا دیا۔

عبداللہ بن خالد

یہ عبداللہ ابن خالد حضرت عثمان کے تیسرے داماد تھے۔ اسلام دشمنی میں ان کا درجہ بھی بہت بلند تھا۔ ان کے لیے بھی مراعات و عنایات عثمانی عروج پر تھیں۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

”حضرت عثمان نے اپنے تیسرے داماد عبداللہ بن خالد بن

اوسید بن ابوالعاص بن ابی امیہ کو چار لاکھ درہم بیت المال سے

عطایہ۔ عبداللہ بن مسعود نے اعتراض کیا تو عثمان نے اتنا مارا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔
بلاذری کا بیان ہے:

”عثمان کے زمانہ میں عبداللہ بن ارقم صحابی رسولؐ خراجی تھے۔ عثمان نے بیت المال سے ایک لاکھ درہم قرض لیے، عبداللہ بن ارقم نے اس قرض سے متعلق ایک تحریر لکھوائی اور حضرت علیؑ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ و قاصؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اس کے گواہ ہوئے کیونکہ یہ مسلمانوں کا مال تھا۔ کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ بن خالد بن اوسید آئے اور ان کے ساتھ ان کے چند دوست بھی۔ حضرت عثمان نے عبداللہ کو تین لاکھ درہم اور اس کے ساتھیوں کو ایک ایک لاکھ درہم بیت المال سے دوانے کے لیے خراجی کے نام ایک تحریر لکھ دی کہ یہ رقم انھیں بیت المال سے دے دی جائے۔ ابن ارقم کے نزدیک یہ رقم بہت زیادہ تھی، بیت المال برداشت نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے عثمان کا حکم نامہ واپس کر دیا۔ اس کا انجام عبداللہ بن ارقم کی معزولی پر تمام ہوا۔“

یعقوبی کا بیان ہے:

”حضرت عثمان نے عبداللہ بن خالد سے اپنی لڑکی بیاہ دی اور اس کو چھ لاکھ درہم عطایہ جانے کا حکم عبداللہ بن عامر کو دیا کہ بصرہ کے بیت المال سے یہ رقم دے دی جائے۔“

حاصل کرنے کے لیے جلد بازی، تقاضے اور مختلف حیلے اختیار کرنا شروع کر دیے۔ انھوں نے حضرت عثمان پر دباؤ ڈال رکھا تھا کہ وہ ان کے لیے حکومت تک پہنچنے کی راہ صاف کریں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عثمان نے سعد کو کوفہ سے معزول کیا تو ان کی جگہ صحابہ کبار یا مہاجر و انصار میں سے کسی کو متعین نہیں کیا نہ حضرت طلحہ کو بھیجا نہ زبیر کو نہ عبدالرحمن کو نہ محمد بن مسلمہ کو اور نہ ابو طلحہ کو، انھوں نے بھیجا تو ولید بن عقبہ کو، حالانکہ مسلمانوں کو ولید پر کوئی اعتماد نہ تھا۔

ڈاکٹر طلحہ حسین کا یہ خیال قرین قیاس ہے اس لیے کہ ولید بن عقبہ حضرت عثمان کا سوتیلا بھائی تھا اور عثمان و ولید کی ماں ایک تھیں۔ (بصرہ) بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری تھے لہذا عثمان کے رشتہ داروں کی نظر میں یہ کھٹک رہے تھے۔ آخر کار حضرت عثمان نے انھیں بھی نکال باہر کیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبدالرحمن بن عامر بن کریم کو گورنر کے عہدہ پر مامور کر دیا۔

(مصر) مصر میں عمرو بن العاص والی تھے۔ حضرت عثمان نے عمر کی وصیت کے مطابق کچھ عرصہ تک انھیں برقرار رکھا اور اپنی حکمت عملی سے رفتہ رفتہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح (جس کا حال ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں) کے لیے راستہ ہموار کرنا شروع کر دیا۔ پہلے افریقہ کی فتح کے لیے اسے سپہ سالار بنا کر بھیجا اور پھر افریقہ

لہ الفتنۃ الکبریٰ

”تعارف“ کے عنوان سے تحریر کیے گئے ان چند نمونوں سے حضرت عثمان غنی کی ”غنائیت“ اور اقربا پروری کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ اندازہ بھی آسان ہو جاتا ہے کہ بیت المال کی لوٹ کھسوٹ میں عام مسلمانوں کی زبوں حالی اور سنت پیغمبری کی کسمپرسی کا کیا عالم رہا ہوگا؟

عالموں کی معزولی اور تقرری

(کوفہ) حضرت عثمان جب خلیفہ ہوئے تو اس وقت کوفہ کا گورنر مغیرہ بن شعبہ تھا، انھوں نے اسے معزول کر کے سعد بن ابی وقاص کو گورنر مقرر کیا، لیکن ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ سعد بھی معزول ہو گئے اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط گورنر ہو گیا۔

سعد کی معزولی کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان کا عبداللہ بن مسعود (خرانچی بیت المال) سے قرض کے لین دین کے معاملہ میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ کیونکہ سعد بن ابی وقاص نے بیت المال سے جو رقم قرض لی تھی اسے انھوں نے مقررہ مدت میں ادا نہیں کیا تھا لیکن ڈاکٹر طلحہ حسین کی نظر میں یہ وجہ معقول نہیں ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”ان (سعد بن ابی وقاص) کا عبداللہ بن مسعود سے قرضہ کے معاملہ پر جھگڑا کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا کہ ان جیسے صحابی کو معزول کر دیا جاتا جب کہ وہ قرض سے منکر نہ تھے محض اس کی ادائیگی کے لیے تھوڑی مہلت چاہتے تھے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ حضرت سعد کی معزولی کا اصل سبب یہ ہے کہ بنی امیہ اور آل ابی معیط نے دلائل

دوسرے دن عبدالرحمن بن ابوبکر نے عبید اللہ بن عمر سے بتایا کہ کل میں نے ابولولو، ہرمزان اور جفینہ ایک جگہ بیٹھ کر آپس میں کچھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا، یہ لوگ مجھے دیکھ کر منتشر ہونے لگے تو ایک دودھاری خنجر ان میں سے ایک کے پاس سے گرا تھا۔ عبدالرحمن بن ابوبکر نے خنجر کی شناخت بتائی تو عبید اللہ نے جو خنجر ابولولو سے عمر کے زخمی ہونے کے بعد چھینا تھا اس کو ویسا ہی پایا۔ اسے گمان ہوا کہ یہ تینوں افراد قتل عمر میں شریک تھے۔ اسی گمان اور شک و شبہ کی بنا پر عبید اللہ جنونی کیفیت کے ساتھ ہرمزان کے گھر گیا اور جاتے ہی اس کا کام تمام کر دیا، پھر جفینہ کے گھر پہنچا اور اسے قتل کر دیا اس کے بعد ابولولو کے گھر میں گھس کر اس کی یتیم لڑکی کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جب انصار و مہاجرین کی بزرگ ہستیوں کو اس تہرے قتل کی اطلاع ملی تو وہ لوگ عبید اللہ کے پاس آئے اور بہت کچھ تہدید و تحریف کی۔ عبید اللہ نے جواب دیا کہ میں عجیوں میں کسی کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور اس کے ساتھ ہی بہت سے مہاجرین کو بھی قتل کر دیا۔ اس پر عبید اللہ

لہ ہرمزان ابوان کا ایرانی صوبہ دار تھا جو حضرت عمر کے زمانہ میں فتح ابواز کے بعد اسیر ہو کر آیا تھا اور جناب عباس عمر رسول اکرم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا۔ بیت المال سے دو ہزار درہم اس کا سالانہ وظیفہ مقرر تھا اور جناب عباس دیکر نبی ہاشم کی پناہ میں رہتا تھا۔

لہ عربی تاریخوں میں جفینہ اور فارسی تاریخوں میں جہینہ مرقوم ہے۔ یہ نصرانی تھا اور سعد بن ابی وقاص کا ہمنوا حامی تھا۔

کی فتح کے بعد اسے مصر کا والی خراج بنادیا اور عمرو بن العاص کی خدمات کو جنگی امور تک محدود کر دیا، اس طرح ایک صوبہ کے دو حاکم ہو گئے۔ اب تنازعات کا پیدا ہونا لازمی تھا اور جب تنازعات ظہور پذیر ہوئے تو حضرت عثمان نے عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبید اللہ بن سعد کو مکمل طور پر وہاں کا گورنر بنادیا۔

(شام) شام میں عمرو بن خطاب کے زمانے سے معاویہ بن سفیان گورنر تھا۔ اس کا شمار طلقاء میں ہوتا تھا اور اس کا اسلام بھی مہمل اور نام نہاد تھا۔ لیکن چونکہ یہ اموی تھا اس لیے قوم پرستی کے فطری تقاضوں کے تحت حضرت عثمان کی تمام مہربانیاں اس کے شامل حال رہیں معاویہ کے لیے عثمان نے اس صوبہ میں وسعت پیدا کی اور فلسطین و حمص کے صوبے بھی اس میں شامل کر دیے جب کہ عمر کے زمانہ میں یہاں الگ الگ عامل ہوا کرتے تھے۔

اگر حضرت عثمان کی دینی غیرت، ان کے قبائلی عصبیت پر غالب ہوتی تو وہ معاویہ کی طاقت کو مزید نہ بڑھاتے۔ معاویہ اور اس کی اولاد نے آلِ رسول پر جو مظالم ڈھائے ان سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں اور ساری دنیا واقف ہے۔ کیا حضرت عثمان اس ذمہ داری سے بچ سکتے ہیں۔

دور عثمانیہ کے اہم واقعات

قتل ہرمزان

فیروز (ابولولو) کے خنجر سے جناب عمر جس دن زخمی ہوئے اس کے

اور سعد بن ابی وقاص میں سخت توتو، میں میں، گالم گلوچ، گتھم گتھا اور ہاتھ پائی ہوئی یہاں تک کہ سعد نے اس کی تلوار چھین لی، بال بکڑا کر دے مارا اور گھسیٹتا ہوا اپنے گھر لایا اور کمرے میں بند کر دیا۔ اور جب تک حضرت عثمان کی خلافت کے لیے شوری ہو تا رہا صہیب نے اسے نظر بند رکھا۔ بیعت کے دوسرے دن عثمان کے سامنے اس تہرے قتل کا پہلا مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت عثمان نے مہاجرین و انصار کو مجتمع کیا اور ان سے پوچھا کہ عبید اللہ بن عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جس نے ہرمزان جو مسلمان اور عبادت گزار تھا، جفینہ جو اللہ کے ذمہ اور سید ابراہیم کی پناہ میں تھا اور فیروز (ابولول) کی یتیم و نابالغ لڑکی کو بے جرم و خطا صرگمان پر بغیر دلیل و برہان کے قتل کیا اور دین محمدی میں فتنہ برپا کیا؟ تمام بنی ہاشم نے خون کے بدلے خون اور قتل کے بدلے قتل کا مطالبہ کیا۔ کچھ مہاجرین اور خاص کر حضرت علی علیہ السلام بھی قصاص میں عبید اللہ کو قتل کیے جانے کے حق میں تھے۔ اس کے برعکس عمرو بن العاص کے ساتھ ایک گروہ کثیر عبید اللہ بن عمر کا طرفدار بھی تھا۔ چنانچہ عمرو عاص نے کہا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ کل باپ (عمر) مارا گیا اور آج بیٹا مارا جائے۔ اس پر دربار عثمانی میں بہت کچھ بحث و مباحثہ اور ہنگامہ ہوا تو عمرو عاص نے عثمان سے کہا کہ یہ واقعہ آپ کے خلیفہ ہونے سے پہلے کا ہے لہذا آپ کے لیے درگزر مناسب ہے۔ عثمان نے کہا ٹھیک ہے میں اس کی دیت بیت المال سے ادا کیے دیتا ہوں۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں یہ مجاز نہیں ہے کہ دیت بیت المال سے

ادا کرو، اس پر عثمان نے کہا، اچھا میں دیت کی رقم اپنی جیب خاص سے ادا کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے ادا کر دیا اور عبید اللہ بن عمر کو چھوڑ دیا۔ مندرجہ بالا اقتباسات تاریخ طبری، ابن اثیر، روضۃ الاحباب اور جیب السیر سے ہم نے نقل کیے ہیں۔ اور طبقات ابن سعد میں ہے کہ: جب عثمان خلیفہ بنا دیے گئے تو انھوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور کہا کہ مجھے اس شخص (عبید اللہ بن عمر) کے بارے میں مشورہ دو جس نے دین میں رخنہ پیدا کیا، مہاجرین نے اتفاق کر کے عثمان کو مقتولین کا والی بنا دیا۔ لوگوں کی اکثریت عبید اللہ کے ساتھ تھی جو جفینہ اور ہرمزان کے لیے کہتے تھے کہ وہ تو قتل ہوئے اب تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ عمر کے بعد ان کے بیٹے کو قتل کر دو۔

اس معاملے میں شور و غل اور اختلاں بہت ہو گیا۔ عمرو عاص نے عثمان سے کہا یہ واقعہ آپ کی خلافت کے آغاز سے پہلے کا ہے لہذا اسے درگزر کیجیے۔ عمر کی تقریر سے لوگ منتشر ہو گئے، عثمان بھی باز آگئے اور دونوں آدمیوں اور لڑکی کا خون بہا دے دیا گیا۔

ابن رجزہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میں نے عبید اللہ بن عمر کو اس حالت میں دیکھا کہ وہ عثمان سے ہاتھ پائی کر رہے تھے، عثمان کہہ رہے تھے کہ خدا تجھے غارت کرے، تو نے ایسے شخص کو قتل کیا جو نماز پڑھتا تھا اور چھوٹی بچی کو، ایک دوسرے شخص کو جو رسول اللہ کے ذمہ تھا، تیرا چھوڑنا حق نہیں ہے۔ پھر تعجب ہے کہ جس وقت وہ والی ہوئے انھوں نے اسے کیوں کر چھوڑ دیا۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ عمرو عاص نے اس میں دخل اندازی کی اور انھوں نے ان کے کہنے پر

چھوڑ دیا۔

خلیفہ بننے سے پہلے عثمان کا یہ خیال تھا کہ اس تہرے قتل کے مجرم عبید اللہ کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے مگر خلیفہ بننے کے بعد آپ نے عبید اللہ کو نہ صرف چھوڑا بلکہ خوں بہا کی رقم بھی اپنے پاس سے ادا کرنے کو تیار ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کو یہ احساس ہوا ہو کہ یہ خلافت تو اسی کے باپ کی مرہون منت ہے اس لیے احسان مند اور حیا دار خلیفہ کو تین معصوم جانوں کا قصاص لیتے ہوئے شرم آئی، کیونکہ مقتولین غیر عرب تھے اور ان کا کوئی والی و وارث نہ تھا۔

حضرت ابوذر غفاری کی جلا وطنی

ابوذر غفاری مدینہ سے مشرق کی جانب واقع ایک چھوٹے سے گاؤں ربذہ کے رہنے والے تھے۔ آپ کا نام جندب ابن جنادہ تھا جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سنا تو مکہ آئے اور پیغمبر کی خدمت میں باریاب ہو کر اسلام قبول کیا جس پر کفار قریش نے انھیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں مگر آپ کے ثبات قدم میں لغزش نہ آئی۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ پانچویں نمبر پر ہیں۔ اس سبقت اسلامی کے ساتھ آپ کے زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ میری امت میں ابوذر زہد و ورع میں عیسیٰ ابن مریم کی مثال ہیں۔ آپ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں شام چلے گئے اور حضرت عثمان کے عہد خلافت میں وہیں مقیم تھے اور شب و روز ہدایت و تبلیغ کے فرائض انجام دیتے تھے۔ امیر شام معاویہ کو آپ کی یہ

روش پسند نہ آئی چنانچہ وہ ان کے کھلم کھلا لے دے کرنے اور عثمان کی سربراہ پرستی، اقربا پروری اور بے راہ روی کے تذکروں سے انتہائی بیزار تھا مگر کچھ بنائے نہ بنتی تھی۔ آخر کار اس نے عثمان کو لکھا کہ اگر ابوذر کچھ دنوں اور یہاں مقیم رہے تو اطراف کے تمام لوگوں کو آپ سے برگشتہ کر دیں گے لہذا اس کا انداد ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ ابوذر کو کسی بے کجاوہ اور تیز رفتار اونٹ پر سوار کر کے کسی درشت مزاج، تند خو اور بے رحم و سنگدل رہبر کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیج دو۔ چنانچہ حضرت ابوذر جب مدینہ پہنچے تو اذیت ناک سواری کی وجہ سے آپ کی رانوں کا گوشت جدا ہو چکا تھا اور صرف ہڈیوں کی سفیدی ظاہر ہو رہی تھی۔ لیکن مدینہ پہنچ کر بھی آپ کی زبان صداقت خاموش نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کو رسولؐ کا زمانہ یاد دلاتے۔ نظام حکومت پر طنز کرتے، سربراہ داری کی مخالفت کرتے اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ کی برسر عام مذمت کرتے۔

حضرت عثمان کے لیے جناب ابوذر کا یہ طرز عمل ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ آپ نے انھیں ایک دن بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ جب بنی امیہ کی تعداد تیس تک پہنچ جائے گی تو اللہ کے شہروں کو اپنی جاگیر، اس کے بندوں کو اپنا غلام اور اس کے دین کو فریب کاری کا ذریعہ قرار دے لیں گے؟

ابوذر نے کہا کہ بے شک میں نے پیغمبر اسلام سے یہ حدیث سنی ہے۔ عثمان نے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ پھر اپنے مصاحبین کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے پیغمبر کی زبان سے یہ حدیث سنی ہے؟

کی ظالمانہ روش نے اس حق پرست کو مدینہ چھوڑ دینے اور ربذہ کی طرف چلے جانے پر اپنے شاہی فرمان کے ذریعہ مجبور کر دیا۔ اور مروان کو اس امر پر مامور کیا گیا ہے کہ وہ انھیں مدینہ سے باہر نکال دے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ قہرانی فرمان بھی جاری ہوا کہ کوئی شخص ابوذر سے کلام نہ کرے اور نہ کوئی شخص الوداع کہے۔ مگر امیر المومنین حضرت علیؑ امام حسنؑ، امام حسینؑ، عقیلؑ، عبداللہ بن جعفر اور عمار یا سمر نے اس قہرانی فرمان کی کوئی پروا نہ کی اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ رخصت کے لیے دور تک ابوذر کے ہمراہ آئے۔

جلاوطنی کے بعد ربذہ میں ابوذر کی زندگی انتہائی مصائب و آلام میں گئی۔ آپ کے فرزند ذر اور اہلیہ نے یہیں انتقال کیا جو بھڑکریاں گزرا کے لیے پال رکھی تھیں وہ بھی ہلاک ہو گئیں، صرف ایک بیٹی رہ گئی جو باپ کے ساتھ دکھوں اور فاقوں میں برابر کی شریک تھی۔ جب سر سامان زندگی ناپید ہو گئے اور مسلسل فاقے پر فاقے ہونے لگے تو اس نے ابوذر سے کہا: بابا! یہ زندگی کے دن کیسے گئیں گے کہیں آنا جانا چاہیے اور رزق کا سامان فراہم کرنا چاہیے۔ بیٹی کی اس تجویز پر ابوذر اسے ہمراہ لے کر صحرا کی طرف نکل پڑے ہوئے مگر گھاس پھوس اور درختوں کے پتے بھی میسر نہ آ سکے۔ آخر کار تھک کر ایک جگہ بیٹھ گئے۔ صحرا کی ریت اکٹھا کی اور اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے۔ اسی عالم میں سانسیں اکٹھا گئیں اور نزعی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب ابوذر کی دختر نے یہ حال دیکھا تو سر اس پر مضطرب ہو کر کہنے لگی کہ بابا جان! اگر آپ نے اس لق و دق صحرا میں انتقال فرمایا تو میں اکیلی کیوں کر کفن و دفن کا انتظام کروں گی۔ آپ نے

سب نے جواب نفی میں دیا جس پر ابوذر نے فرمایا کہ اس حدیث کے بارے میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے پوچھا جائے وہی اس کی حقیقت بتائیں گے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کو بلا کر دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوذر سچ کہتے ہیں۔ عثمان نے کہا کہ آپ کس بنا پر اس حدیث کی صحت کی گواہی دے رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے پیغمبرؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

”زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے ابوذر سے زیادہ سچ

بولنے والا کوئی نہیں ہے۔“

اب عثمان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اگر جھٹلاتے تو بیعت کی تکذیب لازم آتی لہذا بیچ و تاب کھا کر رہ گئے اور کوئی تردید نہ کر سکے۔ اب سر سامان پرستی کے خلاف ابوذر کی صدائے احتجاج اور بلند ہونے لگی اور حبیب عثمان کو دیکھتے تو اس قرآنی آیت کی تلاوت فرماتے:

(ترجمہ) ”جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ

میں اسے خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

کہ جس دن ان کا جمع کیا ہوا سونا اور چاندی دوزخ کی آگ میں پتیا

جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں داغی جائیں گی اور ان سے کہا

جائے گا کہ یہ وہی ہے جسے تم نے اپنے لیے ذخیرہ کیا تھا تو اب

ذخیرہ اندوزی کا مزہ چکھو۔“

حضرت عثمان نے اپنی طینت، فطرت اور عادت کے مطابق ابوذرؓ کو بھی مال و زر کا لالچ دیا، مگر اس طائر آزاد کو سنہری جال میں نہ جکڑ سکے۔ تشدد اور سختی سے بھی کام لیا مگر زبان بند نہ کر سکے۔ آخر کار عثمان

والدہ سمیۃ قبیلہ مخزوم سے تھیں۔ آپ نے ابتدا ہی میں اپنے والدین کے ساتھ قبولیت اسلام کا شرف حاصل کیا اور اس کی پاداش میں کفار قریش کے ہاتھوں بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کیے۔ اہل قریش اپنے معبودوں (بتوں) کی تعریف و توصیف اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہنے کے لیے آپ کو چیللاتی دھوپ اور آگ اگلتی ہوئی گرم ریت پر دن دن بھر لٹائے رکھتے اور کہتے کہ ہم تمہیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تم محمد کی برائی اور ہمارے معبودوں کی توصیف و تعریف نہ کرو گے مگر عمار کی پیشانی پر بل نہ آتا اور آپ کی زبان حمد الہی اور توصیف محمدی میں رطب اللسان رہتی۔ یہ حال دیکھ کر پیغمبر کو صدمہ ہوتا اور وہ آپ اور آپ کے والدین کے لیے خدا سے رحمت کے طلبگار ہوتے۔ قرآن نے بھی آپ کے اسلامی ثبات اور سرمدی ایمان کے تذکرے کیے ہیں۔

حضرت عمار یا سر کو ”ذوالہجرتین“ کا خطاب دیا جائے تو غلط نہ ہوگا اس لیے کہ آپ نے دو ہجرتیں کی ہیں۔ پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ کی طرف۔

دیگر صحابہ کی بہ نسبت مسجد نبوی کی تعمیر میں آپ کا حصہ زیادہ ہے اس لیے کہ دیگر صحابہ اگر ایک اینٹ یا پتھر لاتے تو آپ دو لاتے تھے۔ جنگ خندق کے موقع پر خندق کی کھدائی اور تیاری میں بھی عام مسلمانوں سے زیادہ حصہ لیا اور ہر اسلامی جنگ میں پیغمبر اسلام کے دوش بدوش رہے، دیگر صحابہ کی طرح کسی جنگ کے میدان سے راہ فرار نہیں اختیار کی۔

فرمایا کہ بیٹی گھبراؤ نہیں، رسول اللہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے ابوذر! تم عالم غربت میں انتقال کرو گے اور کچھ عراقی تمہاری تجہیز و تکفین میں لہذا بیٹی اگر میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو ایک چادر میرے اوپر ڈال دینا اور سر راہ جا کے بیٹھ جانا، جب ادھر سے کوئی قافلہ گزرے تو کہنا کہ رسول کے صحابی ابوذر نے انتقال کیا ہے۔

چنانچہ ابوذر کی رحلت کے بعد ان کی بیٹی سر راہ جا کر بیٹھ گئی، کچھ دیر بعد ایک قافلہ گزرا جس میں ہلال بن مالک مزینی، احنف بن قیس تمیمی، اصعبہ بن صوحان ابدی، اسود بن قیس میمی اور مالک بن حارث اشتر تھے۔ جب انھوں نے حضرت ابوذر کے انتقال کی خبر سنی تو اس بے کسی کی موت پر تڑپ اٹھے۔ سواریاں روک لی گئیں اور ان کی تجہیز و تکفین کے لیے سفر ملتوی کر دیا گیا۔ مالک اشتر نے جو کفن دیا اس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ یہ لوگ تجہیز و تکفین کے فرائض انجام دینے کے بعد رخصت ہوئے اور ابوذر کی بیٹی کو بھی اپنے ہمراہ لے گئے۔ یہ واقعہ ۸ رذی الحجہ ۳۳ھ کا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں نے دفن کرنے کے بعد ابوذر کے لیے دعائے مغفرت کی اور عثمان کے اس ظلم کے خلاف اللہ سے فریاد اور ان کے حق میں بددعا کی۔

(طبری، خلافت فاروقی و عثمانی)

حضرت عمار بن یاسر پر عثمانی تشدد

آپ کا نام عمار اور والد کا نام یاسر تھا جو نسلاً یمنی تھے۔ آپ کی

بے ہوش ہو گئے۔

یہ پیغمبر کا بے باک صحابی پھر بھی اپنی حق بیانی اور حق پرستی پر قائم رہا اور اس کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں ہوئی۔ ایک موقع پر کچھ صحابہ نے عثمان کو ایک خط لکھا اور اس میں انھیں ان کے طرز عمل پر ملامت و نصیحت کی۔ حضرت عمار یا سریہ خط لے کر عثمان کے پاس آئے اور اس کا ابتدائی حصہ انھیں پڑھ کر سنایا۔ عثمان نے انھیں سخت و سست کہا، گالیاں دیں اور لاتوں اور گھونسوں سے بری طرح مارا پیٹا۔ اس وقت عثمان کے پیروں میں چرمی موزے تھے، یہاں تک کہ ایک ایسی لات حضرت عمار کے پیٹ پر پڑی کہ شکم کا پردہ بھٹ گیا جس سے اس بوڑھے صحابی کو فتن کی بیماری ہو گئی۔ مورخ اعظم کو فی کا بیان ہے کہ:

”حضرت ابوذر غفاری کے انتقال کی خبر جس وقت عثمان کو ملی اس وقت عمار یا سریہ بھی عثمانی بزم میں موجود تھے، آپ نے ”إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“ کا کلمہ زبان پر جاری کیا اور فرمایا کہ ابوذر پر اللہ کی رحمت ہو، اے خدا! میں یہ دعا اس کیلئے دل و جان سے مانگا ہوں کہ اسے بخش دیجیو۔ اس پر خلیفہ عثمان نے غصہ ہو کر کہا، اے نالائق! تیرا بھی یہی حال ہوگا۔ میں ابوذر کو مدینہ سے نکال دینے پر پشیمان نہیں ہوں۔۔۔۔۔ عمار نے کہا خدا کی قسم میرا یہ حال ہوگا۔ عثمان نے کہا اسے دھکے دو اور شہر سے نکال دو اور اسی جگہ پہنچا دو جہاں ابوذر کو پہنچایا تھا۔۔۔۔۔ عمار نے کہا، خدا کی قسم مجھے کتے اور بھڑوں کی ہمسائیگی تیرے پاس رہنے سے زیادہ پسند ہے۔“

عمر بن خطاب نے اپنے دور خلافت میں آپ کو کوفہ کا گورنر مقرر فرمایا اور پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد معزول کر دیا اور پوچھا کہ اس معزولی سے آپ ناراض تو نہیں ہوئے؟ عمار نے جواب دیا کہ جس وقت آپ نے مجھے گورنر بنایا تھا اس وقت بھی میں خوش نہیں تھا اور اب معزول ہو گیا ہوں تب بھی خوش نہیں ہوں۔ یہ تھی عمار کی صاف گوئی اور شان بے نیازی۔

حضرت ابوذر غفاری کے بعد عمار دوسرے صحابی تھے جنھوں نے حضرت عثمان کی بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں کے خلاف آواز احتجاج بلند کی اور اس کے بدلے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔ ایک دن حضرت عثمان نے بیت المال سے ایک انتہائی بیش قیمت ہیرا نکلو کر اپنی کسی بیٹی یا بیوی کے زیور میں جڑوا دیا تو لوگوں کو اس کا پتہ چلا تو انھوں نے عثمان پر لعنت ملامت کی اور غم و غصہ کا اظہار کیا۔ اس پر عثمان بھی طیش میں آ گئے اور انھوں نے برسر عام یہ اعلان کیا کہ سارا مال غنیمت ہمارا ہے، ہم جو مناسب سمجھتے ہیں کرتے ہیں، کسی کا اس میں کیا اجارہ؟ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تمھیں روک دیا جائے گا اور تمھارے اور بیت المال کے درمیان آرٹ کر دی جائے گی۔

حضرت عمار یا سریہ بھی اس موقع پر موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اس معاملہ کی مخالفت کرنے والوں میں میرا نام سر فہرست میں کر لیا جائے۔ پس اس جملے پر عثمان نے عمار کو گرفتار کر لیا اور اپنے ہاتھوں سے اتنا مارا کہ آپ

میں دیکھتا ہوں کہ تجھ سے ایسے امور سرزد ہو رہے ہیں جو حدودِ شریعت سے باہر ہیں۔ یہ کہہ کر آپ عثمان کے پاس سے چلے آئے اور پھر عثمان نے عمار کی جلاوطنی کا فیصلہ ترک کر دیا۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہ بن مسعود کا تعلق قبیلہ بنی زہرہ سے تھا۔ آپ سابقین مسلمین میں سے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کی، اس سے پہلے کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ کفار قریش نے آپ کو اس فعل پر اتنا مارا تھا کہ آپ لہو لہان ہو گئے تھے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد سے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنالیا تھا۔ آپ پیغمبر اسلام کے کفش بردار بھی تھے۔ آپ کی نعلین پیروں میں پہناتے اور آپ کے ساتھ آگے آگے چلتے۔ آپ نے دو ہجرتیں کیں، پہلی حبشہ کی طرف اور دوسری ہجرت مدینہ کی طرف۔ جنگ بدر سے لے کر اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ رفتار و رفتار اور طور و طریق میں رسول اللہ کے مشابہ تھے یہ

حضرت عمرؓ نے انھیں امورِ دین کی تعلیم دینے کے لیے اور جناب عمارؓ کو حاکم بنا کر کوفہ بھیجا تھا اور کوفے والوں کو تحریراً یہ تاکید کی تھی کہ تم

۱۔ منہ احمد ۵۶ ص ۳۸۹، بخاری مناقب ابن مسعود، متدرک حاکم ج ۳ ص ۳۱۵ و ۳۲۰، کنز العمال ج ۷ ص ۵۵

اس گفتگو کے بعد حضرت عثمان نے جناب یا سر کو بھی جلا وطن کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ خبر جب عام ہوئی تو قبیلہ بنی مخزوم کے وہ لوگ جو حضرت عمار کے قریبی رشتہ دار تھے، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فریاد کی:

”آج ہم عثمان کی اس ناشائستہ گفتگو اور بے ہودہ فیصلہ کے سلسلہ میں آپ کے پاس آئے ہیں جو اس نے عمار کے بارے میں کیا ہے۔ اگر وہ عمار کو شہر سے باہر نکال دے گا تو ہمارے ہاتھوں بھی وہ حادثہ ظہور میں آجائے گا جس سے وہ تمام عمر کچھٹائے گا۔“

حضرت علی علیہ السلام نے قبیلہ بنی مخزوم کے اس وفد کے تیور کو محسوس کیا اور عثمان کے پاس آکر کہا:

تم نے اس سے پہلے ابوذر کو جو انتہائی نیک، پرہیزگار، متقی، سچا مسلمان اور حضرت رسول خدا کا بہترین صحابی تھا، مدینہ سے نکال دیا اور وہ بے چارہ بے کسی کی حالت میں پردیس (ربذہ) میں ہی چل بسا۔ تمہارے اس تشدد نے مسلمانوں کو برگشتہ کیا۔۔۔ اب تم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ عمار کو بھی مدینہ سے نکال باہر کرو۔۔۔ اللہ سے خوف کھاؤ اور اصحابِ پیغمبرؐ کو اذیتیں دینے سے باز آؤ۔ عثمان کو حضرت علیؓ کی یہ باتیں ناگوار گزریں۔ چنانچہ مورخ اعظم کو فی نے تحریر کیا ہے کہ عثمان نے غصہ سے بے قابو ہو کر حضرت علیؓ سے بدکلامی کی اور آپ کو بھی مدینہ سے نکال دینے کی دھمکی دی۔ اس پر علیؓ نے عثمان کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اگر تیرے دل میں یہ حسرت ہے تو آزما کے دیکھ۔۔۔ خدا کی قسم تمام فسادات تیری ذات سے ہیں اور

لوگ ان دونوں حضرات کی پیروی کرنا اور ان کی باتوں پر عمل کرنا۔
ابن مسعود اہل کوفہ کو قرآن اور دین کی تعلیم دیتے رہے یہاں
تک کہ جب ولید کوفہ کا گورنر مقرر ہو کر آیا تو آپ اس وقت بیت المال
کے خزانچی بھی تھے۔

ولید نے بیت المال سے کچھ قرض لیا اور جب ایک مدت تک
اس نے وہ قرض کی رقم ادا نہیں کی تو آپ نے اس سے واپسی کا
تقاضہ کیا۔ ولید نے اس کی شکایت عثمان سے کی چنانچہ عثمان نے
ابن مسعود کو لکھا:

”تم صرف ہمارے خزانچی ہو۔ ولید نے بیت المال سے جو
رقم لی ہے اس کا تقاضہ نہ کرو“

یہ شاہی حکم جب موصول ہوا تو خود دار عبداللہ بن مسعود نے
بیت المال کی کنجیاں ولید کے سامنے پھینک دیں اور کہا کہ میں اپنے آپ
کو تمام مسلمانوں کا خزانچی تصور کرتا تھا، تمہارا خزانچی ہونا مجھے منظور
نہیں ہے۔ چنانچہ کنجیاں پھینکنے کے بعد آپ کوفہ ہی میں مقیم رہے۔
علامہ بلاذری رقم طراز ہیں:

ولید کے سامنے عبداللہ بن مسعود نے جب بیت المال کی کنجیاں
پھینکی تو یہ جملہ بھی کہا:

”جو شخص شریعت میں الٹ پھیر کرے گا اسے خدا بھی الٹ دے گا“

۱۔ استیعاب ج ۱ ص ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶

گستاخی کرتا ہے۔“

لیکن عثمان نے عائشہ کی ایک نہ سنی اور ابن مسعود کو گرا کر پیروں تلے روند ڈالا جس سے آپ کی پسلیاں شکستہ ہو گئیں۔ اکثر نے یہ کہا ہے کہ عثمان کے اشارے پر عبداللہ بن زمعہ نے ابن مسعود کو پٹک دیا۔ بعض کا یہ کہنا ہے کہ عثمان کے غلام محموم نے دونوں ہاتھ پراٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے آپ کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اس ظلم کے بعد بھی عثمان کو چین نہ آیا چنانچہ آپ نے ابن مسعود پر مزید ستم یہ کیا کہ وظیفہ بند کر دیا اور مدینہ سے باہر جانے پر مکمل پابندی عائد کر دی۔

بلاذری کا کہنا ہے کہ جب ابن مسعود مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو عثمان ان کی عیادت کو آئے اور دونوں میں باہم اس طرح گفتگو ہوئی:

عثمان: — آپ کو کیا تکلیف ہے؟

ابن مسعود: — اپنے گناہوں کا خوف ہے۔

عثمان: — آپ کیا چاہتے ہیں؟

ابن مسعود: — اپنے پروردگار کی رحمت۔

عثمان: — آپ کا وظیفہ پھر جاری کر دوں؟

ابن مسعود: — جب ضرورت تھی تو بند کر دیا، اب ضرورت نہیں

تو جاری کرنے پر آمادہ ہیں۔

عثمان: — آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔

ابن مسعود: — میرے بچوں کا کفیل خدا ہے۔

عثمان: — میری بخشش کے لیے خدا سے دعا کیجیے۔

ابن مسعود: — میں خدا سے دعا کروں گا کہ وہ آپ سے میرا انتقام لے۔ تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ جب عثمان نے یہ کہا کہ وظیفہ آپ کے بچوں کے کام آئے گا تو ابن مسعود نے فرمایا کہ آپ میرے بچوں کی ناداری کا اندیشہ نہ کریں، میں نے انھیں تاکید کر دی ہے کہ وہ ہر را سورۃ واقعہ کی تلاوت کرے گا وہ کبھی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہو گا۔ عثمان جب چلے گئے تو ابن مسعود نے وصیت کی کہ وہ میری نماز جنازہ نہ پڑھائیں۔ چنانچہ جب آپ نے انتقال کیا تو کسی نے عثمان کو خبر تک نہ دی۔ عمار یا سر نے نماز جنازہ پڑھی اور یہ برگزیدہ صحابی ۳۲؎ میں دنیا سے رخصت ہو کر آنحضرتؐ سے جا ملا۔

عثمانی فتوحات

حضرت عمر کے استبدادی دور میں حکومت کے نمک خوار سپہ سالاروں، جرنیلوں اور فوجی کمانڈروں نے عرب کے ننگے اور بھوکے قبائل کے ساتھ مل کر ملک گیری اور مال غنیمت کے نام پر غیر اسلامی فتوحات کا جوا لٹاتا سلسلہ قائم کیا تھا اس کا تسلسل حضرت عثمان کے دور میں بھی برقرار رہا۔ چنانچہ ۲۵؎ میں عثمان نے والی مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام یہ شاہی فرمان جاری کیا کہ وہ افریقہ کی طرف پیش قدمی کرے اور اس کے تمام علاقوں کو اپنے مفتوحہ علاقوں میں شامل کر لے۔

لے ابن کثیر ج ۲، ص ۱۶۳

گورنروں، سپہ سالاروں اور جرنیلوں کے سر پہ نہ کہ عثمان کے۔ البتہ ایک نئی جارحیت عثمانی دور میں شروع ہوئی اور وہ تھی بحری جنگوں کی جس میں سیرت شیخین کا کوئی دخل نہ تھا اور نہ آپ کی حوصلہ مندی ہی کار فرما تھی۔ یہ ہم تو صرف بنی امیہ کے سفاک اور غاصب گورنر معاویہ بن ابوسفیان کی جاہ پسندی کا نتیجہ تھی۔

مسجد نبوی کی توسیع

علامہ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے:

”۲۹ھ میں حضرت عثمان نے مسجد نبوی کی توسیع کی اور تراشیدہ پتھروں سے اس کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ ستون بھی پتھروں کے بنوائے گئے اور چھت میں ساگون کی لکڑی استعمال کی گئی اور مسجد کا طول ۱۶۰ ہاتھ اور عرض ۵۰ ہاتھ رکھا گیا۔“ (تاریخ الخلفاء)

مسجد الحرام کی توسیع

حضرت عثمان نے ۲۹ھ میں حرم کعبہ کی تجدید اور توسیع کا حکم دیا۔ پہلے تو انھوں نے آس پاس کے لوگوں سے ان کے مکانات اور زمینوں کو خریدنے کا قصد کیا مگر جب کچھ لوگوں نے انکار کیا تو ان کے گھروں کو زبردستی مسمار کر دیا اور انھوں نے فریاد کے ذریعہ جب انصاف کا مطالبہ کیا تو آپ نے انھیں قید خانوں میں ڈال دیا۔ بعد میں عبداللہ بن خالد کی سفارش پر بمشکل تمام انھیں رہا کیا۔ (طبری) خلیفہ کی حیثیت سے مسجد نبوی اور مسجد الحرام کی تجدید و توسیع

اس فرمان کے بموجب عبداللہ بن سعد ایک کثیر فوج لے کر تیونس کی طرف روانہ ہوا مگر وہ اس مہم میں ناکام رہا۔ ۲۹ھ میں عثمان نے ایک لشکر جس میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد شامل تھی، عبداللہ کی مدد کو بھیجا تاکہ وہ تیونس پر دوبارہ حملہ کر کے اس پر فتح حاصل کرے چنانچہ تیونس فتح ہوا۔ اس کے بعد اسپین فتح ہوا۔ اسی سال معاویہ نے بحری راستے سے قبرص پر چڑھائی کر کے اسے فتح کیا جب کہ حضرت عمر کے دور میں معاویہ کی نگاہیں قبرص پر تھیں لیکن چونکہ عمر بحری جنگ سے ڈرتے تھے اس لیے انھوں نے اجازت نہیں دی تھی۔ اسی سنہ میں ارجان وغیرہ فتح ہوئے۔ ۲۹ھ میں اصفہان اور قسا وغیرہ فتح ہوئے۔ ۳۰ھ میں خراسان اور اس کے بیشتر شہر نیشاپور، طبرستان، سرخس، مرو اور سیہق وغیرہ مفتوحہ ممالک میں شامل ہوئے۔ آذربائیجان کا علاقہ جو حضرت عمر کے دور میں فتح ہو چکا تھا، پھر باغی ہو گیا۔ اس بغاوت کو ولید بن عقبہ نے سختی سے کچل دیا اور وہاں کے لوگوں سے آٹھ لاکھ درہم سالانہ خراج پر صلح ہوئی۔

بہر حال، عثمانی فتوحات کا تذکرہ اس کو فرسے کیا جاتا ہے جیسے یہ تمام فتوحات انھیں کی تدبیر اور فراست کا نتیجہ ہوں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ فتوحات ورثہ ہیں اس جنگی معاشرے کا جو حضرت عمر کے دور میں پوری طرح تشکیل پا چکا تھا، فوجی چھاو نیاں قائم ہو چکی تھیں جن میں لاتعداد ملازم پیشہ فوج رہتی تھی جسے مصروف رکھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ عثمان کی فتوحات، عمر بن خطاب کے عہد کی جنگوں کا تسلسل تھیں اور ان فتوحات اور کامرانی کا سہرا صوبائی

جنگی مہمات کے دوران عثمانی عاملوں نے بھی محسوس کیا اور خلیفہ
یمانی نے عثمان کو یہ مشورہ دیا کہ حفصہ کے پاس جو نسخہ ہے اس کی
نقلیں کرا کے انھیں تشہیر کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ اس کام کے لیے
حضرت عثمان نے ایک چار رکنی کمیٹی تشکیل دی اور اس میں زید بن
ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبداللہ بن حارث بن ہشام
کو نامزد کر کے زید بن ثابت کو اس کا انچارج بنایا اور انھیں حکم دیا
کہ ایک ایسا معیاری نسخہ تیار کیا جائے جس کی بنیاد قریش کی قرأت
پر ہو۔

اس کمیٹی نے حفصہ کے پاس جو نسخہ تھا اس سے نیز دیگر حفاظ
کی حفظ کی ہوئی آیتوں سے تقابل کر کے تحقیق و جستجو کے بعد سات
نسخے تیار کیے اور انھیں عراق، شام، مصر اور دیگر بلاد اسلامیہ بھجوا
دیے اور اصل نسخہ حفصہ کو واپس کر دیا۔

اب یہاں حسب ذیل باتیں غور طلب ہیں:

- ۱۔ یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام جو بقول رسول خدا
امت میں سب سے بڑے عالم اور ”باب شہر علم“ تھے، ان کے
جمع کیے ہوئے قرآن کو ابو بکر، عمر اور عثمان نے قبول کیوں نہیں کیا؟
- ۲۔ جب حضرت علیؑ نے اپنا جمع کیا ہوا قرآن حضرت عثمان کے
سامنے پیش کیا تو انھوں نے اسے مسترد کیوں کر دیا؟
- ۳۔ حضرت عثمان نے جمع قرآن کا کام ایسے لوگوں کے ذمہ کیوں
کیا جو اس کے اہل نہ تھے۔

ان تمام باتوں کے ذیل میں ہم سب سے پہلے اراکین قرآن کمیٹی

عثمان کا فرض تھا، لیکن اللہ کے بندوں کے گھروں کو مسمار و تاراج کر کے
اللہ کے گھر کی تعمیر و توسیع کہاں تک جائز اور درست ہے؟ کیا یہ ستم ظریفی
نہیں ہے؟

جمع قرآن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے ایک سال کچھ
ماہ بعد جنگ یمامہ شروع ہوئی جس میں ستر حفاظ قرآن قتل کر دیے
گئے۔ اس سانحہ عظیم کے بعد حضرت ابو بکر سے عمر نے فرمایا کہ اگر
تنہا حفاظ پر قرآن کے تحفظ پر قرآن کے تحفظ کا احضار کیا گیا اور
جنگ یمامہ کی طرح دیگر جنگوں میں حفاظ قتل ہوتے رہے تو پھر قرآن
کی بقا کا مسئلہ پیچیدہ ہو جائے گا اور قرآن میں کمی واقع ہو جانے کا
احتمال رہے گا، مناسب ہے کہ قرآن لکھوا کر جمع کرادینا چاہیے۔ تمام
صحابہ نے بھی حضرت عمرؓ کی اس تجویز سے اتفاق کیا۔ زید بن ثابت کو
اس کام کی تکمیل کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ انھوں نے تمام حفاظ کو جمع
کیا اور جن جن کے پاس قرآنی آیتیں لکھی ہوئی تھیں ان کو بعد تحقیق
ایک جلد میں نقل کر کے جمع کیا۔ وہ نسخہ حضرت ابو بکر کے پاس رہا، ان
کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا اور عمرؓ کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی
حفصہ کے قبضہ میں آیا۔

چونکہ عہدِ خلفائے ثلاثہ میں مسلسل فتوحات نے اسلام کو دور دراز
ممالک اور علاقوں میں پہنچا دیا تھا، اس لیے زبان کے لحاظ سے علاقائی
فرق کا قرآن کی تلاوت و قرأت پر اثر انداز ہونا ایک لازمی امر تھا جسے

کے حالات کا جائزہ لیں گے

زید بن ثابت: زید میں قرآن جمع کرنے کی صلاحیت، اہلیت اور قابلیت قطعی نہیں تھی وہ اس کام کو پہاڑ سرکانے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتے تھے۔ ۱۱ سالہ میں ان کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ جمع قرآن کا کام ۱۱ سالہ میں جنگ یمامہ کے بعد ہوا، اس وقت ان کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔

ابو وائل بن شفیق بن مسلم سے اعمش نے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو قرآن کی تدوین کا حکم دیا تو عبداللہ بن مسعود نے ایک خطبہ مسلمانوں کے سامنے دیا جس میں انھوں نے کہا کہ عثمان مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں قرآن کو زید بن ثابت کے مطابق پڑھوں۔ خدا کی قسم جب میں نے رسول خدا سے ستر سورتیں اخذ کیں تو اس وقت زید بن ثابت بچوں کے ساتھ کھیلتا تھا۔

ایک دن عمر بن خطاب، زید بن ثابت کے پاس آئے۔ زید اس وقت اپنی کنیز سے اپنے سر میں کنکھی کرا رہے تھے، عمر کو دیکھا تو سر کھینچ لیا اور کہا کہ آپ نے کیوں زحمت کی، مجھے بلوائیت میں خود حاضر ہو جاتا۔ اس پر عمر نے کہا کہ یہ وحی نہیں ہے کہ تم اس میں زیادتی یا کمی کرو بلکہ یہ ایک رائے مشورہ کی بات ہے اگر موافقت کرو تو بہتر ہے ورنہ کچھ نہیں۔ زید نے انکار کیا تو عمر خفا ہو کر چلے گئے۔

۱۱۹۴ھ استیعاب ترجمہ زید بن ثابت ص ۱۱۹۴ھ استیعاب جز اول ترجمہ عبداللہ بن

مسعود ص ۳۳۳، ۳۳۴ از حد السارق ص ۲۲۲

آخر الذکر روایت سے پتہ چلتا ہے کہ زید بن ثابت "وحی" کے معاملہ میں کمی اور زیادتی کرتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر: آپ حضرت ابو بکر کے نواسے تھے۔ ۱۱ سالہ میں پیدا ہوئے۔ جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ سال کی تھی۔ سعد بن عاص: سعد بن عاص کا تعارف گذشتہ صفحہ میں مرقوم ہو چکا ہے۔ یہ بنی امیہ میں سے تھے۔ ۱۱ سالہ میں پیدا ہوئے جمع قرآن کے وقت ان کی عمر ۲۳ یا ۲۴ سال کی تھی۔

عبداللہ بن مسعود کے قول نیز دیگر روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ جمع قرآن کمیٹی کے اراکین زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر اور سعد بن العاص کی عمریں ۲۲ اور ۲۴ سال کے درمیان تھیں۔ عبداللہ بن مسعود جنھوں نے براہ براہ راست رسول اکرم سے ستر سورتیں اخذ کی تھیں، ان کی موجودگی میں نوخیز، نو عمر اور نا اہل لونڈوں کو قرآن جمع کرنے کا اہم اور محتاط کام سپرد کرنا انتہائی حیرت انگیز و تعجب خیز بات نہیں ہے تو پھر کیا ہے؟

حضرت علی علیہ السلام کے جمع کردہ قرآن کو مسترد کر دینے کی تہہ میں اہل بیت رسولؐ بالخصوص حضرت علیؑ سے بغض و عناد کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اگر آپ کا جمع کردہ قرآن قبول کر لیا جاتا اور نافذ کر دیا جاتا تو اسلام کی تباہی و بربادی کا منصوبہ ابتدائی مراحل میں ہی ختم ہو جاتا۔ اصل مقصد تو اسلام میں تفریق و انتشار

۱۱۹۴ھ استیعاب فی معرفۃ الصحابہ جز الثانی ص ۵۵۵

صحیفہ عثمان کے حوالے کرنے سے انکار کیا تو انھیں بری طرح مارا پیٹا گیا اور ان سے زبردستی وہ نسخہ چھین کر نذر آتش کر دیا گیا یہ

مبنی میں عثمانی نماز

کتاب خدا، سنت رسول اور روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ سفر کے دوران نماز قصر ہو جاتی ہے خواہ وہ خون و دہشت کا عالم ہو یا سکون و اطمینان کا۔ چنانچہ رسول اکرمؐ نے اپنی حیات میں ”قصر“ کے اس عمل کو جاری رکھا اور آپ کی رحلت کے بعد حضرت ابو بکر و عمر بھی اسی سنت رسولؐ پر عمل پیرا رہے۔ تاریخوں سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ حضرت عثمان بھی اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں اسی سنت رسولؐ اور سیرت شریفین پر کار بند رہے لیکن بعد میں نہ جانے کون سی دماغی رگ پھڑک گئی کہ آپ اس کی مخالفت پر مکر بستہ ہو گئے اور قرآن و سنت کے مقابلہ میں اپنے جاہلانہ اجتہاد سے کام لیتے ہوئے اسے ترک کر دیا۔ چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کی ہے:

”ابن عمر کہتے ہیں کہ مبنی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ نے قصر نماز میں پڑھیں لیکن حضرت عثمان نے اتمام کیا“

”حادث بن وہب سے مروی ہے کہ ہم نے رسول اللہ کے ساتھ مبنی میں انتہائی سکون کے عالم میں نماز قصر پڑھی ہے“ (بخاری مسلم) لہ تاریخ تذکرۃ الکرام ص ۲۳۷

پیدا کرنا تھا اور رسول اکرمؐ اپنی حیات میں ہی فراچکے تھے کہ میرے بعد اسلام میں تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے اہل بیتؑ پر حکومت و وقت کی مقتدر ہستیوں نے جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے ان سے تاریخ کے اوراق پڑھیں۔ اگر حضرت علیؑ کا قرآن قبول کر لیا جاتا تو مزید تفسیر کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہوتی اور نہ مدنی آیتیں مکی آیتوں میں نہ مکی آیتیں مدنی آیتوں میں خلط ملط ہوتیں۔ اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ آیتوں کی تمیز میں بھی دشواری نہ ہوتی۔ کم سن اور نا اہل لونڈوں کے ذمہ یہ اہم کام سپرد کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلحاظ ترتیب نزول آیتوں کو مرتب نہ کیا جاسکا۔ حضرت علیؑ نے رسول اللہ کی زبان مبارک سے ہر آیت کی تفسیریں طرح سنی تھیں اسی طرح آپ نے اپنے جمع کردہ قرآن کے حاشیہ پر تحریر فرما دیا تھا، اس کو ترک کر دینے سے ہر کس و نا کس کو یہ موقع ملا کہ وہ اپنے قیاس پر تفسیر کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مفسر کی تفسیر دوسرے مفسر کی تفسیر سے نہیں ملتی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ عقیدے بدلے اور تہتر فرقے عالم وجود میں آ گئے۔ کیا اسلام میں اس تخریبی عمل کی ذمہ داری ان خلفاء پر عائد نہیں ہوتی جو حضرت علیؑ کے قرآن کو مسترد کرنے کے ذمہ دار ہیں؟

حضرت عثمان کے اس کارِ خیر کا سب سے بڑا تاریک پہلو یہ ہے کہ آپ نے باقی تمام قرآنی نسخے چاروں طرف سے اکٹھا کر کے ان میں آگ لگوا دی اور جل کر خاک ہو گئے۔ عبداللہ بن مسعود نے اپنا

لہ تاریخ تذکرۃ الکرام ص ۲۳۷

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب و سنت اور سیرت شیعین کی حضرت عثمان کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی، نیز حضرت عائشہ بھی اس عثمانی فعل میں شریک تھیں۔ ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان نماز کے اجزا میں بھی تخفیف کر لیا کرتے تھے اور سجدہ میں جاتے وقت یا بلند ہوتے وقت تکبیر کو ترک کر دیا کرتے تھے جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے عمران بن حصین سے روایت کی ہے:

”انھوں (عمران بن حصین) نے کہا، میں نے علیؑ کی امامت میں نماز ادا کی تو میں نے کہا کہ آپ نے مجھے رسولؐ اور دونوں خلفاء کی نماز یاد دلادی۔ میں حضرت کے پیچھے پہلی صف میں تھا جب آپ رکوع میں جاتے اور بلند ہوتے تو تکبیریں کہتے مگر عثمان نے انھیں اس وقت ترک کر دیا تھا جب وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی آواز نہ خف ہو گئی تھی“ (مسند احمد بن حنبل ج ۷ ص ۴۴۰)

اسی طرح سنت نبویؐ برباد ہوئی اور اس کی جگہ سنت خلفاء اور سنت صحابہ نے لے لی اور یہ اسلام میں ایک بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور ہر ضلالت کا نتیجہ جہنم ہے۔

MOWLANA NASIR DEVJANI
 MAHUVA, GUJARAT, INDIA
 PHONE : 0091 2844 28711
 MAIL : devjani@netcourrier.com

”عبدالرحمن بن یزید سے مروی ہے کہ حضرت عثمان نے منیٰ میں نماز تمام پڑھی تو اس کی اطلاع ابن مسعود کو گئی انھوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر فرمایا کہ یہ خلاف سنت رسولؐ و سیرت شیعین ہے“ (بخاری و مسلم)

مسلم کی دیگر روایات:

”حضرت انس سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ خدا کے ساتھ مدینہ میں تمام اور ذوالحلیفہ میں قصر نماز پڑھی“

”حضرت انس سے یہ روایت بھی ہے کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے مدینہ تک آنحضرت کے ساتھ رہا اور آپ برابر قصر پڑھتے رہے“

”حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے مکہ میں ۱۹ دن تک قصر نمازیں پڑھیں“

”ابن ابی شیبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت نے نیک کردار افراد کی نشانیوں میں قصر کو بھی ذکر فرمایا ہے“

”یعلیٰ بن امیہ نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ امن کی حالت میں اپنی نمازیں کیوں قصر کریں، انھوں نے کہا کہ میں خود اسی الجھن میں تھا لیکن آنحضرتؐ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ قصر صدقہ خدا کی ہے اسے قبول کرو“

مسلم میں یہ روایت بھی ہے:

”زہری کہتے ہیں کہ میں نے عروہ سے پوچھا کہ عائشہ کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ وہ سفر میں پوری نماز پڑھتی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ عائشہ نے عمر کی طرح تاویل کر لی ہے“

میں ہوگا اور بنی ہاشم اس سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوں گے۔

یہ وہ خاموش اور سیاسی انتقام تھا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ان کے قتل کا ارادہ کرنے والے اور ان کی بزم میں بیٹھنے والے نے لیا۔ چنانچہ اسی انتقامی کارروائی کی بنیاد پر حضرت عثمان بن عفان مسلمانوں کے تیسرے خلیفہ بن بیٹھے محض اس ظاہری وزبانی اقرار پر کہ وہ سیرت شخین پر عمل کریں گے۔ کیونکہ وہ اس حقیقت سے شاید واقف تھے کہ ”سیرت شخین“ صرف آل رسول سے دشمنی اور عداوت کا نام ہے۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان نے سیرت شخین کے ساتھ ساتھ سنت رسول کو بھی پامال کر دیا اور جن ملعونوں کو آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں جلا وطن کر دیا تھا انھیں پھر عزت و احترام کے ساتھ مدینہ واپس بلا لیا جب کہ ابوبکر و عمر نے یہ جسارت نہیں کی۔

اگر ہم حضرت عثمان کے اس غلط اقدام کو سیرت شخین سے تعبیر کریں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ شخین کی سیرت یہ تھی کہ حضرت عثمان رسول اللہ کی مخالفت کرتے، ورنہ حکم بن عاص اور مروان بن حکم کو، جن پر پیغمبرؐ نے لعنت کی تھی اور یہ کہہ کر انھیں مدینہ سے نکالا تھا کہ ان کے ہاتھوں میری امت تباہی و بربادی میں مبتلا ہوگی، واپس کیوں بلاتے؟

بعض مورخین کا خیال ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے حکم اور اس کے بیٹے مروان کو طائف کی طرف جلا وطن کیا تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ انھیں آنحضرتؐ نے جلا وطن کر کے ربذہ روانہ کیا تھا۔ چنانچہ تاریخ خمیس

آٹھواں باب

سیرت شخین

گذشتہ صفحات میں ہم یہ تحریر کر چکے ہیں کہ سفیف بنی ساعدہ میں صحابیت، انصاریت اور قرابت کو ترویجی جانوں سے شکست ہوئی اور ”دم کٹے اجماع“ کی بدولت ابوبکر خلیفہ بن گئے۔

اس اجماع کو نا فہم مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے سیرت شخین سے تعبیر کرتے ہوئے حجت قرار دیا، مگر جب حضرت ابوبکر نے وقت آخر حضرت عمر کو ان کی ترویجی کوششوں کا ٹھکرا لیا تو یہ اجماع وصیت نامہ کی شکل میں دے کر اپنے بعد کا خلیفہ بنایا تو یہ اجماع ختم ہو گیا اور سیرت کے ٹکڑے مصلحت کی ہوا میں اڑ گئے۔ اب اس دوسری روش کو مسلمان کیا کہیں؟ سیرت یا سنت؟ لیکن یہ بھی اس وقت فنا کے گھاٹ اتر گئی جب حضرت ابولولو کے خنجر نے عمر کی زندگی پر موت کا سایہ ڈالا۔ اب نہ اجماع رہا نہ نص اور نہ وصیت، بلکہ شوری کا طریقہ رائج ہوا اور اس میں جان بوجھ کر ایسی شخصیتوں کو نامزد کیا گیا جن کے توسل سے خلافت بنی ہاشم کے بجائے حتمی طور پر بنی امیہ تک پہنچے اور جب ایسا ہوگا تو بنی امیہ کی دیرینہ دشمنی بنی ہاشم کو چین نہ لینے دے گی کیونکہ دولت، طاقت اور اقتدار سب کچھ بنی امیہ کے ہاتھوں

بن سعد بن ابی سرح کا تقرر کیا، حالانکہ اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے پیغمبر اسلام نے اس کا خون مسلمانوں کے لیے مباح اور جائز کر دیا تھا۔ کوفہ سے عمار کو ہٹایا، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی اہم تبدیلیاں کیں جس میں انھوں نے ہر لحاظ سے اپنے قرابت داروں کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مسلمان سوچیں، سمجھیں اور فیصلہ کریں کہ کیا یہ سیرت شیخین تھی؟ لطف کی بات تو یہ ہے کہ عثمان نے سیرت شیخین اور سنت رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جب حکم بن عاص کو مدینہ میں بلایا تو اسے بیت المال سے ایک لاکھ درہم بھی مرحمت کیے۔ کیا یہ مسلمان تھا؟ اسی طرح حارث بن حکم کو بازار مدینہ کی آمدنی کا ایک حصہ اور مروان بن حکم کو افریقہ کا خمس اور خذک ہبہ کر دیا، کیونکہ یہ دونوں آپ کے داماد تھے۔ عبداللہ بن خالد جب ملنے آیا تو اسے چار لاکھ درہم عطا کیے۔ ولید بن عقبہ (جسے قرآن نے فاسق کہا ہے) کو ایک لاکھ درہم اور ابوسفیان بن حرب کو دو لاکھ درہم سے سرفراز کیا۔ صحابی رسول ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ عمر کے دور خلافت میں جب سونا، چاندی، بازیورات وغیرہ باہر سے آتے تھے تو وہ انھیں مسلمانوں میں تقسیم کرتے تھے لیکن ایک مرتبہ جب میں اس قسم کی چیزوں کو لے کر عثمان کے پاس پہنچا تو انھوں نے سارا مال اپنی بیویوں اور لڑکیوں کے حوالے کر دیا۔ اس طرز عمل پر مجھے بے حد صدمہ ہوا اور میں نے ان سے کہا آپ سے پہلے تو یہ نہیں ہوتا تھا کہ مسلمانوں کا مال خلیفہ کی بیویوں اور بیٹیوں کی ملکیت بن جائے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا کہ عمر اپنی رائے سے کام کرتے تھے اور میں اپنی رائے پر چلتا ہوں۔

میں ابن خلکان کے حوالے سے یہ روایت ہے:

”جب عثمان کی بیعت ہو چکی تو انھوں نے حضرت ابوذر غفاری رحمۃ اللہ علیہ کو ربذہ میں پھنکوا دیا صرف اس خطا پر کہ وہ لوگوں کو ترک دنیا کا درس دیا کرتے تھے اور حکم بن عاص کو جسے رسولؐ نے ربذہ میں پھنکوا دیا تھا، مدینہ واپس بلایا حالانکہ یہ کام نہ حضرت ابو بکرؓ نے کیا اور نہ حضرت عمرؓ نے کیا۔“

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت ابوذر غفاری کو اسی مقام پر جلاوطن کیا جس مقام پر رسول اکرمؐ نے حکم بن عاص اور اس کے بیٹے مروان کو پھنکوا دیا تھا۔ کیا حضرت عثمان کا یہ فعل رسول اللہؐ سے صریح انتقام نہ تھا؟ کیا اس عثمانی طرز عمل کو دنیا کے مسلمان سیرت شیخین کا نام دے سکتے ہیں؟

دوسرے یہ کہ حضرت عثمان کے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی امیہ کی بن آئی۔ بیت المال کا دروازہ ان کے لیے کھول دیا گیا اور کنبہ پروری و صلہ رحمی کے پہرے میں اسلامی خزانہ لوٹا جانے لگا۔ دولت کے فرش پر کیف و سرور، عیش و نشاط اور شراب و کباب کی محفلیں گرم ہونے لگیں۔ ذلیل و پست گھرانوں کے نوخیز، نو عمر اور بد کردار ”لوندوں“ کو اصحاب رسولؐ پر مقدم کیا جانے لگا۔ صحابہ معزول کیے گئے، ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ سے ہٹا کر عثمان نے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا، مصر سے عمرو عاص کو ہٹایا تو اس کی جگہ اپنے رضای بھائی عبداللہ

مسلمانوں میں ہیجان

تشدد، مظالم، جبر، استبداد، تذلیل صحابہ، کنبہ پروری اور نفس پرستی کے ساتھ ساتھ عام رعایا کے جائز امور میں غفلت، لاپرواہی، سستی اور کاہلی نے عثمان کے خلاف مسلمانوں میں اضطراب، بے چینی کی لہر پیدا کر کے انھیں ایک ہیجانی صورت حال سے دوچار کر دیا تھا ہر شخص بیچ و تاب کھا رہا تھا اور ان کی بے راہ روی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ چنانچہ ابوذر غفاری کی توہین و تذلیل اور ان کی جلاوطنی کے سبب سے بنی غفار اور ان کے حلیف قبائل، عبداللہ بن مسعود کی پسلیاں توڑوانے اور ان کا قرآن جلوانے کی وجہ سے بنی ہذیل اور ان کے حلیف بنی زہرہ، عمار یا سرکوبے دردی سے پٹوانے کے باعث بنی مخزوم اور ان کے حلیف قبیلے اور محمد بن ابوبکر کے قتل کا سروسامان کرنے کی وجہ سے بنی تیمم کے دلوں میں غم و غصہ کا ایک طوفان کروٹیں لے رہا تھا۔ دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی عثمانی عمال کے ہاتھوں نالال اور پریشان تھے۔ یہ لوگ دولت کی سرشاریوں اور بادۂ عشرت کی سرمستیوں کی بنا پر جو چاہتے تھے گزر رہے تھے۔ نہ ان کے دلوں میں خوف خدا تھا نہ مرکز کی طرف سے عتاب کا ڈر تھا اور نہ کسی باز پرس کا اندیشہ۔ لوگ ان کے بیخبر استبداد سے نکلنے کے لیے پھٹ پھڑاتے تھے مگر کوئی ان کے کرب و اذیت کی صدائیں سننے کے لیے آمادہ نہ ہوتا تھا۔ نفرت کے جذبات ابھر رہے تھے مگر انھیں دبانے کی کوئی فکر نہ کی جاتی تھی۔

کیا یہ سیرت شخین تھی؟

حضرت عثمان کے دور میں زید بن ثابت بیت المال کے انچارج تھے۔ انھوں نے ایک دن عثمان سے اس رقم کا تذکرہ کیا جو سالانہ اخراجات کے بعد بیت المال کی تحویل میں باقی تھی۔ عثمان نے زید بن ثابت سے فرمایا کہ وہ تم لے لو۔ جب کہ اس رقم کی تعداد ایک کروڑ درہم سے زیادہ تھی۔ کیا انھیں بدعنوانیوں اور بے ایمانیوں کا نام سیرت شخین ہے؟

اس کے علاوہ حضرت عثمان نے سنت رسولؐ اور سیرت شخین کے خلاف جو اقدام کیے ان کی مختصر فہرست میں ام المومنین حضرت عائشہ کے وظیفے میں تخفیف، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر غفاری کے وظائف کا بند کیا جانا، اشتر صحابی رسولؐ کو مع بیس آدمیوں کے مدینہ سے باہر نکلوانا اور انھیں قید کرنا۔ رسولؐ کے برگزیدہ صحابیوں کو جلا وطن کرنا، ابن مسعود کو پٹوانا اور قرآن کا جلوانا، عمار یا سرکوب کی طرح زد و کوب کرنا، عبداللہ بن عمرؓ پر باوجود اس کے کہ وہ ہرزہ جفینہ اور ابولولو کی دو کم سن و یتیم بچیوں کے قاتل تھے، شرعی حد نہ جاری کرنا اور منیٰ میں قصر کے بجائے پوری نماز ادا کرنا وغیرہ شامل ہیں۔

ان کے علاوہ بھی دیگر عثمانی لغزشوں اور خطاؤں سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ یہی وہ سیرت شخین تھی جسے ٹھکرا کر امیر المومنین حضرت علی بن طالب علیہ السلام نے شوریٰ میں خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

ڈاکٹر طاہر حسین ان عثمانی عمال کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ:

”یہ عمال ایسی حکومت کے اہل نہ تھے جس کا نظام اسلامی اصولوں یعنی عدل و انصاف، مساوات اور پابندی عہد پر قائم ہو۔ جس کا وعدہ عثمان نے قوم سے کیا تھا کہ وہ قرآن و سنت اور سیرت ابو بکر و عمر پر قائم رہیں گے اور اس سے کسی قسم کا انحراف نہیں کریں گے۔ بلکہ یہ اہل تھے اس حکومت کے کہ جس کا نظام قوت، شوکت، دبدبہ، غرور اور جبر و استبداد پر قائم ہو۔“
(الفتنۃ اللبّی)

صحابہ بھی بد دل تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ امن عالم تباہ، نظم و نسق نہ وبالا اور اسلامی حدود و خال مسخ کیے جا رہے ہیں۔ لہذا وہ بھی خاموش نہ رہ سکے اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو انھوں نے حضرت عائشہ کی سربراہی میں عثمان کو کافر قرار دے دیا اور ان کے قتل کی زمین ہموار کرنے میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔

حضرت عثمان بے حضرت عائشہ کا اختلاف

خلیفہ ثانی کے عہد خلافت میں حضرت عائشہ کی ذات عمر کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ انھوں نے ان کے ساتھ امتیازی اور ترجیحی سلوک روا رکھے۔ وظائف و عطایا میں یہ تمام ازواج رسول پر مقدم تھیں۔ عمر نے شرعی احکام اور فقہی مسائل میں بھی انھیں اقتدار کا مالک بنایا اور رفتہ رفتہ وہ قوت و طاقت دے دی کہ یہ

محترمہ بعد میں آنے والے ہر حاکم سے ٹکرائیں اور اس کے لیے دردِ سر بن گئیں۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف عثمان کا تختہ الٹا بلکہ حضرت علیؑ سے بھی برسرِ پیکار ہوئیں۔

تاریخوں سے پتہ چلتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کے ابتدائی دور میں چند برسوں تک آپ کی زبان بند رہی اور عہدِ شہنشاہ کی طرح حکومت کی تائید و حمایت کا سلسلہ بھی آپ کی طرف سے جاری رہا۔ چنانچہ آپ کی بیان کردہ وہ حدیثیں جن میں حضرت عثمان کی توصیف و ثنا ہے اور قتل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اسی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہیں۔ ممکن ہے ذیل کی حدیث بھی اسی دور سے متعلق ہو جس میں آپ فرماتی ہیں:

”رسول اللہ میرے ساتھ..... ایک چادر میں لیٹے ہوئے تھے کہ میرے والد (ابوبکر) نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ پیغمبر نے انھیں اجازت دے دی، وہ آئے اور باتیں کر کے چلے گئے۔ رسول اللہ میرے ساتھ اسی طرح چادر میں لیٹے رہے۔ پھر عمر نے اجازت طلب کی، وہ بھی آئے اور چلے گئے اور ہم دونوں اسی چادر میں بدستور لیٹے رہے۔ پھر عثمان آئے اور انھوں نے اذنِ حضوری چاہی تو آپ کپڑے درست کرتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ عثمان کے چلے جانے کے بعد میں نے رسول اللہ سے پوچھا کہ ابوبکر جب آئے تو آپ اسی طرح لیٹے رہے، عمر آئے بھی اور گئے بھی مگر آپ اسی طرح مجھ کو استراحت رہے۔ مگر جب عثمان آئے تو آپ نے کپڑے درست کیے اور اٹھ بیٹھے؟ فرمایا عثمان ایک

کی کیا وجہ تھی؟ آنحضرتؐ کی نظروں میں اگر عثمان حیا دار تھے تو کیا اس موقع پر سرکارِ دو عالم ابو بکر و عمر کو بے حیا تصور فرما رہے تھے؟
بہر حال گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عثمان کے ابتدائی دورِ خلافت کی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں خلفائے ثلاثہ کا ذکر بھی اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے وہ تختِ خلافت پر متمکن ہوئے۔

غرض کہ حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی دور میں حضرت عائشہؓ ان کی سرگرم حمایتی رہیں، ان کی اطاعت کرتی رہیں اور ان کی محبت کا خیال بھی ان محترمہ کے دل میں نہیں تھا، یہاں تک کہ جب عائشہؓ اور دیگر ازواج نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو حضرت عائشہؓ نے ضروری سمجھا کہ پہلے عثمان سے اجازت حاصل کر لیں۔ چنانچہ خود آپ کا بیان ہے کہ:

”جب عمر مر گئے اور عثمان خلیفہ ہوئے تو ام سلمہؓ، میمونہؓ، ام حبیبہؓ اور میں نے عثمان سے حج کی اجازت مانگی، عثمان نے کہا کہ عمر کی طرح میں بھی تمہارے ساتھ حج کرنا چاہتا ہوں، جو بھی میرے ساتھ چلنا چاہے چلے۔ پھر عثمان نے ہم سب کے ساتھ حج کیا۔“

و ثوق کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اختلاف کی ابتدا کب سے ہوئی۔ عام طور پر مورخین کا خیال ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں تمام ازواج رسولؐ کے دس دس ہزار کی رقم بطور وظیفہ مقرر فرمائی تھی اور ترجیحی بنیاد پر حضرت

لے طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۰۹

حیا دار شخص ہیں اگر میں اسی حالت میں لیٹا رہتا تو وہ اپنی بات نہ کہہ پاتے،

مسلم کی روایت میں ہے کہ:
”پیغمبرؐ نے عثمان کے آنے پر عائشہؓ سے فرمایا کہ تم اپنے کپڑے درست کر لو۔“

اس حدیث کی صحت یا عدم صحت بہ میں کوئی گفتگو یا کسی قسم کا تبصرہ مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ پیغمبرؐ کے بارے میں عائشہؓ کی زبان سے بہت سی تعجب خیز وحیرت انگیز اور غیر شائستہ حدیثیں بیان ہوئی ہیں جن کی بدولت ”رنگیلار رسول“ جیسی کتابیں عالم وجود میں آگئیں۔ بظاہر یہ حدیث عثمان کو حیا دار بنانے کے لیے ان کی فضیلت میں بیان ہوئی ہے لیکن اس میں سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ ابو بکر کی موجودگی میں حضرت عائشہؓ کی غیرت نے یہ کیونکر گوارا کیا کہ وہ شوہر کے ساتھ زیرِ چادر پڑی رہیں جب کہ ابو بکر عائشہؓ کے باپ بھی تھے اور باپ و بیٹی کے رشتہ کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ اپنے والد کا پاس و لحاظ اور ادب و احترام کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے آنحضرتؐ کے پہلو سے الگ ہو جائیں۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے عثمان کے آنے پر کپڑے بھی درست کیے اور اٹھ کر بیٹھ بھی گئے مگر ابو بکر یا عمر کے سامنے نہ شرم محسوس کی نہ ندامت اور نہ بستر سے اٹھنے کی ضرورت۔ آخر اس بے تکلفی

لے مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۱۶۷، کنز العمال ج ۵ ص ۳

لے صحیح مسلم ج ۷ ص ۱۷ باب فضائل عثمان

بہر حال جو کچھ بھی ہو، اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی ذات وہ خاموش چنگاری تھی جس نے خلافتِ ثالثہ کی پوری عمارت کو جلا کر خاکِ سیاہ کر دیا۔ پھر الگ کی الگ رہیں، مگر تاریخ ان واقعات پر خاموش نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ مورخین نے سب کچھ لکھ مارا۔ اختلاف کی اس آگ کو جن واقعات نے اپنے دامن کی ہوا دے کر بھڑکایا اور شعلوں میں تبدیل کیا ان میں سب سے پہلا واقعہ ولید بن عقبہ کا ہے۔

حضرت عثمان نے اپنے دورِ خلافت میں سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ولید بن عقبہ عثمان کا سوتیلا بھائی تھا۔ یہ مانا ہوا فاسق تھا اور اس کے فسق کی گواہی قرآن نے دی ہے، جب کہ سعد بن ابی وقاص وہ شخص تھے جنہوں نے حضرت عمر کے حکم سے کوفہ کی بنیاد ڈالی تھی اور وہاں اسلامی فوجوں کو آباد کیا تھا۔ ایران کی جنگ میں بھی سعد ان افواج کے سپہ سالار تھے اور انھیں کے زیرِ قیادت ایران فتح ہوا تھا جس کی وجہ سے اسلامی لشکر میں ان کی محبوبیت و مقبولیت بہت زیادہ تھی، لوگ احترام کرتے تھے اور انھیں عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ جب ولید گورنر ہو کر آیا تو سعد نے اس سے کہا:

”ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے بعد تم عقلمند ہو گئے یا ہم احمق۔“

اس پر ولید نے جواب دیا

آپ گھبرائیے نہیں، یہ بادشاہت ہے۔ یہاں ایک قوم صبح کا ناشتہ کرتی ہے تو دوسری شام کا کھانا کھاتی ہے۔

عائشہ کے بارہ ہزار مقرر کیے تھے، جب عثمان کا زمانہ آیا تو انھوں نے عائشہ کے وظیفے میں دو ہزار کی تخفیف کر کے اسے بھی دس ہزار کر دیا تاکہ معاملہ مساوی رہے۔ یہ فعل عائشہ کو ناگوار گذرا اور وہ عثمان پر سخت برہم ہوئیں۔ یہیں سے دونوں کے درمیان اختلاف کی ابتدا ہوئی اور رفتہ رفتہ اسی اختلاف نے خطرناک صورت اختیار کر لی۔ حضرت عائشہ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے عثمان کے قتل پر لوگوں کو ابھارنے اور متحد کرنے میں نبی کی نہ وجہیت کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور یہ کہہ کر کہ ”اس نغش کو قتل کر دو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے“ دنیائے اسلام میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ بلاذری کا کہنا ہے:

”حضرت عائشہ کی پہلی وہ ذات ہے جس نے ان (عثمان)

کی مخالفت میں آواز بلند کی، ان کے مخالفین کی جائے پناہ بنی اور ان سے آمادہٴ پیکار لوگوں کی قیادت کی۔ اس وقت پورے مملکتِ اسلامیہ میں حضرت ابوبکر کے خاندان (بنی تیم) سے بڑھ کر حضرت عثمان کا کوئی دشمن نہ تھا۔“

حضرت عائشہ کے اختلاف کا سبب وظیفہ میں تخفیف کے علاوہ حضرت عثمان کی وہ زیادتیاں، وہ مظالم اور وہ تشدد بھی ہو سکتا ہے جس سے تمام اصحاب اور مسلمان نالاں تھے۔ طلحہ و زبیر کی وہ ملی بھگت بھی ہو سکتی ہے جس کے ذریعہ وہ امارت کے خواہاں تھے اور جس کی تصویر جنگِ جمل کے موقع پر عثمان کے قتل کے بعد ابھر کر سامنے آچکی تھی۔

(نصرانی شاعر) ”ابوزبید“ بھی اس کے پاس آیا۔ ولید نے اسے مسجد سے ملحق عقیل بن ابی طالب کے گھر میں اسے ٹھہرایا۔ ولید نے عقیل سے کہا، یہ گھر مجھے دے دیجیے۔ انھوں نے وہ گھر اس کے نام کر دیا اور ابوزبید اسی میں رہنے لگا۔ کوفہ والوں کے نزدیک ولید کی یہ پہلی قابل اعتراض حرکت تھی، کیونکہ ابوزبید اپنے گھر سے نکل کر (جو تاپہنے ہوئے) مسجد کے درمیان سے چلتا ہوا ولید کے پاس پہنچتا، اس کے ساتھ شراب پیتا، گپ شپ کرتا اور پھر پلٹتا تو نشہ کی حالت میں جھومتا ہوا مسجد کے درمیان ہی سے گزرتا اور اپنے گھر میں چلا جاتا۔ کوفہ والوں نے ولید کو جب اس کی طرف متوجہ کیا تو یحییٰؑ کچھ کہنے کے اس نے ابوزبید کو شام اور حیرہ کی بہت بڑی جائداد دے دی۔

بلاذری کا کہنا ہے:

”ولید نے ابوزبید کے لیے سور کے گوشت اور شراب کا کوڑا

بھی مقرر کر دیا تھا جو اسے برابر ملتا تھا۔“

دوسرا واقعہ ایک یہودی ساحر کا ہے جسے مسعودی نے لکھا ہے:

”ولید نے کوفہ کے نواح میں رہنے والے ایک یہودی شعبہ باز

اور جادوگر کے بارے میں جب سنا تو اسے بلوایا اور مسجد کوفہ میں

اس کی شعبہ بازی اور جادوگری کے مظاہرے کا اہتمام کیا۔

اس نے ولید کو کچھ شعبہ دے دکھلائے وہ یہ کہ اس نے ایک بہت

مسعد نے کہا، قسم ہے خدا کی کہ تم لوگ خلافت کو بادشاہت بنا کر ہی دم لو گے۔

اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ عثمان نے ایسے شخص کو مسلمانوں پر گورنری حیثیت سے مسلط کیا تھا جو خلافت کو بادشاہت کے دائرے میں محدود سمجھتا تھا۔

مسعد کی معزولی اور ولید کی تقرری تمام مسلمانوں کو ناگوار گزری۔ لوگوں نے کہا:

”عثمان نے بہت بڑی تبدیلی کی ہے کہ ابو اسحاق (مسعد)

جو نرم مزاج، مہربان، عالم، صالح اور صحابی رسولؐ تھے، کو مغرور

کر کے اپنے فاسق و فاجر اور احمق بھائی کو ہم مسلمانوں پر حاکم مقرر کیا۔“

ولید بن عقبہ نے کوفہ کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیتے ہی سب سے

پہلے عبداللہ بن مسعود کو اپنے پیکان استبداد کا نشانہ بنایا جیسا کہ ہم

تحریر کر چکے ہیں کہ ولید کی شکایتوں پر حضرت عثمان نے ابن مسعود

کو اتنا پٹوایا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ اس صحابی رسولؐ کی داستان

مصائب کو سن کر مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر کا پیدا ہونا ایک فطری

عمل تھا۔

ولید کے جرائم کی طولانی فہرست میں مساجد کی بے حرمتی بھی شامل

ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ ابو الفرج اصفہانی کا بیان ہے:

”حضرت عثمان نے جب ولید کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا تو

لے طبقات حالات ولید، استیعاب، اسد الغابہ، کنز العمال وغیرہ

لے آغانی ج ۲ ص ۱۵۳ لے کتاب الانساب ج ۵ ص ۲۹-۳۱

بڑا ہاتھی دکھلایا جو صحن مسجد میں گھوڑے کی پیٹھ پر تھا۔ پھر وہ اونٹ بن گیا جو پہاڑ پر چل رہا تھا، پھر اس نے ایک گدھے کی صورت اختیار کی اور جس کے منہ میں داخل ہوا پاخانے کے مقام سے باہر نکل گیا۔ پھر اس نے ایک شخص کی گردن ماری جسم و سر علیحدہ علیحدہ کر دیے۔ پھر تلوار پھیری تو وہ آدمی اٹھ کھڑا ہوا۔

تماشے کے وقت کچھ اہل کوفہ بھی وہاں کھڑے ہوئے یہ جادو دیکھ رہے تھے ان میں جناب بن کعب ازدی بھی موجود تھے وہ لاجول پڑھنے لگے، ولید پر لعنت کی اور تلوار نکال کر اس جادوگر یہودی کا سر تن سے جدا کر دیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے کو پھر سے زندہ کر لو۔ محفل پر ہر دم ہو گئی اور تماشائیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ ولید نے جناب کو قتل کرنا چاہا مگر قبیلہ از دمانع ہوا۔ غرض کہ جناب قید کر دیے گئے۔ قید خانے کے داروغہ نے جب جناب کو رات بھر عبادت میں مصروف دیکھا تو کہا، قید خانے سے نکل بھاگو ورنہ ولید صبح ہوتے ہی تمہیں قتل کر دے گا۔ جب صبح ہوئی تو ولید نے جناب کو قید خانے سے بلوایا مگر وہ غائب تھے داروغہ سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ نکل بھاگے۔ ولید نے داروغہ کو قتل کر دیا۔

مساجد کی بے ادبی و بے حرمتی میں ولید کا شراب پی کر نشہ کی حالت میں صبح کی دو رکعت کے بجائے چار رکعت نماز پڑھانے اور مصلیٰ پر قے کرنے کا واقعہ بھی شامل ہے جس کے بارے میں مسعودی کا کہنا

لہ و لہ مروج الذہب ج ۱ ص ۲۳۷

ہے کہ ولید کی اس حرکت پر نمازیوں نے اس پر پتھر اڑا کر دیا اور وہ کراہتا ہوا دارالامارہ میں داخل ہو گیا۔

ولید کی انھیں تمام باتوں اور بے راہ روی کی شکایتیں لے کر ابو ذہب، جناب، ابن زبیر اور ابو حبیہ غفاری وغیرہ عثمان کے پاس پہنچے اور انھیں تمام حالات سے آگاہ کیا۔ عثمان نے جناب سے پوچھا کہ تم نے اپنی آنکھوں سے میرے بھائی کو شراب پیتے دیکھا ہے؟ جناب نے کہا، میں صرف اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ وہ نشہ میں چور تھا اور اس نے مصلیٰ پر شراب کی قے کی۔ میں نے بدستی کی حالت میں اس کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور اسے پتہ بھی نہ چلا۔ اس واقعہ کی صداقت کے ثبوت میں وہ انگوٹھی عثمان کے سامنے پیش کی گئی لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہ کی اور اٹے شکایت کنندگان کو ڈانٹا، پھٹکارا اور ان کے سینوں پر ہاتھ مار کر کہا کہ دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ یہ لوگ مایوس ہو کر حضرت عائشہ کی خدمت میں آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا، ہم ولید کی شکایت لے کر عثمان کے پاس آئے تھے لیکن اٹے پھٹکارے گئے۔

ذہری سے منقول ہے:

”کوفہ کے کچھ لوگ ولید کی شکایت لے کر عثمان کے پاس آئے تو انھوں نے کہا کہ تم لوگ جب اپنے حاکم سے ناراض ہوتے ہو تو اس پر جھوٹی تہمتیں اور غلط الزام عائد کرتے ہو۔ صبح ہونے دو،

لہ مروج الذہب ج ۱ ص ۲۳۵ لہ انساب الاشراف ج ۵ ص ۲۳

دنیا کی نگاہیں رسول اللہ کے تبرکات دیکھنے کو ترس رہی تھیں آپ نے پیغمبر کی نعلین مبارک نکال کر لوگوں میں ہیجان برپا کر دیا اور ایسی آگ لگا دی جو عثمان کے خون سے بجھی۔

مسلمانوں میں دو گروہ ہو گئے، ڈھیلے بازی ہوئی، جوتے چلے اور آخر کار حضرت عائشہ عثمان پر غالب آ کر رہیں، انھیں رائے عامہ کے سامنے سر جھکانا پڑا اور ولید معزول کر کے سزا دینے کے لیے مدینہ بلا لیا۔ یہ سیاسی واقعات میں سے ایک واقعہ تھا جس میں ام المومنین حضرت عائشہ کو عثمان کے خلاف قدم اٹھانا پڑا۔ دوسرا اہم واقعہ جس میں انھوں نے پوری طرح حصہ لیا، عمار یا سر کا تھا۔ حضرت عمار کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی رقم طراز ہیں:

”عمار مین کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یا سر مکہ میں آئے۔ حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سمیہ سے ان کی شادی کر دی، عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین اشخاص اسلام لایچکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ یہ بیہوش ہو جاتے۔ ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا۔ حضرت عمار کی والدہ سمیہ کو اسلام لانے کے جرم میں ابو جہل نے برہنہ ماری جس سے وہ ہلاک ہو گئیں، یا سر عمار کے والد تھے یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔“

لے سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۶۸

تم لوگوں کو سخت سزائیں دوں گا۔ ان لوگوں نے حضرت عائشہ کی پناہ لی۔ صبح ہوئی تو عثمان نے عائشہ کے گھر سے آوازیں سنیں اور کہا کہ عراق کے فاسقوں اور خارجیوں کے لیے عائشہ کے گھر کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ عثمان کی یہ بات عائشہ کے کانوں میں بھی پہنچی، انھوں نے پیغمبر کی نعلین اٹھا کر عثمان کو مخاطب کیا اور کہا، تم نے اس نعلین پہننے والے کی روش چھوڑ دی ہے۔ باہم تکرار شروع ہوئی یہاں تک کہ آوازیں سن کر لوگ اٹھ اٹھ ہو گئے۔ بعض کہتے تھے کہ عائشہ سچ کہتی ہیں اور بعض کا کہنا تھا کہ عورتوں کو اس سے کیا مطلب؟ مردوں کے ساتھ ان کی ڈھیلے بازی اور جوتی پینار کیسی تھ؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عائشہ اور عثمان کے درمیان اس معاملے کو لے کر بڑی ”توتو، میں میں“ ہوئی۔ آپس میں ایک دوسرے پر جوتے پھینکے گئے اور خوب دھینکا مشتی ہوئی۔ پیغمبر کے بعد مسلمانوں کے درمیان یہ پہلا جھگڑا اور فساد تھا۔

ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اکابرین صحابہ اور حق پرست مسلمان حضرت عثمان کے طرز عمل سے نالاں تھے اور حضرت عائشہ ان کی قائد تھیں۔ انھیں کی طاقت و قوت تھی کہ انھوں نے عوام کو عثمان کے خلاف متحد و منظم کر دیا تھا ایسے وقت میں جبکہ

لے آغانی ج ۲ ص ۱۷۸، انساب الاشراف ج ۵ ص ۳۳، تاریخ یعقوبی

ج ۲ ص ۲۰۳، الاستیعاب حالات ولید

حضرت عمارؓ یہ نوشتہ لے کر قاصد کی حیثیت سے عثمان کے پاس گئے اور اس کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا۔ پس پھر کیا تھا، عثمان اگ بگولا اور غیظ و غضب میں آپ سے باہر ہو گئے۔ غلاموں کو حکم دیا، عمار جکڑ لیے گئے۔ عثمان نے عمار کے آلہ تناسل پر اتنی ٹھوکریں ماریں کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور انھیں عارضہ فتنہ ہو گیا۔

تیسرا واقعہ وہ ہے جب عثمان نے بیت المال کے خزانے سے ایک انتہائی بیش قیمت موتی نکال کر اپنی بیوی کو دیا۔ اس واقعہ کی تفصیل بلاذری کے قلم کی زبان سے سنئے:

”بیت المال میں ایک صندوق تھا جس میں زیور اور ایک انتہائی بیش قیمت موتی تھا۔ عثمان نے بیت المال سے وہ صندوق نکال کر زیور اور موتی اپنی کسی بیوی کو دے دیا۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا اور عثمان کو سخت سست کہا تو وہ غصہ کی حالت میں منبر پر گئے اور تقریر کی جس میں کہا کہ ہم بیت المال سے اپنی ضرورت کے مطابق لے کر رہیں گے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، ایسی صورت میں آپ روک دیے جائیں گے اور آپ کے اور بیت المال کے درمیان دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ عمار یا سر نے کہا، میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جسے یہ تصرف ناگوار گذرا ہے۔ عثمان نے کہا، اسے گرفتار کر لو، عمار گرفتار کر لیے گئے پھر عثمان نے عمار کو گھر میں بند کر کے اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ عمار وہاں سے اٹھا کہ زوجہ رسولؐ ام سلمہ کے گھر میں لائے گئے۔ بے ہوشی اتنی بڑھی کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں

حضرت عمار یا سر کی مختصر سرگزشت تحریر ہو چکی ہے۔ حضرت عثمان نے پیغمبر کے اس بوڑھے صحابی پر متعدد بار مظالم کے پہاڑ توڑے۔ پہلا موقع وہ تھا جب عمار حضرت ابوذر غفاری کے دل گدا واقعہ پر اندوہ کیں ہوئے۔ چنانچہ یعقوبی کا کہنا ہے کہ:

”جب عمار کو ابوذر کے انتقال کی خبر ملی تو وہ اس وقت

عثمان کی بزم میں تھے، آپ بے حد ملول ہوئے اور فرمایا، خدا ہم سب کی طرف سے ابوذرؓ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ اس پر عثمان نے عمار کو گندی گندیاں دیاں اور کہا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ابوذر کی جلا وطنی یا ان کے انتقال پر شرمندہ ہوں؟“

پھر خلیفہ کا قہری حکم ہوا اور حضرت عمار یا سر گدی میں ہاتھ دے کر باہر نکال دیے گئے۔ عثمان نے ان کو بھی ربذہ میں جلا وطن کرنے کا تہیہ کیا، لیکن قبیلہ بنی مخزوم اور حضرت علیؓ کی دخل اندازی نے انھیں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا، دوسرا موقع وہ تھا جب عمار یا سر، صحابہ کرام کا شکایت نامہ لے کر عثمان کے پاس گئے۔ بلاذری کا بیان ہے کہ:

”طلحہ، زبیر اور مقداد بن عمرو بن عمر نے بہت سے صحابہ

کرام کے مشورے سے عثمان کے پاس ایک خط لکھا جس میں ان کی تمام قابل اعتراض حرکتیں تحریر کی گئیں اور یہ تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے تو ہم بھی کسی اقدام کے لیے مجبور ہوں گے۔“

لہ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۰ لکھ کتاب الانساب ج ۵ ص ۴۹

کتابوں میں ملتا ہے۔ جب جناب عمار نے ابن مسعود کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور عثمان کو ابن مسعود کے انتقال کی اطلاع نہیں دی گئی۔ اسی طرح جب کچھ عرصہ بعد حضرت مقداد کا انتقال ہوا تو ان کی وصیت بھی یہی تھی کہ عثمان ان کے جنازے پر نہ آئیں چنانچہ ان کی نماز جنازہ بھی عمار یا سر نے پڑھائی، اس پر بھی عثمان بے حد غضبناک ہوئے اور کہا کہ عمار کا "ناس" ہو میں انھیں پہلے ہی سے جانتا تھا!

ان واقعات میں سب سے زیادہ قابل غور عثمان کی فحش اور شرمناک گالیاں ہیں، حالانکہ انھیں عثمان کے متعلق صحاح ستہ میں ام المومنین عائشہ کی یہ حدیث بڑے شد و مد سے بیان کی جاتی ہے کہ عثمان بڑے حیادار تھے، ان سے ملائکہ بھی شرماتے تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع پر عثمان کے خلاف لوگوں کو صفت بستہ کرنے میں ام المومنین حضرت عائشہ نے انتہائی اہم کردار ادا کیا اور عثمان کی وہ حیثیت و اہمیت خاک میں ملا دی جس کی وجہ سے وہ اسلامی معاشرے میں بہت سر بلند تھے۔ ان کی ساری عزت و توقیر ختم ہو گئی اور مسلمان کھل کر انھیں برا بھلا کہنے لگے۔

غرض کہ ام المومنین حضرت عائشہ اور حضرت عثمان کے درمیانی تعلقات دن بہ دن بد سے بدتر ہوتے گئے۔ کہاں وہ ان کی سب سے بڑی حمایتی تھیں اور کہاں یہ نوبت آگئی کہ ان سے بڑھ کے عثمان کا

قضا ہو گئیں۔۔۔۔۔ عمار بنی مخزوم کے حلیف اسی تعلق کی بنا پر ہشام بن ولید مخزومی بگڑ گیا، اس نے عثمان سے کہا، علیؑ سے تو ڈر گئے اور ہم پر ہاتھ اٹھا لیا اور ہمارے بھائی کو مار مار کر لب گور کر دیا۔ خدا کی قسم اگر عمار مر گئے تو بنی امیہ کی کسی بڑی شخصیت کو قتل کر کے رہوں گا۔ عثمان نے گالیاں دے کر ولید کے بیٹے ہشام کو نکلوا دیا۔ وہ ام المومنین ام سلمہ کے گھر پہنچا، وہ خود عمار کی حالت دیکھ کر بے حد غضبناک تھیں۔ حضرت عائشہ کو خبر ہوئی تو وہ بے حد برہم ہوئیں اور حضرت سرور کائنات کا ایک مٹے مبارک، ایک کپڑا اور ایک جوتی نکال کر کہنے لگیں۔ کتنی جلدی تم لوگ اپنے پیغمبرؐ کے طور طریقوں کو چھوڑ بیٹھے ہو، ابھی تک آنحضرتؐ کے تبرکات میلے نہیں ہوئے اور تم لوگوں نے قیامت برپا کر دی۔ عثمان کے بنائے کچھ نہ بن پڑی اور وہ غصہ میں آپے سے باہر ہو گئے۔۔۔۔۔ جناب ام سلمہ کے پاس کہلوا یا کر، ہجوم آپ کے گھر پر کیوں اکٹھا ہو رہا ہے۔ ام سلمہ نے جواب میں کہلایا کہ تم اپنی خبر لو، ایسا نہ ہو کہ لوگ وہ کر بیٹھیں جو وہ نہیں کرنا چاہتے عمار کے ساتھ عثمان کے اس برتاؤ پر سب نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ یہ خبر آگ کی طرح پھیلی اور تمام مسلمانوں میں نفرت و ناراضگی کی لہر دوڑ گئی!

حضرت عمار یا سر سے عثمان کی برہمی کا ایک واقعہ اور تاریخ کی

وادی ذی خشب میں خیمہ زن ہو گئے۔ وہاں سے ان لوگوں نے ایک شخص کے ہاتھ حضرت عثمان کے پاس تحریری عرضداشت بھیجی، جس میں یہ مطالبہ کیا کہ ابن سرح کے مظالم، تشدد اور بے راہ روی کا سلسلہ بند کیا جائے، موجودہ روش کو بدلا جائے اور آئندہ کے لیے متبادل اور معقول انتظام کیا جائے۔

حضرت عثمان نے اس عرضداشت پر کوئی توجہ نہیں دی بلکہ ان کے قاصد کو ڈانٹا پھڑکارا اور دھکے دے کر گھر سے باہر کر دیا۔ اس غرور و طغیان اور ناروا سلوک پر مصری وفد کے لوگ بپھر گئے اور مخالفانہ نعرے بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گئے اور اہل مدینہ سے حکومت کی ستم رانیوں اور عثمان کے اس غیر اصولی برتاؤ کا شکوہ کیا۔ ادھر بصرہ اور کوفہ سے بھی اپنی اپنی شکایتیں لے کر سینکڑوں لوگ آئے ہوئے تھے وہ بھی اہل مصر کے ہمنوا ہو گئے اور مدینہ والوں کی پشت پناہی پر ان لوگوں نے حضرت عثمان کو گھیر کر پابند مسکن بنادیا، مگر مسجد میں آمد و رفت پر کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ چنانچہ اس سلسلے ہوئے ماحول میں حضرت عثمان نے پہلے جمعہ میں جو خطبہ دیا اس میں مصر، کوفہ اور بصرہ والوں کو برا بھلا کہا اور انھیں ملعون قرار دیا۔ بس پھر کیا تھا خلیفہ کی شامت آگئی، تمام لوگ مشتعل ہو گئے اور حضرت عثمان پر چاروں طرف سے پتھر برسے لگے یہاں تک کہ یہ بے ہوش ہو کر منبر سے نیچے گر پڑے۔

حضرت علیؑ سے فریاد

حضرت عثمان کو جب ہوش آیا اور انھیں یہ احساس ہوا کہ

کوئی مخالفت نہ تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اسی اختلاف کی بنا پر عثمان نے حضرت عائشہ کے وظیفہ کے دو ہزار کم کر دیے ہوں۔ بلا ذری کا کہنا ہے:

”اس معرکہ میں حضرت عائشہ کے خاندان والے بھی شریک ہو گئے تھے، یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگے تھے کہ محمد بن ابوبکر نے بنی تیم کو ان کے خلاف صفت بستہ کیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے ان کی اس معاملہ میں پوری پوری مدد کی۔“

ان واقعات کے پیش نظر حضرت عثمان کے قتل کو وقتی جوش اور ہنگامی جذبہ کا نتیجہ قرار دے کر چند بلوائیوں کے سر ہتھوپ دینا حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے جب کہ ان کی مخالفت کے تمام عناصر مدینہ ہی میں موجود تھے۔ باہر سے آنے والے تو ان کی آواز پر اپنے دکھ درد کی چارہ جوئی کے لیے جمع ہوئے تھے جن کا مقصد صرف اصلاح تھا نہ کہ قتل و خون ریزی۔ اگر ان کی فریاد سن لی جاتی تو خون خرابے کی نوبت ہی نہ آتی۔

حضرت عثمان پر پتھراؤ

مصر کے گورنر اور حضرت عثمان کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے مظالم اور جبر و استبداد سے جب اہل مصر تنگ پریشان آچکے اور تشدد کا پانی ان کے سروں سے اونچا ہو گیا تو وہ لوگ فریاد کی غرض سے مدینہ کی طرف بڑھے اور شہر کے قریب پہنچ کر

لہ انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸

چلے گئے۔ حضرت عثمان اس مروانی دایم فریب میں گرفتار ہو گئے، چنانچہ انھوں نے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”اہل مصر کو اپنے خلیفہ کے متعلق کچھ بے بنیاد خبریں ملی تھیں اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ وہ سب غلط ہیں تو وہ اپنے شہر کی طرف پلٹ گئے۔“

حضرت عثمان کے منہ سے اس جھوٹ کا نکلنا تھا کہ مسجد میں ایک ہلڑ مچ گیا اور لوگوں نے پکار پکار کر کہنا شروع کیا کہ خدا کے لیے عثمان اس جھوٹ سے توبہ کرو اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔ ہنگامہ اتنا بڑھا کہ عثمان سٹپٹا کر رہ گئے اور انھیں توبہ کرتے ہی بنی۔ چنانچہ قبلہ کی طرف رخ کر کے خدا کی بارگاہ میں گر گرائے اور پھر گھر پلٹ آئے۔

نالکہ اور مروان کی مبتذل گفتگو

مسجد نبوی سے پلٹ کر حضرت عثمان جب بوجھل قدموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئے تو مروان نے ان سے کچھ کہنا چاہا، مگر حضرت عثمان کی بیوی نالکہ پھر گئیں اور مروان سے کہا تم چپ رہو کسی وقت تمہاری باتیں ان کے لیے موت کا پیش خیمہ بن جائیں گی۔ مروان نے بگڑتے ہوئے کہا، تمہیں ان معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں، تم اسی کی توبہ کی ہو جسے مرتے دم تک وضو کرنا بھی نہیں آیا۔ نالکہ نے جھلا کر کہا، تو غلط کہتا ہے اور بہتان رکھتا ہے، میرے باپ کو کچھ کہنے

لہ طبری ج ۳ ص ۳۹۵

حالات بگڑ چکے ہیں تو ”مشکل کشائی“ کے لیے حضرت علیؑ کا سہارا لیا اور ان سے گر گڑا کر فریاد کی اس آئی ہوئی بلا کو کسی طرح ٹال دیجیے امیر المومنین نے فرمایا کہ میں کس بنیاد پر انھیں واپس جانے کے لیے کہوں جب کہ ان کے مطالبات حق بجانب ہیں۔ عثمان نے کہا، آپ ان لوگوں سے جو بھی معاہدہ کریں گے میں اس کا پابند رہوں گا۔ چنانچہ حضرت علیؑ مصری وفد کے لوگوں سے ملے اور ان سے گفتگو کی۔ وہ لوگ اس شرط پر واپس جانے کے لیے آمادہ ہو گئے کہ تمام مظالم ختم کیے جائیں اور مصر کے گورنر ابن ابی سرح کو معزول کر کے اس کی جگہ محمد بن ابوبکر کا تقرر کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے پلٹ کر عثمان کے سامنے ان کے مطالبات رکھے جسے بے چون و چرا انھوں نے منظور کر لیا۔ حضرت علیؑ نے اہل مصر کو ان کے مطالبات پورے کیے جانے کی یقین دہانی کرادی اور وہ لوگ منتشر ہو گئے۔

مروان کا فریب اور عثمان کا جھوٹ

جب اہل مصر چلے گئے اور معاملہ رفع دفع ہو گیا تو دوسرے دن مروان بن حکم نے عثمان سے کہا کہ مصر سے آئی ہوئی بلا تو ٹل گئی۔ اب آپ دوسرے شہروں کے لوگوں کی روک تھام کے لیے کوئی ایسا بیان دیں جس سے آئندہ لوگ ادھر کا رخ نہ کریں۔ عثمان نے کہا، کیا بیان دوں؟ کہا، آپ یہ بیان دیں کہ مصر کے کچھ لوگ انواہیں سن کر غلط فہمی کی بنیاد پر مدینہ میں جمع ہو گئے تھے اور جب انھیں یہ یقین ہو گیا کہ جو وہ سنتے تھے وہ غلط تھا تو سب لوگ مطمئن ہو کر واپس

کی خاطر دین سے بھی ہاتھ اٹھا لیا ہے اور عقل کو بھی چھوڑ بیٹھے ہو۔ تمہیں اپنے وعدوں کا کچھ پاس و لحاظ تو ہونا چاہیے۔ یاد رکھو! مروان تمہیں ایسے اندھے کنوئیں میں پھینکے گا جس سے نکلنا تمہارے لیے ممکن نہ ہوگا۔ تم مروان کی سواری بن چکے ہو جس طرح چاہے وہ تم پر چڑھے اور جس غلط راہ پر چاہے تمہیں ڈال دے۔ آئندہ میں تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دوں گا، جو تمہارے جی میں آئے کرو، اب تم جانو اور تمہارا کام۔ یہ کہہ کر جب حضرت علیؑ چلے آئے تو نائلہ نے عثمان سے کہا:

”مروان سے پیچھا چھڑائیے ورنہ وہ ایسا کلنگ کا ٹیکہ لگے گا کہ مٹائے نہ مٹے گا۔ آپ ایسے شخص کے کہنے پر عمل کرتے ہیں جو بے آبرو اور لوگوں کی نظروں میں گرا ہوا ہے۔ علیؑ بن ابی طالبؑ کتنا ورنہ یاد رکھیے کہ بگڑے ہوئے حالات پر قابو پانا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ مروان کے اختیار میں“ (طبری)

نائلہ کی اس تجویز سے عثمان متفق ہوئے اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے پیچھے آدمی بھیجا مگر آپ نے ملنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان کے لیے شرم و حیا اور ندامت مانع تھی، کون سا منہ لے کر دن کے اجالے میں نکلنے لہذا رات کے پردے میں چھپ کر امیر المومنین کے یہاں پہنچے اور اپنی بے بسی و لاچارگی کا رونا روایا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اب تمہاری ذات پر اعتماد بہ ذات خود اپنے کو فریب میں مبتلا کرنا ہے، لہذا میں تمہاری کوئی ذمہ داری اپنے سر لینے کو تیار نہیں ہوں، جو راستہ مناسب سمجھو اختیار کرو۔ یہ جواب سن کر حضرت عثمان پلٹ

سے پہلے اپنے باپ کی حقیقت پر نگاہ ڈال۔ اگر ان ”بڑے میاں“ (عثمان) کا خیال نہ ہوتا تو ایسی کھری کھری سناتی کہ لوگ کانوں پر ہاتھ دھر لیتے۔ عثمان نے جب بات بڑھتے دیکھی تو دونوں کے درمیان بیچ بچاؤ کیا اور کہا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

حضرت عثمان پر مروان کی چڑھائی اور اس کا انجام

مروان نے عثمان سے کہا، مسجد میں آپ توبہ کر کے کیوں آئے؟ میرے نزدیک تو گناہ پر اڑے رہنا اس توبہ سے کہیں زیادہ بہتر تھا، کیونکہ گناہ خواہ کس حد تک بڑھ جائیں توبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے اور مارے باندھے کی توبہ توبہ نہیں ہوتی۔ اس توبہ کا نتیجہ دیکھ لیجیے، دروازے پر ہجوم اکٹھا ہے۔ حضرت عثمان نے کہا جو مجھے کرنا تھا وہ کر آیا۔ اب اس ہجوم سے تم نیٹ لو، میرے بس کا یہ روگ نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے ایماء پر مروان باہر آیا اور مجمع سے مخاطب ہو کر اس نے کہا، تم لوگ یہاں کیوں جمع ہو؟ کیا لوٹ مار کا ارادہ ہے یا دھاوا بولنا چاہتے ہو؟ یاد رکھو کہ تم آسانی کے ساتھ اقتدار ہم سے نہیں چھین سکتے۔ یہاں سے منہ کالا کرو اور بھاگ جاؤ، خدا تمہیں ذلیل و رسوا کرے۔

لوگوں نے جب یہ بدلا ہوا نقشہ دیکھا تو غیظ و غضب میں بھرے ہوئے وہاں سے چل پڑے اور سیدھے امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں ساری روداد سے آگاہ کیا۔ حضرت کو بھی غصہ آیا، چنانچہ وہ اسی وقت عثمان کے یہاں گئے اور ان سے کہا، تم نے مسلمانوں کی کیا درگت بنائی ہے، ایک بے دین بدکردار

لے کر عثمان کے پاس گئے تھے انھیں مارا پیٹا اور ان میں سے ایک شخص کو قتل بھی کر ڈالا۔ عاجز ہو کر مصر کے لوگ سات سو کی تعداد میں مدینہ روانہ ہوئے۔ نمازوں کے وقت اصحاب پیغمبرؐ سے ملاقاتیں کیں اور ان سے ابن ابی سرح کی زیادتیوں کے بارے میں سب کچھ بتایا، طلحہ نے عثمان سے اس معاملہ میں سخت لب و لہجہ میں گفتگو کی۔ حضرت عائشہ نے بھی کہلا بھیجا کہ مصر والوں کے معاملے میں انصاف کیا جائے۔ حضرت علیؑ بھی مصر والوں کے ترجمان بن کر عثمان کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ لوگ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ابن ابی سرح کو ہٹا کر دوسرے کو حاکم مقرر کر دیجیے اور ان کے ساتھ انصاف کیجیے۔ عثمان نے کہا جسے یہ لوگ کہیں حاکم مقرر کر دوں۔ ان لوگوں نے محمد بن ابوبکر کے لیے کہا، حضرت عثمان نے محمد بن ابوبکر کو بلا کر مصر کی حکومت کا پردہ لکھ دیا اور ان کے ساتھ ہاجرین و انصار کی ایک جماعت کر دی کہ وہ مصر جائیں اور ابن ابی سرح کی بیویوں کی تحقیقات کریں۔

اب اس تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں:

ابھی محمد بن ابوبکر اور ان کے ساتھی حجاز کی سرحدیں پار کر کے دریائے قلزم کے کنارے آباد ایک مقام ”ایلہ“ تک پہنچے تھے کہ ان لوگوں کو ایک حبشی ناقہ سوار نظر آیا جو اپنی سواری کو اس طرح بکٹٹ دوڑائے چلا جا رہا تھا جیسے وہ کسی کا پیچھا کر رہا ہو یا کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ محمد بن

لے انساب الاشراف بلاذری ج ۵ ص ۶۷-۶۸

آئے اور حضرت علیؑ پر اٹے یہ الزام عائد کرنا شروع کیا کہ ان ہنگاموں کے پیچھے علیؑ بن ابی طالب کا ہاتھ ہے۔

محمد بن ابوبکر کے ساتھ عثمانی فریب کاری

محمد بن ابوبکر کا قصہ مصر سے شروع ہوتا ہے، جب انھوں نے ابن حذیفہ کے ساتھ مل کر مصری گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے خلاف محاذ قائم کیا۔ بلاذری نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے:

”حضرت عثمان نے بارہ سال حکومت کی اور اس عرصہ میں

انھوں نے ایسے لوگوں کو عامل مقرر کیا جنھیں پیغمبرؐ کی صحبت کا

شرف حاصل نہ تھا۔ یہ لوگ ایسے مظالم اور ایسی حرکتیں کرتے

جو اصحاب رسولؐ کے لیے ناقابل برداشت ہوتیں۔ ان کی شکایتیں

حضرت عثمان سے کی جاتیں لیکن وہ کوئی توجہ نہ دیتے نہ انھیں معزول

کرتے۔ آخری زمانہ خلافت میں انھوں نے اپنے خاندان والوں

کو بہت سرچڑھا لیا اور انھیں ہر جگہ حاکم مقرر کیا۔ انھیں حاکموں

میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح بھی تھا، یہ عبداللہ بن مسعود،

ابوذر غفاری اور عمار یا سر کے ساتھ طرح طرح کے مظالم اور بدسلوکیاں

کر چکا تھا جس کی وجہ سے قبائل ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار اور بنی

مخزوم کے لوگ برہم تھے۔ چند برس یہ حاکم رہا ہو گا کہ مصر والے

اس کی شکایتیں لے کر عثمان کے پاس پہنچے۔ وقتی طور پر عثمان

نے اس کی تنبیہ کی اور خفگی بھرے خطوط لکھے لیکن اس نے کوئی

پردہ نہ کی بلکہ اس کی جسارتیں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ جو لوگ شکایتیں

لوگوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کا غلام آپ ہی کی سواری پر بیٹھ کر جائے اور اس کے پاس ایسا فرمان ہو جس پر آپ ہی کی ہر لگی ہو اور آپ کو پتہ نہ ہو۔ جب آپ کی بے بسی کا یہ حال ہے تو خلافت سے دست بردار ہو جائیے تاکہ کوئی ایسا شخص آئے جو مسلمانوں کے امور کی دیکھ بھال کر سکے۔

حضرت عثمان نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ میں اس پیراہن کو اتار دوں جو اللہ نے مجھے پہنایا ہے، البتہ تو یہ کیے لیتا ہوں۔ لوگوں نے

ابوبکر کے رفقاء کو اس پر شبہ ہوا۔ انھوں نے اسے روکا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت عثمان کا غلام ہوں۔ پوچھا کہ کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا مصر کا۔ پوچھا کس کے پاس جا رہے ہو؟ کہا والی مصر کے پاس۔ لوگوں نے کہا والی مصر تو ہمارے ساتھ ہیں، تم کس کے پاس جا رہے ہو؟ اس نے کہا ابن ابی سرح کے پاس۔ لوگوں نے پوچھا تمھارے پاس کوئی خط ہے؟ پوچھا پھر کس مقصد سے جا رہے ہو؟ اس نے کہا نہیں معلوم۔ لوگوں نے کہا اس کی تلاشی لی جائے۔

چنانچہ تلاشی لی گئی لیکن اس کے پاس سے کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی۔ کنانہ بن بشر نے کہا کہ اس کا مشکیزہ دیکھو۔ اور جب مشکیزہ کھول کر دیکھا گیا تو اس میں سیسے کی ایک تلکی تھی جس میں خط رکھا ہوا تھا جو سیل بند لفافے میں تھا۔ یہ خط فرمانِ خلافت تھا۔ سیل توڑی گئی، خط پڑھا گیا، اس میں تحریر تھا:

”جب محمد بن ابوبکر اور ان کے ساتھی تمہارے پاس پہنچیں تو انھیں کسی طرح قتل کر دو اور جو پروانہ تقرری محمد کے پاس ہے اسے منسوخ سمجھو، اپنے منصب پر قائم رہو اور جو شخص مخالفت کرے اسے جیل میں بند کر دو۔۔۔۔۔“

خط کا مضمون پڑھنے کے بعد سب پر سناٹا چھا گیا اور حضرت عثمان کی اس فریب کاری پر لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ

له عقد الفريد ج ۲ ص ۱۸۶، انساب الاشراف ج ۵ ص ۶۸، طبری ج ۵، کامل
ابن اثیر ج ۳، ابن ابی الحدید ج ۲ وغيره

کہا، توبہ کی مٹی تو اسی دن خراب ہو گئی تھی جب مروان آپ کے دروازے پر آپ کی ترجمانی کر رہا تھا، رہی سہی کسر اس خط نے پوری کر دی، اب ہم آپ کے فریب میں آنے والے نہیں۔ اگر یہ کارنامہ مروان کا ہے تو آپ اسے ہمارے حوالے کیجئے تاکہ ہم باز پرس کر سکیں ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خط آپ ہی کے حکم سے لکھا گیا ہے۔

مروان اس وقت عثمان کے گھر میں موجود تھا لیکن اسے انھوں نے صحابہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور وہ لوگ حضرت عثمان کو کوستے ہوئے واپس پلٹ آئے۔

قتل عثمان کا فتویٰ اور اس پر عمل درآمد

مورخ اعثم کوفی کا بیان ہے:

”جب ام المومنین (عائشہ) نے دیکھا کہ تمام لوگوں نے عثمان کے خلاف ایسا کر لیا ہے تو انھوں نے عثمان سے کہا تم نے مسلمانوں کے بیت المال کو اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا۔۔۔۔۔ بنی امیہ کو آزادی دے دی کہ جس طرح وہ چاہیں (مسلمانوں کا مال) لوٹیں، انھیں ہر شہر کا حاکم بنا دیا اور امت پیغمبر کو تنگی و عسرت میں مبتلا کر دیا۔ خداوند عالم تم سے آسمانی برکتوں کو روک لے اور زمین کی بھلائیوں سے محروم کر دے۔ اگر تم نماز نہ پڑھتے ہوتے تو اونٹ کی طرح تمھیں سخر کر دیا جاتا“

لہ اعثم کوفی ص ۱۵۵

اس کے جواب میں عثمان نے قرآن کی آیت پڑھی جس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

”خداوند عالم نے کافروں کی مثال زو جہ نوح اور زو جہ لوط سے دی ہے کہ یہ دونوں ہمارے بندوں کے تصرف میں تھیں، دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی مگر کچھ بگاڑ نہ سکیں اور ان سے کہا گیا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو جاؤ۔“

(سورہ تحریم آیت ۱۰)

اول اس خط نے جسے مصر جاتے وقت محمد بن ابوبکر نے حضرت عثمان کے غلام سے برآمد کیا تھا اور جس میں محمد اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنے کا حکم تھا، دوسرے عثمان کے ان سخت فقیروں نے حضرت عائشہ کو جن کے مزاج میں پہلے ہی سے حدت بھری ہوئی تھی اور جو غیظ و غضب کے عالم میں اپنے آپے میں نہیں رہتی تھیں، ایک دم سے مشتعل کر کے اس امر پر مجبور کیا کہ وہ حضرت عثمان کے کفر اور ان کے واجب قتل ہونے کا فتویٰ جاری کر دیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا:

”اقتُلُوا نَعْتَلًا فَقَدْ كَفَرُوا“ (اس نعل کو قتل کر دو کہ یہ کافر ہو گیا ہے)

ام المومنین کی زبان سے اس فتوے کا صادر ہونا تھا کہ یہ خبر اس طرح پھیلی جیسے آگ سوکھے پتوں میں پھیل جاتی ہے۔ مخالفین اس میں متحد ہونے لگے۔ طلحہ، زبیر، حفصہ، عمرو بن عاص، عبدالرحمن بن عوف، معاویہ بن ابوسفیان، ابو موسیٰ اشعری، ابن مسعود، عمار یا سر، مالک اشتر، عبداللہ بن عمر، عامر بن قیس تمیمی، جندب بن کعب ازدی ابوزبیر

ہو جائیں یا پھر وہ حضرت عثمان یا ان کے مخالفین کے ساتھ شامل ہو کر میدان میں اتر آئیں۔ چنانچہ اراکین شوریٰ میں حضرت علیؑ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے گوشہ نشینی کو پسند کیا اور طلحہ و زبیر وغیرہ نے عام مسلمانوں میں شامل ہو کر عثمان کے قتل کو ترجیح دی۔

”اقتلوا نعتلاً“ کا اثر یہ بھی ہوا کہ لوگ حضرت عثمان کی زندگی کے آخری ایام میں انھیں ”نعتل“ کے نام سے پکارنے اور ان سے بدکلامیاں کرنے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے جس نے عثمان کو ”نعتل“ کہہ کر مخاطب کیا، وہ جبکہ بن عمر سعدی تھے۔ طبری نے روایت کی ہے کہ عثمان جبکہ بن سعدی کی طرف سے گزرے تو وہ اپنے صحن میں بیٹھ ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا:

”اے نعتل خدا کی قسم میں تجھے ضرور قتل کروں گا اور اونٹ کی پیٹھ پر بٹھا کر پہاڑوں کی طرف نکال باہر کروں گا۔“

دوسرے بزرگ صحابی جنھوں نے حضرت عثمان کے منہ پر انھیں نعتل کہا وہ حضرت جہاہ غفاری ہیں۔ طبری و بلاذری نے بسلسلہ اسناد حاطب سے روایت کی ہے کہ جہاہ نے عثمان کو نعتل کہا اور ان کا عصا چھین کر اپنے گھٹنے سے توڑ ڈالا۔ دیگر کتابوں میں ابو جہیب سے روایت ہے جہاہ غفاری عثمان کے لیے ایک اونٹ، چادر اور ہتھکڑی و بیڑی لے کر آئے اور کہا: ”اے نعتل چل تجھے اور بھاپنا کر اونٹ پر بٹھائیں اور دخان پہاڑ کی چوٹی پر چھوڑ آئیں۔“

طبری ج ۵ ص ۱۱۴، کمال ج ۳ ص ۱۱۰، ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷۶، استیعاب حالات جہاہ، کمال، اصابع ج ۱ ص ۱۵۳، خمیس ج ۲ ص ۶۰

حجاج بن عدی اور ثابت بن قیس ہمدانی وغیرہ نے ہمنوائی کی۔ قبیلہ بنی ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار، بنی مخزوم، بنی ساعدہ، بنی خزاعہ، بنی تمیم اور بنی سعد وغیرہ نے حضرت عائشہ کے اس فتوے کو سراہا۔ اہل مدینہ اہل مصر، اہل بصرہ اور اہل کوفہ نے لبیک کہی۔

ادھر حضرت عائشہ نے اپنے اس فتوے کی ہمہ گیری کا جائزہ لیا اور جب انھیں یقین ہو گیا کہ عثمان کے قتل کے لیے ایک جوہر دار اصل تلوار تیار ہو چکی ہے تو وہ حج کے بہانے سے مدینہ چھوڑ کے مکہ کی طرف روانہ ہو گئیں تاکہ ان کی عدم موجودگی میں جو ہونا ہے وہ ہو جائے۔ جب تک حضرت عائشہ نے یہ فتویٰ نہیں دیا تھا حضرت علیؑ اور دوسرے صحابہ کی جدوجہد سے یہ امید قائم تھی کہ شاید عثمان اور مسلمانوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہو جائے مگر اس فتوے کے بعد حضرت عثمان کی زندگی پر موت کی ہر لگ گئی۔

اس فتوے کا اثر اس وجہ سے اور بڑھ گیا کہ انھوں نے ایسے موقع پر یہ فتویٰ دیا جب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا، مسلمانوں میں بھوٹ پڑ چکی تھی، مسلم معاشرہ دو گروہوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ ایک طرف حاکموں کا گھرانہ یعنی بنی امیہ تھے جن کی ہر شہر پر حکومت تھی اور دوسری طرف وہ مسلمان تھے جو نادار، مفلوک الحال، فاقہ کش اور پریشان حال تھے۔ حضرت عائشہ کے اس فتوے پر صحابہ کرام کے اجماع و اتفاق کے بعد حضرت عثمان کے لیے صرف دورا سے تھے۔ یا تو وہ خلافت سے شرافت کے ساتھ دست بردار ہو جاتے یا عام مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ بالکل یہی صورت دیگر مسلمانوں کے لیے بھی تھی کہ وہ گوشہ نشین

اپنے مشن میں زبردست کامیابی حاصل کی، یہاں تک کہ مصر کو فتح اور بصرہ کے مسلمانوں کا سیلاب آپ کی اس آواز پر امنڈ کر مدینہ کی گلیوں اور کوچوں میں پھیل گیا اور حضرت عثمان کو ان کے گھر ہی میں محصور کر دیا گیا۔ بلاذری رقم طراز ہیں کہ:

”لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا اس وجہ سے کہ انھوں نے لوگوں کے مطالبات منظور نہیں کیے، نیز اس وجہ سے کہ ام المومنین عائشہ نے ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا تھا اور مختلف شہروں میں خطوط بھیج کر مسلمانوں کو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب دی تھی۔“

محاصرہ چالیس دن تک جاری رہا جس کی قیادت طلحہ کے ہاتھ میں تھی۔ ابتدا میں محاصرہ کی روش زیادہ سخت نہ تھی۔ عثمان مسجد نبوی میں نماز کی غرض سے آتے جاتے تھے۔ پھر طلحہ نے اس آنے جانے پر بھی پابندی عائد کر دی اور نماز خود پڑھانے لگے، نیز انھوں نے بیت المال پر بھی قبضہ کر لیا۔ چنانچہ حالات کی سنگینی کے تحت حضرت عثمان نے اپنی مدد کے لیے اپنے پُر اعتماد عاملوں کو آواز دی اور انھیں خطوط لکھے۔ آپ نے شام کے حاکم معاویہ کو لکھا:

”واضح ہو کہ اہل مدینہ کافر ہو گئے ہیں، انھوں نے بیعت توڑ دی ہے اور اطاعت سے منہ پھیر لیا ہے لہذا تم شام کی فوجوں کو تیز و تند سواروں کے ذریعہ میری طرف بھیج دو۔“

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ کے فتوے کے بعد حضرت عثمان تمام مسلمانوں کی نظر سے بالکل ہی گر گئے تھے۔ ساری عزت و توقیر خاک میں مل چکی تھی، اگر زندہ بھی رہتے تو بے کار تھا لہذا اس ذلت و رسوائی کی زندگی سے ان کے لیے موت ہی بہتر تھی۔

حضرت عثمان کا محاصرہ اور قتل

تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عائشہ نے نہ صرف قتل عثمان کا فتویٰ صادر فرمایا تھا بلکہ مختلف شہروں میں خطوط بھیج کر مسلمانوں کو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب بھی دی تھی۔ ابن عباس سے بھی آپ نے فرمایا:

”اللہ نے آپ کو فصاحت و بلاغت اور قوت گویائی سے نوازا ہے۔ عثمان کے سارے معاملات روشنی میں آچکے ہیں آپ کو چاہیے کہ اپنی تقریروں سے مسلمانوں کو عثمان کی طرف سے گشتہ کر دیں۔“

مگر ابن عباس آپ کے حکم میں نہیں آئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عائشہ عثمان کو کافر قرار دے کر ان کے قتل کا فتویٰ دے چکی ہیں اور اگر عثمان قتل ہو گئے تو یہ مظلمہ کس کی گردن پر جائے گا؟ بہر حال حضرت عائشہ نے اپنے فتوے کی ہمہ گیری اور قوت ذاتی اثرات و رسوخ اور لامحدود وسائل کی بدولت عثمان کے خلاف

لے انساب الاشراف ج ۵ ص ۱۰۳ ۱۰۴ طبری ج ۵ ص ۱۲۰

لے انساب الاشراف ج ۵ ص ۱۰۳ ۱۰۴ انساب الاشراف ج ۵ ص ۸۱ ۸۲ طبری ج ۳ ص ۴۰۲

کہ محاصرے کا دائرہ ایک بارگی حضرت عثمان پر تنگ کر دیا گیا۔ رسد
واشیائے خوردنی کے تمام ذرائع منقطع کر دیے گئے یہاں تک کہ آپ
پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔

اب حالات قابو سے باہر تھے، لہذا عثمان نے سوچا ہوگا کہ جان
بچانے کی یہی صورت ممکن ہے کہ حضرت عائشہ کے قدموں پر سر رکھ
دیا جائے، اس طرح ایک آخری کوشش اور کر لی جائے۔ چنانچہ
انہوں نے مروان بن حکم اور عبدالرحمن بن عتاب کو حضرت عائشہ کے
پاس بھیجا، وہ مدینہ سے فرار ہونے کے لیے رخت سفر باندھ چکی
تھیں۔ حضرت عثمان کے نمائندوں نے اگر ان سے فریاد کی اور کہا
کہ خلیفہ پر محاصرے کا دائرہ مزید تنگ کر دیا گیا ہے۔ مناسب ہوگا کہ
آپ سفر ملتوی کر دیں کیونکہ آپ کی موجودگی ان کے بچاؤ کا ذریعہ بن
سکتی ہے۔ حضرت عائشہ نے سخت لہجے میں انکار کرتے ہوئے فرمایا:

”خدا کی قسم میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ وہ (عثمان) میرے ان
تھیلوں میں سے کسی ایک تھیلے میں بند ہوتے اور میں خود انھیں
لے جا کر کسی سمندر میں غرق کر دیتی ہوں۔“

حضرت عائشہ کی زبان سے یہ خشک اور ”دو ٹوک“ جواب سن کر
حضرت عثمان کے نمائندے بے نیل مرام واپس آ گئے اور یہی سہی یہ
امید بھی ختم ہو گئی

محاصرے کی شدت، خوردنی اشیاء کی عدم فراہمی اور بندشِ آب

معاویہ کو یہ خط ملا تو اس نے توقف سے کام لیا اور اصحابِ رسول
سے مخالفت نیز ان سے برسرِ پیکار ہونے کو خلاف مصلحت جانا کیونکہ
وہ ایک کہنہ مشہور سیاست داں تھا اور اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ
تمام صحابہ عثمانی مخالفت پر یک جہتی سے متفق ہیں۔
بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر کو لکھا:

”کچھ سرکش، باغی اور ظالم لوگوں نے جو مدینہ کے رہنے والے
ہیں۔ بصرہ، کوفہ اور مصر کے باشندوں کے ساتھ مجھ سے برگشتہ ہو کر
میرے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ لیکن میں ابھی ان کے دسترس سے باہر
ہوں۔ ہر چند انھیں نصیحت کرتا ہوں اور ان کی رضامندی کو نظر
رکھنے اور کتابِ خدا و سنتِ رسول پر چلنے کا وعدہ کرتا ہوں مگر
وہ ذرا بھی کان نہیں دھرتے۔ میرے قتل یا مجھے خلافت سے
علحدہ کرنے پر مصر ہیں اور میں ان کی خواہش پوری کرنے یعنی
خلافت سے علحدہ ہو جانے کی نسبت موت کو زیادہ سہل اور
آسان سمجھتا ہوں۔ میں نے تمھیں صورتِ حال سے مطلع کر دیا
ہے۔ لازم ہے کہ تم میری مدد کرو اور مضبوط و بہادر لوگوں کی جمعیت
کو میرے پاس روانہ کرو۔“ (اعظم کوفی)

ان خطوط کے جواب میں کوئی مدد تو نہیں آئی مگر یہ ضرور ہوا کہ
عثمان کے مخالفین کو اس بات کا علم ہو گیا کہ خلیفہ نے اپنے عالموں سے
فوجوں کی مدد مانگی ہے تاکہ وہ ہم سے جنگ کر سکیں۔

ظاہر ہے کہ اس خیال نے مخالفین کے ذہنوں میں قتلِ عثمان
کے سلسلے میں ”عجلت“ کے تصور کو جنم دیا ہوگا اور شاید یہی وجہ تھی

کے قاتل کو طلب کیا۔ مگر عثمان نے یہ کہہ کر ان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے ایک مددگار کو تمہارے سپرد کر دوں۔ عثمان کی اس سینہ زوری نے بھڑکی ہوئی آگ کو اور ہوائے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے جوش میں آکر ان کے دروازے میں آگ لگا دی کچھ لوگ اندر گھسنے کے لیے آگے بڑھے تھے کہ مروان بن حکم، سعد بن عاص اور مغیرہ بن احنس اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ ان پر ٹوٹ پڑے اور دروازے پر ہی کشت و خون شروع ہو گیا۔ لوگ گھر کے اندر گھسنا چاہتے تھے مگر احنس باہر ڈھکیں دیا جاتا تھا، اتنے میں عمرو بن انصاری نے جن کا مکان عثمان کے مکان سے متصل تھا، اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا اور للکار کر کہا، آؤ ادھر سے آگے بڑھو چنانچہ محاصرین اس مکان کے ذریعہ کاشانہ خلافت کی چھت پر پہنچے اور وہاں سے صحن میں اتر کر تلوار سوئت لیں۔

جناب اشتر جب عثمان کو قتل کرنے کے ارادے سے آگے بڑھے تو انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا ہیں اور کوئی مدافعت کرنے والا نہیں ہے تو انھوں نے اس حالت میں قتل کو بزدلی پر محمول کیا اور پلٹ آئے۔ مسلم بن کثیر کو فنی نے کہا، معلوم ہوتا ہے تم عثمان سے ڈر گئے۔ اشتر نے کہا میں ڈرا نہیں، چونکہ عثمان نہتے، تنہا اور بے بس ہیں، کوئی ان کی مدافعت کرنے والا نہیں ہے، اس لیے میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ میں ایسے شخص پر ہاتھ اٹھاتا۔ اتنے میں محمد بن ابوبکر آگے بڑھے اور انھوں نے جھپٹ کر عثمان کی داڑھی پکڑ لی۔ عثمان نے کہا، اے بھتیجے! میری داڑھی چھوڑ دے، اگر تیرا باپ (ابوبکر) زندہ ہوتا تو وہ

میں حضرت عثمان کو مضطرب و پریشان اور نیم جان کر دیا تھا۔ خصوصاً پیاس نے جب مجبور کیا تو آپ کاشانہ خلافت کی چھت پر چڑھ گئے اور وہاں سے محاصرین کو مخاطب کر کے پوچھا کہ کیا تم میں علیؑ بھی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پوچھا سعد ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر کہا، کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مجھ پر رحم کرے اور میرا یہ پیغام علیؑ تک پہنچا دے کہ وہ میرے لیے پانی کی کچھ سبیل کر دیں؟ جب یہ خبر حضرت علیؑ کو ملی تو وہ طلحہ کے پیاس آئے اور کہا کہ یہ مناسب نہیں کہ تم عثمان پر پانی کو بند رکھو۔ میں پانی کی جو مشکیں بھیج رہا ہوں، انھیں عثمان کے پیاس جانے دو۔ بات صاحب ذوالفقار کی تھی، طلحہ کی کیا مجال تھی کہ وہ اس سے انحراف کرتے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے تین مشکیں پانی کی عثمان کے پیاس روانہ کیں جو ان تک پہنچیں۔

نیار بن عیاض صحابی رسولؐ کا الم ناک واقعہ بھی قتل عثمان میں عجلت کا سبب بنا۔ وہ یہ کہ نیار بن عیاض حضرت عثمان کو نصیحت کرنے کا جذبہ لے کر ان کے گھر پہنچے اور محاصرین کی صفوں میں شامل ہو کر عثمان کو آواز دی۔ جب انھوں نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو نیار نے کہا، اے عثمان! خدا کے لیے خلافت سے دست بردار ہو جاؤ اور مسلمانوں کو خون خرابے سے بچاؤ۔ ابھی وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ عثمان کے آدمیوں میں سے کسی نے انھیں تیر کا نشانہ بنا کر ختم کر دیا۔ اس حادثے نے مسلمانوں کو مشتعل کر کے آپے سے باہر کر دیا۔ پہلے تو لوگوں نے عثمان سے نیار

اور عثمان پر چھپ چھپ کے تیر چلا رہے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب محاصرہ کرنے والوں کو عثمان کے گھر میں داخل ہونے کا راستہ نہ ملا تو طلحہ ہی نے کسی انصاری کی طرف سے انھیں عثمان کے گھر میں داخل کیا۔ طبری نے روایت کی ہے کہ وہ لوگ عمرو بن حزم انصاری کے گھر میں گھسے، ان کا گھر حضرت عثمان کے گھر کے پہلو میں تھا۔ کچھ دیر جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد سودان بن حمران باہر نکلا اور اس نے پکار کر کہا، طلحہ کہاں ہیں؟ ہم نے عثمان کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۸۵ھ المرجہ کو جمعہ کے دن بعد نماز عصر ظہور پذیر ہوا۔ اس وقت حضرت عثمان کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔ مدت محاصرہ چالیس دن اور بعض روایتوں کے مطابق انچاس دن بتائی جاتی ہے۔

مدفن

مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت عثمان کی لاش تین دن تک مزبہ یعنی کوڑے پر پڑی رہی اور بلوائیوں نے اسے دفن نہ ہونے دیا، یہاں تک کہ (بروایت اعظم کوئی) آپ کی ایک ٹانگ کٹے اٹھالے گئے۔ دفن کے بارے میں ایک مصری بزرگ عبداللہ بن سواد کا کہنا تھا کہ میں انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہونے دوں گا کیوں کہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ اس گفتگو کے ذیل میں اس کے پاس یہ دلیل تھی: ”جب عثمان خلیفہ ہوئے اور ابو سفیان نے کہا کہ اب خلافت

لے اقتباسات تاریخ اعظم کوئی ۱۵ ابن ابی الحدید ج ۲ ص ۲۰۴ طبری ج ۵ ص ۱۲۲

بھی میری داڑھی نہ پکڑا۔ محمد نے کہا، اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ تجھے ہرگز ان فعلوں کی اجازت نہ دیتا جن کی وجہ سے تو کافر ہو گیا۔ یہ کہہ کر محمد نے وہ بیچہ جو ان کے ہاتھ میں تھا عثمان کی گردن پر رسید کیا جس سے کاری زخم آیا۔ اتنے میں کنانہ بن بشر نے عثمان کے سر پر گرز کا وار کیا۔ سودان بن حمران نے تلوار ماری اور عثمان بری طرح زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ غافقی نے ایک ضرب لگائی اور ایک مصری نے چاہا کہ عثمان کی ناک کاٹ لے مگر نائلہ (عثمان کی بیوی) نے (جو بڑی قوی ہیکل تھیں) اس کی تلوار پکڑ لی جس سے ان کا انگوٹھا کٹ گیا (ایک روایت میں ہے کہ انگلیاں کٹ گئیں) اتنے میں خلیفہ کے ایک غلام نے اس مصری شخص پر جو عثمان کی ناک کاٹنا چاہتا تھا، تلوار کا وار کر کے سر تن سے جدا کر دیا۔ یہ دیکھ کر قنبرہ بن وہب نے غلام کے دو ٹکڑے کر دیے پھر ایک اور غلام نے قنبرہ کو مار ڈالا۔ اسی اثناء میں عمرو بن حنظلہ جنت لگا کر عثمان کے سینہ پر سوار ہو گیا۔ اس نے نوزخم لگائے اور کہا تین زخم خدا کی راہ میں لگائے ہیں اور چھ اس کینہ کی طرف سے جو اس کی طرف سے میرے دل میں تھا۔ عمرو بن صابی آگے بڑھا اور اس نے عثمان کی دو پسلیاں توڑ دیں۔ لوگوں نے چاہا کہ عثمان کا سر کاٹ لیں مگر عورتیں رونے پینے لگیں لہذا وہ اس ارادے سے باز رہے۔ پھر عثمان کا گھر لوٹا گیا، جس میں دو بوریاں درہموں سے بھری ہوئی برآمد ہوئیں۔ جن لوگوں نے عثمان کی محصور کی واقعات قلمبند کیے ہیں ان میں سے اکثر نے لکھا ہے کہ جس دن عثمان قتل ہوئے اس دن طلحہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے ہوئے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ تھے

تھا کہ میت سنگسار ہو جاتی۔ آخر کار ”حش کوکب“ میں ایک دیوار تلے انھیں دفن کر دیا گیا۔

ابن قتیبہ کا کہنا ہے کہ بلوایوں کے خوف سے میت تین دن تک پڑی رہی، آخر کار عائشہ دختر عثمان اور بارہ دیگر اشخاص نے مغرب و عشاء کے درمیان مکان کے پشت کا ایک دروازہ توڑ کر میت کو اسی پر لٹایا اور قبرستان کی طرف لے گئے۔ اس دروازے کا تختہ جس پر میت کو رکھا گیا تھا چوڑائی میں اس قدر کم تھا کہ آپ کی ایک بچی ہوئی ٹانگ نیچے لٹک رہی تھی اور جلدی جلدی چلنے کی وجہ سے ان کا سر اس تختے پر ”کھٹا کھٹ“ کرتا جاتا تھا، اسی آواز پر بلوایوں نے پتھر اڑ کیا۔ بروایت ابن خلدون وابن قتیبہ وغیرہ حضرت عثمان کا غسل و کفن یا نماز جنازہ نہیں ہوئی۔

معاویہ نے وہ دیوار جس کے زیر سایہ عثمان کی قبر تھی اپنے دور حکومت میں گروادی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مردوں کو عثمان کی قبر کے پاس دفن کریں تاکہ اس کا سلسلہ مسلمانوں کے قبرستان (بقيع) سے مل جائے۔ اسی وقت سے حضرت عثمان والا قبرستان بنی امیہ کا قبرستان کہا جانے لگا۔

مدتِ اقتدار

حضرت عثمان گیارہ سال، گیارہ ماہ اور چودہ دن تختِ اقتدار پر

لے طبری ج ۵ ص ۱۲۳ نیز دیکھیے: کامل ج ۲ ص ۷۶، ریاض النضرہ ج ۲ ص ۱۳۱-۱۳۲

تمھارے ہاتھ آئی ہے اسے گیند کی طرح بچاؤ، کھیلو اور ہمیشہ کے لیے بنی امیہ میں منحصر کر دو۔ میرے نزدیک حساب کتاب عذابِ ثواب و حشر و نشر اور جنت و دوزخ کوئی چیز نہیں ہے، تو آپ نے اس کفر پر شرعی حد کیوں نہیں جاری کی اور ابوسفیان کو مسلمانوں کے بیت المال سے دو لاکھ درہم کیوں دیے؟“

ممکن ہے کہ عبداللہ بن سواد کی گفتگو میں حضرت عائشہ کا وہ فتویٰ بھی کار فرما رہا ہو جس کے تحت انھوں نے عثمان کو کافر کہہ کر واجبِ قتل قرار دیا تھا۔ بہر حال وجہ کچھ سہی، حضرت عثمان تین دن تک پڑے رہے اور انھیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنے دیا گیا۔ آخر کار جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور ان سے منت سماجت کی کہ وہ کسی تدبیر سے عثمان کو دفن کرادیں۔ حضرت علیؑ نے بلوایوں سے رابطہ قائم کر کے انھیں سمجھایا کہ وہ عثمان کی میت کو دفن ہو جانے دیں۔ غرض کہ وہ لوگ مان تو گئے مگر اس کے باوجود ان میں سے کچھ پتھر لے کر راہ میں بیٹھ گئے اور جب عثمان کا جنازہ ادھر سے گزرا تو ان لوگوں نے پتھر اڑ کر دیا۔ بڑی مشکلوں سے آپ یہودیوں کے قبرستان ”حش کوکب“ میں ایک دیوار کے نیچے دفن کیے جاسکے۔

طبری نے ابی کرب (جو عثمان کی طرف سے بیت المال کا انکرا تھا) سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان بعد از غروب دفن ہوئے۔ ان کی میت میں مروان بن حکم، تین غلام اور ان کی ایک بیٹی شریک تھی جو چلا چلا کر رونے لگی تو لوگوں نے نعل نعل کہہ کر پتھر پھینکنا شروع کر دیا۔ قریب

جلوہ افروز رہے اور اس مدت میں آپ نے اسلام، اسلامی شریعت، قرآن، سنت رسول اور سیرتِ بخین کا ایسا ”ستیا ناس“ کیا کہ حضرت عائشہ کے حکم پر موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

ازواج

حضرت عثمان کی آٹھ بیویاں تھیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) رقیہ (۲) ام کلثوم (۳) فاختہ بنت غزوہ (۴) ام عمر بنت جندب بن عمرو (۵) فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ مخزومی (۶) ملیکہ بنت عتیبہ (۷) رملہ بنت شیبہ بن ربیعہ (۸) نائلہ بنت فرافصہ کلبیہ نصرانیہ۔

حضرت عثمان کی ان بیویوں کی فہرست میں ”رقیہ“ اور ”ام کلثوم“ کو مسلمانوں کا ایک فرقہ رسول اکرم کی صلیبی بیٹیاں قرار دے کر عثمان کی اس فضیلت کا قصیدہ پڑھتا ہے کہ وہ ذوالنورین تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں پیغمبر کی صلیبی بیٹیاں نہیں تھیں بلکہ حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں جنہیں پیغمبر نے خدیجہ الکبریٰ سے عقد کے بعد پالا تھا اور وہ انھیں سے منسوب ہو گئی تھیں۔ جیسا کہ ابوالقاسم الکوفی المتوفی ۳۵۲ھ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ

سے عقد کیا تو اس کے تھوڑے عرصہ بعد ہالہ کا انتقال ہوا اس

نے تین لڑکیاں رقیہ اور زینب اور ام کلثوم چھوڑیں جو پیغمبر اور

خدیجہ کی گود میں پلیں اور اسلام سے قبل یہ دستور تھا کہ اگر کوئی بچہ کسی کی گود میں پرورش پاتا تھا تو وہ اسی سے منسوب کیا جاتا تھا۔ (کتاب الاستغاثہ)

ازواج

حضرت عثمان کی سترہ اولادیں تھیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

ام کلثوم سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ رقیہ سے عبد اللہ پیدا ہوئے، چھ برس کی عمر میں مرغ نے ان کی آنکھ میں چوہنچ ماری اور وہ بیمار ہو کر مر گئے۔ پھر فاختہ نے ایک لڑکے کو جنم دیا اس کا نام بھی عبد اللہ رکھا گیا۔ ام عمرو بنت جندب سے عمرو پیدا ہوئے۔ ان کے بعد ابان پیدا ہوئے جن کی کنیت ابو سعید تھی۔ پھر خالد پھر عمر پیدا ہوئے ان پانچ لڑکوں کے بعد مریم پیدا ہوئیں جن کا نکاح سعید بن عاص سے ہوا۔ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ مخزومی سے ولید اور سعید دو لڑکے اور ایک لڑکی ام سعید ہوئی جو عبد اللہ بن عمر کو بیاہی گئی۔ ملیکہ (ام البنین) سے عبد الملک پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں مر گئے۔ رملہ بنت شیبہ سے دو لڑکیاں عائشہ اور ام ابان ہوئیں جو حارث بن حکم اور مروان بن حکم سے بیاہی گئیں۔ اور نائلہ بنت فرافصہ سے مریم (ام خالد) ارڈی اور ام ابان صغریٰ تین لڑکیاں ہوئیں جن میں سے مریم، عمر بن ولید بن عقبہ بن ابی معیط سے بیاہی گئی۔

فہرست قاتلین عثمان

(ازواج و اصحابِ رسول)

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ (۲) طلحہ بن عبد اللہ (۳) زبیر بن

عوام (۴) ام المومنین حفصہ (۵) عمرو بن عاص (۶) عبد الرحمن بن عوف

بن جعد (۷۱) ابو ثور (۷۲) کعب بن سور (۷۳) عدی بن حاتم۔
قاتلین عثمان کی فہرست بہت طویل ہے، اختصار کو مد نظر رکھتے
ہوئے میں نے صرف تہتر ناموں پر ہی اکتفا کی ہے۔ اس کے علاوہ
قبائل عرب میں قبیلہ بنی ساعدہ، بنی ہذیل، بنی زہرہ، بنی غفار، بنی
مخزوم، بنی خزاعہ، قبیلہ سعد بن بکر، قبیلہ جہینہ، قبیلہ مزنیہ، قبیلہ
انباط، یثرب، قبیلہ تیم، بنی سعد اور دیگر قبائل اور ان کے حلیف سب
کے سب عثمان کے قتل میں شریک ہو گئے تھے۔ ان قبائل کے علاوہ
اہل مدینہ، اہل مصر، اہل کوفہ اور اہل بصرہ بھی شریک تھے۔ گویا پوری
دنیا عثمان کے قتل پر آمادہ نظر آ رہی تھی۔

(ماخوذ از قاتلان عثمان حصہ اول)

حضرت عائشہ کے قاتل ہونے پر صحابہ کرام کی گواہیاں

(تاریخ کی روشنی میں)

مغیرہ بن شعبہ

”مغیرہ بن شعبہ (ایک دن) عائشہ کے پاس آیا تو عائشہ نے
اس سے کہا کہ اے ابو عبد اللہ! کاش تم مجھے جنگ جمل میں
دیکھتے کہ تیر کس طرح میرے ہودج کو توڑ کر نکل رہے تھے،
یہاں تک بعض تیر میرے جسم تک پہنچ جاتے۔ مغیرہ نے کہا
کاش ان تیروں میں کوئی تیر آپ کا خاتمہ کر دیتا۔ عائشہ نے
کہا آخر یہ کیوں؟ مغیرہ نے کہا، تمہارے قتل کے بعد اس سعی

(۷۴) معاویہ بن ابی سفیان (۸) مروان بن حکم (۹) محمد بن ابوبکر (۱۰) محمد
بن ابی حذیفہ (۱۱) عمار یا سر (۱۲) مالک اشتر (۱۳) عبد الرحمن بن عدی
بلوی (۱۴) زید بن صوحان عبدی (۱۵) صعصعہ بن صوحان (۱۶) عبد
بن عمر بن خطاب (۱۷) حکیم بن جبہ عبدی (۱۸) عبد اللہ بن الاصم عامر
(۱۹) جبہ بن عمرو سا عدی (۲۰) جہاہ غفاری (۲۱) عمرو بن الحنف (۲۲)
عمرو بن حزم انصاری (۲۳) یزار بن عیاض (۲۴) عمیر بن صابی (۲۵)
کمیل بن زیاد نخعی (۲۶) ابو عمرو بن بدیل بن ورقاء خزاعی (۲۷) سودان
بن ریان (۲۸) ذرع بن یثکر نافعی (۲۹) ابن عیسیٰ (۳۰) ابن ابوشمر
بن ابرہہ (۳۱) عبد اللہ بن سودا (۳۲) خالد بن لخم (۳۳) ذریع بن عباد
(۳۴) سودان بن حمران (۳۵) کنانہ بن بشر (۳۶) غافقی بن حرب لخمی
(۳۷) بشر بن شریح قیسی (۳۸) ابن المخرش (۳۹) حرقوص بن زہیر
سعدی (۴۰) عروہ بن بیاع (۴۱) قیس بن سعد (۴۲) عروہ بن سلیم
لیثی (۴۳) کدر بن حمام (۴۴) سدوس بن غنص (۴۵) سیار بن عیاض
(۴۶) سیار بن الیاس (۴۷) رومان بن سیرحان (۴۸) جبہ بن ایہم
(۴۹) یزید بن قیس ارجبی (۵۰) عامر بن قیس تمیمی (۵۱) عبد الرحمن
بن اسود (۵۲) کنانہ بن عتاب (۵۳) ابو موسیٰ اشعری (۵۴) حذیفہ
(۵۵) ابن مسعود (۵۶) قعقاع بن عمرو (۵۷) احنف بن قیس
(۵۸) عبید بن رفاء (۵۹) حجاج بن عدی (۶۰) ثابت بن قیس نخعی
(۶۱) جندب بن زہیر (۶۲) ابو زینب (۶۳) عبد اللہ بن فدیہ (۶۴)
علقمہ بن عثمان (۶۵) علقمہ بن قیس نخعی (۶۶) حبیب بن زہیر (۶۷)
حبیب بن کعب ازدی (۶۸) ابن کوار (۶۹) قتیرہ بن وہب (۷۰) عروہ

عمار بن یاسر

”عثمان کے قتل ہونے پر عائشہ نے شور مچایا کہ عثمان بے گناہ قتل ہوئے۔ اس پر عمار نے کہا کہ کل تم ان کے قتل کے لیے لوگوں کو بھڑکاتی تھیں اور آج شور مچاتی ہو!“

ابن عباس

”عائشہ نے ابن عباس سے فرمایا کہ تم نے دیکھا کہ طلحہ نے بیت المال اور خزانہ پر قبضہ کر لیا تھا، اگر وہ خلیفہ ہوتے تو اپنے ابن عم ابو بکر کی سیرت پر چلتے۔“
اس روایت میں حضرت عائشہ کی خواہش کا رد فرما ہے۔

حضرت عائشہ کا اقرار

”جب امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بیعت کی خبر عائشہ کو ملی تو وہ مدینہ میں نہیں تھیں۔ ان سے کہا گیا کہ عثمان قتل ہو گئے اور علیؑ کی بیعت ہو گئی۔ یہ سن کر عائشہ نے کہا مجھ پر وا نہیں اگر آسمان زمین پھٹ پڑے، خدا کی قسم عثمان مظلوم قتل ہوئے اور میں ان کے خون کا انتقام لوں گی۔ عبید نے کہا کہ اے ام المومنین سب سے پہلے جس نے عثمان پر طعن کی اور لوگوں کو ان کے قتل پر ابھارا وہ آپ تھیں اور آپ ہی نے کہا، اس نفل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔“

۱۴۰ ص ۳ طبری ج ۲ ص ۴۹ الامت والیاست

قتل کا کفارہ ہو جاتا جو عثمان کے لیے آپ نے کی ہے۔“

ابن ابی وقاص

”راوی کہتا ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا ہے تو انھوں نے کہا، اس تلوار نے جو عائشہ نے کھینچی تھی۔“

مروان بن حکم

”عائشہ نے کہا تم لوگ عثمان پر چڑھ بیٹھے اور انھیں قتل کر ڈالا۔ اس پر مروان نے کہا، یہ کام تو تمھارا ہے کہ تم نے خطوط لکھ کر لوگوں کو اس امر پر آمادہ کیا کہ وہ عثمان پر خروج کریں۔“

ابن کلاب

”حصار عثمان کے وقت عائشہ مکہ چلی گئیں، پھر مکہ سے مدینہ کا ارادہ کر کے پلٹیں۔ مقام سرف میں ابن کلاب سے ملاقات ہوئی، پوچھا کیا خبر ہے؟ کہا، عثمان قتل کر دیے گئے۔ یہ سن کر عائشہ مکہ کی طرف پھر پلٹیں اور یہ کہتی جاتی تھیں کہ ہائے عثمان مظلوم قتل ہوئے۔ ابن کلاب نے کہا کہ آپ ہی نے عثمان کا قتل چاہا، آپ ہی وہ ہیں جس نے یہ فتویٰ دیا کہ نفل کو قتل کر ڈالو کیونکہ یہ کافر ہو گیا ہے۔“

۱۹۰ ص ۲ عقد الفرید ج ۲ ص ۱۸۸ عقد الفرید ج ۳ ص ۱۸۷ تاریخ کامل ج ۳ ص ۸۰

نے کہا ہاں! خدا کی قسم میں نے یہ ضرور کہا اور کیا۔ مگر میرا دوسرا قول پہلے قول سے بہتر ہے۔۔۔۔۔ عبید نے کہا اے ام المومنین! ہمارے نزدیک قاتل وہ ہے جس نے قتل کا حکم دیا۔

عمر و عاص

”ابن قتیبہ نے اپنی کتاب الامامت والسیاست میں تحریر کیا ہے کہ جس وقت عثمان قتل ہوئے، عمرو عاص فلسطین میں تھا اسے خبر معلوم ہوئی تو اس نے سعد بن ابی وقاص سے خط لکھ کر پوچھا کہ عثمان کو کس نے قتل کیا تو جواب میں اس نے لکھا: اس تلوار نے جسے عائشہ نے تیار کی تھی اور طلحہ نے اس پر قتل کی تھی۔“

یہ وہ تاریخی شواہد ہیں جو اس سربستہ راز پر پڑے ہوئے پرستے کو چاک کر دیتے ہیں کہ حضرت عثمان کا اصل قاتل کون تھا؟ اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت عائشہ نے عثمان کے قتل کا حکم دیا اور اس حکم کے عملدرآمد پر مسلمانوں کو ہموار کیا تو پھر عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد انھوں نے خون عثمان کے قصاص کا نعرہ کیوں بلند کیا جس کے نتیجے میں ”جنگ جمل“ کے نام سے ایک ہولناک حادثہ رونما ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سیاسی نقطہ نظر سے عائشہ کے لیے اس سے بہتر کوئی صورت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو پھر فریب میں مبتلا کر کے اپنے دامن سے عثمان کے خون کے دھبوں کو صاف کر لیں۔ دوسرے

لے کامل ج ۳ ص ۸۰، طبری ج ۳ ص ۱۷۳، الامامت والسیاست ص ۵۴

یہ کہ وہ دیرینہ دشمنی اور عداوت جو حضرت علیؑ کی طرف سے آپ کے دل میں تھی، اس کے انتقام کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میدان کارزار گرم کر دیں۔ اگر جنگ میں یہ کامیاب ہو جاتیں تو ان کی ساری دلی مرادیں پوری ہو جاتیں۔ یعنی حضرت علیؑ بھی قتل ہو جاتے اور حکومت و اقتدار کی باگ ڈور بھی ان کے ہاتھ میں آ جاتی۔ کیونکہ عائشہ، طلحہ، زبیر اور معاویہ، ان چاروں میں ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ اقتدار کا مالک بنے۔ حضرت عائشہ کے دل میں یہ خواہش بھی جاگزیں تھی کہ اگر میں اس منصب پر فائز نہ ہو سکوں تو میری بہن اسماء کا لڑکا عبداللہ بن زبیر فائز ہو اور یہی وجہ تھی کہ عثمان کے قتل میں ان لوگوں نے اپنا پورا سیاسی زور صرف کر دیا۔ تاریخ کی نظروں سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان لوگوں میں باہم مشورے ہو چکے تھے اور جب اس اہم نکتے پر نظر ٹھہرتی ہے کہ طلحہ ام المومنین عائشہ سے عقد کرنا چاہتے تھے، تو اس وقت صورت حال اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں یہ معاملہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا کہ نبوت کے لیے میلہ کذاب اور سبجاء کے درمیان طے پایا تھا۔ (تمام شد)

خاک پائے اہل بیتؑ

فروغ کاظمی

۳۰ دسمبر ۱۹۹۴ء

لے سیرت حلبیہ ج ۳ ص ۳۲۵

صاحب کو ایسا آئینہ دکھلا چکے ہیں جن کی مدح سرائی مولانا ندوی صاحب نے کی ہے ان کی سوانح حیات کے خدو خال کے نقوش صاف نظر آگئے ہوں گے۔

میں آپ کو محبان اہل بیت و شیعیان علی علیہ السلام کی طرف سے نیز اپنے اہل و عیال کی طرف سے مبارک باد دیتا ہوں۔ یہ کتاب الخلفاء آپ کے قلم مبارک سے ایسی تصنیف ہے جو ہماری قوم کی نئی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگی۔ بس میں تو یوں کہوں، یہ تائید مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام تھی۔

فقط خاک پائے اہل بیت علیہم السلام

سید کاظم رضا ندوی

۲۱۔ ای، پشپ و ہار، سیکٹر ۵، ساکیت، نئی دہلی، ۱۱۰۰۱۱

جناب شاعر آل محمد سید فروغ کاظمی صاحب
السلام علیکم

آپ کی کتاب الخلفاء پہلی جلد پڑھا دل شاد ہو گیا خوب جواب دیا ہے۔ واقعہ کہ بلا اور اس کا پس منظر بالکل لغو کتاب ہے۔ دشمن اہل بیت اب بھی اس دنیا میں یزیدی شکل میں نمایاں نظر آتا ہے اس کا جواب تفسیر کر بلا پڑھ کر آپ نے حسین اور اسلام کو زندہ کر دیا۔ پوری تاریخ کر بلا کو ایک کوزے میں بھر دیا ہے۔ ابوسفیان و معاویہ کی تاریخ بیان کیا ہے جو اکثر لوگ خاندان بنی امیہ سے واقف نہیں تھے۔ آپ کے معلومات کی کیا تعریف کریں۔ اس کی تعریف اللہ پاک یا رسول اللہ یا

تاثرات

عالی جناب فروغ کاظمی صاحب دام اقبالہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ نے مولانا ابوالحسن ندوی کی کتاب ”المرتضیٰ“ کا مسکت جواب الخلفاء حصہ اول تصنیف فرما کر ملت اسلامیہ پر وہ احسان عظیم کیا ہے جس کا اجر سوائے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آپ نے تاریخ کی روشنی میں وہ وہ حقائق پیش کیے ہیں جس پر صدیوں سے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے اور یہ صرف دشمنان اہل بیت طاہرین علیہم السلام نے ڈال رکھے تھے۔ اُن دبیز پردوں کو آپ نے نوچ کر تار تار کر دیا اور اُن خبیث، منحوس، مکروہ اور دوسیاہ چہروں کو بے نقاب کر دیا جو وقت کی نزاکت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بظاہر کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو گئے تھے۔

بہر حال آپ کی تصنیف کردہ کتاب الخلفاء پڑھ کر روح تازہ ہو گئی، دل باغ باغ ہو گیا۔ حصہ دوم کا بے چینی سے انتظار ہے بلکہ مولانا ابوالحسن ندوی صاحب کو بھی دوسرے طلائع حق کا انتظار ہے جس کے پڑتے ہی چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ حصہ اول میں تو آپ ندوی

ائمہ کی روح پاک شاد ہوگی۔ جناب سیدہ بنت رسول خدا خوش ہوں گی
جنت کے فرشتے خوش ہوں گے خاص کر حضرت جبریل امین شاگرد مولا
علیؑ خوش ہوں گے۔

حکیم سید محمد سردار علی رضوی
سکریٹری شیعہ رویت ہلال کمیٹی، گلزار باغ، پٹنہ

محترم شاعر ملت حضرت فروغ کاظمی

سلام مسنون

”تفسیر کہ بلا“ کا مطالعہ کر رہا ہوں، اس سے قبل الخلفاء جلد
اول کا مطالعہ کر چکا ہوں۔ اللہ کے زور قلم اور زیادہ۔ سبحان اللہ
مبارک باد کے مستحق ہیں آپ کہ آپ اس دور میں حقیقی اسلام اور
اس کے معصوم محافظین پر منافقین کے ناپاک حملوں کا دندان شکن
جواب دے رہے ہیں۔

آپ واقعی اپنے اس شعر کے مصداق ہیں

میں کہاں لے جاؤں اپنے میثمی کردار کو

فقط والسلام

گدائے دراہل بیت علیہم السلام

واصف عابدی

محلہ انصاریان، چھوٹا امام بارگاہ سہارن پور

(یوپی)

محترم مجبی، مشفق، کرم فرماے بندہ، محقق و مورخ دوران
شاعر اہل بیت جناب فروغ صاحب

تسلیم نیاز مندانہ

امید ہے کہ جناب عالی بفضل ایزدی وہ تصدق محمد و آل محمد
مع متعلقین بخیریت ہوں گے۔ آپ کی تحریری گراں بہا کاوش الخلفاء
حصہ دوم کی Development بھی معلوم خدا کرے آپ کی یہ محنت
بار آور ہو اور ایک ایسا تاریخی کارنامہ بن جائے جو تاریخ فضائل محمد
و آل محمد و رد وہابیت میں سنگ میل ثابت ہو اور جسے پڑھنے کے
بعد کسی بھی دشمن اہل بیت کو فضائل اہل بیت گھٹا کر پیش کرنے کی
ہمت نہ ہو سکے نیز آنے والی نسلیں اس سے فیض اکتساب کر سکیں۔

نقطہ خیر اندیش

ریاض الحسن

کتابیات

قرآن مجید	تاریخ ابوالفدا	تفسیر نیشاپوری
ہنج البلاغہ	تاریخ طبری	تذکرہ خواص الامہ
الملل والنحل	تاریخ الخلفاء	تفسیر کبیر (فخر الدین رازی)
الامامت والسیاست	تاریخ کامل	تفسیر کشاف زمخشری
اربع المطالب	تاریخ ابن خلدون	شرح الاوراق
الاتقان	تاریخ حمیس	حیوة الحيوان
الغدير	تاریخ اسلام ذاکر حسین	خلفائے راشدین (اعظم رحمہ)
الفتنة الكبرى	تاریخ اسلام حسن ابراہیم	خصائص نسائی
اصابه	قطب الجہان	خلفائے ثلاثہ
احیاء العلوم	تفسیر غرائب القرآن	دیوان حسان
انزالہ الخفاء	تذکرۃ الکلام	روض الانف سہیلی
استیعاب	تفسیر ابن کثیر	روضۃ الاحباب
البدایہ والنہایہ	تہذیب التہذیب	روضۃ الصفاء
الفاروق	تفسیر بیضاوی	ریاض النضرہ
انوار اللغۃ	تفسیر حقانی	صحیح بخاری
المأمون	تفسیر معالم التنزیل	صحیح مسلم
انساب الاشراف	تفسیر درمنثور	قرۃ العینین
آغانی	تفسیر الاتقان	فتح البیان

اظہارِ تشکر

جناب خورشید آغا صاحب ایڈوکیٹ

اوسط قد، گول چہرہ، کشادہ پیشانی، پرکشش آنکھیں، گداز جسم کے پیکر کا نام خورشید آغا ایڈوکیٹ ہے۔

آپ کے والد محترم جناب منور آغا صاحب مجنوں لکھنوی کا شمار ہندوستان کے عظیم ترین اور مشہور ہنر گو شعراء میں تھا۔ آپ پیشہ کے اعتبار سے لکھنؤ کے معروف و کلاہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور کھلے ذہن کے ساتھ مولائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو بلائے معلیٰ نجف اشرف، خراسان، سامرہ اور ایران کے مقدس مقامات کی متعدد زیارتوں سے مشرف ہو چکے ہیں۔ اور ہندوستان کے اہم مقدس مقامات مثلاً حسین ٹیکری، نجف ہند جوگی پورہ اور بکھرہ وغیرہ کی زیارتوں سے برابر مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

اس کتاب کے آپ خصوصی معاون رہے ہیں اور از ابتدا تا انتہا اس کی تالیف میں آپ نے میرا ہاتھ بٹایا ہے۔ خدا ان کے اس جذبہ کو برقرار رکھے۔

فروغ کاظمی

منازلِ آخرۃ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟

کیا مردہ حروف ادا کرتا ہے، روحیں کیسے قبض ہوتی ہیں؟ وہ اعمال جن کی وجہ سے سکرات میں آسانی ہوتی ہے، وہ اعمال جو مرنے والے کے لیے راحت کا سبب ہیں۔ آسانی موت کے اعمال۔ وہ چیزیں جو وحشتِ قبر کے لیے مفید ہیں۔

فتارِ قبر کیوں ہوتا ہے؟ منکر نکیر کا قبر میں سوال و جواب، برزخ کی لذت فانی نہیں ہے۔ بدن جسمانی میں روح کی تاثیر اور قبر کے ساتھ تعلق۔ برزخ والوں کے لیے مفید اعمال۔ قیامت کی سختی سے محفوظ رکھنے والے اعمال۔

دوبارہ زندگی، قبروں سے نکلنا، کیفیتِ حشر و نشر، موقفِ حساب، حساب کون لے گا؟ حساب کن لوگوں کا ہوگا؟ شفاعت کن لوگوں کی ہوگی؟ حوضِ کوثر، پل صراط سے گزرنے میں آسانی پیدا کرنے والے اعمال، دوزخ اور اہل دوزخ کی کیفیت۔ جنت اور لذاتِ جنت وغیرہ کے سلسلے میں معلومات فراہم کرنے والی بہترین معتبر اور مستند کتاب قرآن و حدیث کی روشنی میں۔

مصنف: شیخ عباس القمی النجفی علیہ الرحمہ

عَبَّاسُ بَکِ الْبَحْبُوسِیْ دُرْگاہِ حضرت عَبَّاسِؓ، لکھنؤ

سیرت حلبیہ	موطا (مالک)	سیرۃ النبی ابن ہشام
شرح ابن ابی الحدید	میزان الاعتدال	فتح الباری
طریق الحکمت	کنز العمال	ہنج الوصول
فاروق اعظم	سوانح عمری حضرت عمر	نص واجتہاد
مستطرف	طبقات ابن سعد	صواعق محرقة
سیرت خلفائے راشدین	سر العالمین	کوکب دری
(عبد الشکور)	شرح بخاری عسقلانی	مشکوٰۃ المصابیح
عثمان ترجمہ الفتنۃ الکبریٰ	مقتل حسین خوارزمی	شرح مشکوٰۃ
شرح تجرید	سیرۃ النبی شبلی	محاضرات راجب
معارف	عقد الفرید	مسند احمد بن حنبل
فائق زنجشیری	شرح مسلم نووی	مدارج النبوة

تفسیر کر بلا

بہ جواب

واقعہ کر بلا اور اس کا پس منظر (ایک مطالعہ کی روشنی میں)

مولف

محقق بصیر حضرت فروغ کاظمی

ہدیہ مجلد ۶۵ روپے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ

اسلام کے حقیقی نظریات اور معارف کے ادراک اور آپ کے علمی دینی اور روحانی ذوق کی تسکین کیلئے

عالم اسلام کے جید عالموں اور دانشوروں کی تحقیقی کاوشوں پر مبنی اور اپنے مواد کی صحت و دیدہ زیب کتابت عمدہ کاغذ اور خوبصورت طباعت سے مزین ہونے کی بنا پر مندرجہ ذیل مطبوعات کتابوں کی دنیا میں یقیناً گراں بہا اضافہ ہیں

۵/۰	تقیات نماز (پاک سائز)	۱۵/۰	توبہ دستغیب شیرازی
	اسلام اور عزاداری (مجموعہ مجالس کراچی)	۲۵/۰	ترسیت اولاد مولانا جان علی شاہ کاظمی
۲۵/۰	طاہر جرنی صاحب	۴/۰	اولین مؤذن اسلام حضرت بلال سعیدین آبادی
۳۰/۰	علوم القرآن مولانا سید محمد بارون صاحب	۲۵/۰	جناب فقہر ^۲ راحت حسین ناصری
۷۰/۰	صرف ایک راستہ عبدالکریم مشتاق (پاکستان)	۲۵/۰	مجالس عظیم مولانا سید کلب عابد صاحب
۳۰/۰	قرآن اور جدید سائنس مورس بروکائی	۱۲۰/۰	سیرت امیر المومنین ^{علیہ السلام} مولانا مفتی جعفر حسین صاحب
۵۵/۰	المخلفار (حصہ دوم) فروغ کاظمی	۷۵/۰	سیرت امیر المومنین ^{علیہ السلام} " " "
۴۰/۰	حضرت عائشہ کی تاریخی حیثیت فروغ کاظمی	۳۰/۰	المخلفار (حصہ اول) فروغ کاظمی
زیر طبع	قرآن اور سائنس مولانا سید کلب صادق صاحب	۴۰/۰	تفسیر کربلا " " "
	منازل آخرہ (مرنے کے بعد کیا ہوگا؟)		درگاہ حضرت عباسؑ تاریخ کی روشنی میں
۳۰/۰	شیخ عباس قمی علیہ الرحمۃ	۲۵/۰	(مرتبہ حسن لکھنوی)
۴۵/۰	حقائق القرآن الحاج سید امتیاز حیدر	۲۰/۰	آل محمد کا دیوانہ بہلول داتا نرجس عابدہ
	مولیٰ علیؑ تقاریر مولانا کوثر شیازی (پاکستان) و	۷۰/۰	عرفان امامت حالات امام زمانہؑ ظفر عباس کشمیری
	مولانا سید کلب صادق صاحب	۳۰/۰	البيان تفسیر سورہ الحمد سید ابوالقاسم الخوئی
۳۵/۰	وظائف القرآن سورہ قرآنی جلی حروف رنگین	۷۰/۰	اہل ذکر و اکثر محمد تجمانی ساوی
۲۵/۰	امامیہ نماز رنگین باتصویر	۸/۰	انتقام خونیں یا خروج مختار سید محمد علی انجوی
	قرآن مجید مولانا سید فرحان علی صاحب رنگین جلی خز	۳۰/۰	اسلام اور جنسیات ڈاکٹر محمد تقی علی عابدی
	خطبات حضرت زینبؑ مولانا ابن حسن نجفی نیر طبع	۲۰/۰	کائنات روش مرآتی باقر علی خان روش لکھنوی

ملنے کا پتہ
عباسؑ بک ایجنسی
درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ ۲